ماہنامہ

حنا

جلد 39 شمارہ 5
مئی 20016ء
قیمت -/60 روپے

بانی: سردار محمودؒ
مدیر اعلیٰ: سردار طاہر محمود
مدیرہ: تسنیم طاہر
نائب مدیران: ارم طارق
تحریم محمود
مدیرہ خصوصی: فوزیہ شفیق
قانونی مشیر: سردار طارق محمود (ایڈوکیٹ)
آرٹ ایڈیٹر: کاشف گوریجہ
اشتہارات: خالدہ جیلانی
افراز علی نازش

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلامیات

انشاء نامہ

مکمل ناول

ناولٹ

سلسلے وار ناول

افسانے

☆☆☆

سردار طاہر محمود نے نواز پرنٹنگ پریس سے چھپوا کر دفتر ماہنامہ حنا 205 سرکلر روڈ لاہور سے شائع کیا۔
خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ، **ماہنامہ حنا** پہلی منزل محمد علی امین میڈیسن مارکیٹ 207 سرکلر روڈ
اردو بازار لاہور فون: 042-37321690, 042-37310797 ای میل ایڈریس،
monthlyhina@hotmail.com, monthlyhina@yahoo.com

قارئین کرام! مئی 2017ء کا شمارہ پیش خدمت ہے۔

عدالت عظمیٰ نے پانامہ لیکس کے مقدمے کا فیصلہ سنا دیا ہے۔ اس فیصلے پر دونوں فریق جشن منا رہے ہیں۔ حکومتی پارٹی خوش ہے کہ وزیراعظم اکثریتی فیصلے میں نااہلی سے بچ گئے ہیں۔ جبکہ مخالف جماعتیں خوش ہیں کہ کم از کم دو ججوں نے وزیراعظم کو نااہل قرار دیا ہے اور باقی ججوں نے بھی انہیں کلین چٹ نہیں دی بلکہ معاملہ مزید تفتیش کے لئے مشترکہ تحقیقاتی ٹیم کے سپرد کر دیا ہے۔ اس فیصلے کے بعد اب اپوزیشن وزیراعظم سے اخلاقی بنیاد پر استعفیٰ کا مطالبہ کر رہی ہے جسے حکومتی پارٹی نے مسترد کر دیا ہے۔ ہمارے مطابق حقیقت یہ ہے کہ اس فیصلے سے یہ کیس ختم نہیں ہوا بلکہ آگے بڑھا ہے۔ عدالت نے وزیراعظم کے خاندان کے مالی معاملات کی تحقیقات کے لئے 13 انتہائی اہم سوالات اٹھائے ہیں جن پر مشترکہ تحقیقاتی ٹیم تحقیق کر کے عدالت کو 60 روز کے اندر رپورٹ پیش کرے گی اور اس دوران ہونے والی پیش رفت سے عدالت کو ہر پندرہ دن کے بعد آگاہ بھی کرتی رہے گی۔ اس کا مطلب ہے کہ وزیراعظم اور ان کے خاندان کی مشکلات ابھی ختم نہیں ہوئیں۔ معاملہ اب بھی عدالت میں ہے دونوں فریقوں کو چاہیے کہ حتمی فیصلے کا انتظار کریں اور جو بھی عدالتی فیصلہ ہو اسے خوشدلی سے قبول کریں۔ کہ ملک مزید انتشار کا متحمل نہیں ہو سکتا۔

اس شمارے میں: ۔ اُم مریم اور نایاب جیلانی کے سلسلے وار ناول، بشریٰ سیال، سونیا چوہدری اور اُم ایمان قاضی کے مکمل ناول، مبشرہ انصاری اور ثمینہ بٹ کے ناولٹ، تمثیلہ زاہد، حمیرا نوشین، تابندہ جاوید اور ثناء کنول کے افسانوں کے علاوہ حنا کے سبھی مستقل سلسلے شامل ہیں۔

آپ کی آرا کا منتظر
سردار طاہر محمود

قریب ہے رگ جاں سے مگر دکھا نہ سکا
وہ دل میں آیا، سمجھ میں مگر سما نہ سکا

گناہ کا بوجھ ہے سر پر گراہوں سجدے میں
پڑا وہ بار مرے سر پہ کہ میں اٹھا نہ سکا

سمجھ میں آ نہیں سکتی حقیقت معبود
بشر تو اپنی بھی ہستی کا راز پا نہ سکا

بنائے سینکڑوں معبود یوں تو انساں نے
وہ برگ و غنچہ یا مور و مگس بنا نہ سکا

بشر کو تو نے نوازا، یہ فضل ہے تیرا
سروش منزل سدرہ سے آگے جا نہ سکا

ہے پھول سجدے میں، حالت سے اس کی تو واقف
بہائے اشک مگر حال دل سنا نہ سکا

تنویر پھول

مہکتے چمن ہو، رسولؐ امیں ہو
سینے میں جن کے قرآن مبیں ہو

ابر کرم بھی ہو، بحر سخا بھی ہو
مہربان رب کا فضل مبیں ہو

فراست و حکمت میں ثانی نہیں ہے
کوئی بشر چاہے کتنا ذہیں ہو

ہو راحت جاں بھی پیام اماں بھی
دل کی تمنا ہو، دل کے قریں ہو

رسولؐ خدا ہیں، یہ پہچان ان کی
باتوں پہ جن کی سب کو یقیں ہو

سجدے میں گر کر قیامت کے دن بھی
سب کو بخشش کا طالب نذیر مبیں ہو

محمد زبیر

ادارہ

آپ کی نشست

حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار زانو بھی بیٹھتے تھے اور ان کا کہنا ہے کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بائیں کروٹ پر ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے بیٹھے دیکھا ہے۔

(شمائل ترمذی)

حضرت حنظلہ بن حذیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں آیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو چار زانو بیٹھے ہوئے دیکھا، ایک پاؤں دوسرے پاؤں پر رکھے ہوئے، (دایاں پاؤں بائیں پر)

(الادب المفرد)

انداز رفتار

حضرت حسن ابن علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چلنے کے لئے قدم اٹھاتے تو قوت سے پاؤں اکھڑتا تھا اور قدم اس طرح رکھتے کہ آگے جھک پڑتا اور تواضع کے ساتھ قدم بڑھا کر چلتے، چلنے میں ایسا معلوم ہوتا گویا کسی بلندی سے پستی میں اتر رہے ہیں، جب کسی کروٹ کی طرف کی چیز کو دیکھنا چاہتے تو پورے پھر کر دیکھتے، (یعنی کن انکھیوں سے دیکھنے کی عادت نہ تھی) نگاہ نیچی رکھتے، آسمان کی طرف نگاہ کرنے کی بہ نسبت زمین کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نگاہ زیادہ رہتی، عموماً عادت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گوشۂ چشم سے دیکھنے کی تھی (مطلب یہ کہ غایت حیا سے پورا سر اٹھا کر نگاہ بھر کر نہ دیکھتے) اپنے اصحاب کو چلنے میں آگے کر دیتے، جس سے ملتے تو پہلے سلام فرماتے۔

(نشر الطیب)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرامؓ جب بلندی پر چڑھتے تو تکبیر کہتے اور جب نیچے وادیوں میں اترتے تو تسبیح کہتے۔

(زاد المعاد)

تبسم

حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ہنسنا صرف تبسم ہوتا تھا۔

(شمائل ترمذی)

بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم محض تبسم ہی فرماتے، کسی ہنسی کی بات پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صرف مسکرا ہی دیتے۔

(زاد المعاد)

عبداللہ بنؓ حارث کہتے ہیں کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے زیادہ تبسم کرنے والا نہیں دیکھا۔

(شمائل ترمذی)

حضرت جریر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ جب بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھے دیکھتے تو تبسم فرماتے، (یعنی خندہ پیشانی سے مسکراتے ہوئے ملے تھے)

(شمائل ترمذی)

آپؐ کا گریہ

ہنسنے کی طرح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رونا بھی ایسا ہی تھا کہ جس میں آواز پیدا نہ ہوتی، گریہ کے وقت اتنا ضرور ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی آنکھیں ڈبڈبا آتیں اور آنسو بہہ جاتے اور سینہ سے رونے کی ہلکی ہلکی آواز سنائی دیتی، کبھی امت پر رحمت کے باعث رو دیتے، کبھی امت پر نرمی اور خطرات کے باعث، کبھی اللہ تعالیٰ کی خشیت کی وجہ سے اور کبھی کلام اللہ سنتے سنتے رو پڑتے، یہ آخری رونا محبت و اشتیاق اور اللہ تعالیٰ کے جلال و خشیت کی وجہ سے ہوتا۔

(زاد المعاد)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح مبارک

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجالس میں گو وقار، سنجیدگی اور متانت کی فضا ہر وقت قائم رہتی، یہاں تک کہ خود صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین فرماتے ہیں کہ۔

"ہم لوگ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی صحبت بابرکت میں ایسے با ادب و باتمکین ہو کر بیٹھتے کہ گویا ہمارے سروں پر پرندے بیٹھے ہوئے ہیں اور وہ ادنیٰ سی حرکت سے اڑ جائیں گے، مگر پھر بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خوش طبعی کی جھلک ان متبرک صحبتوں کو خوشگوار بناتی رہتی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اگر ایک طرف نبی مرسل کی حیثیت سے احترام رسالت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وعظ و تلقین میں مصروف رہتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوسری طرف صحابہ کرامؓ کے ساتھ بے تکلف دوست اور ایک خوش مزاج ساتھی کی حیثیت سے بھی میل جول رکھتے، اگر زیادہ اوقات میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس ایک دینی درسگاہ اور تعلیمی ادارہ بنی رہتی تو کچھ دیر کے لئے خوش طبع مہذب دوستوں کی بیٹھک بھی بن جاتی، جس میں ظرافت کی باتیں بھی ہوتیں، گھر بار کے روزانہ کے قصے بھی بیان ہوتے، غرض بے تکلفی سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحابہؓ سے اور صحابہؓ آپس میں گفتگو کرتے، اب دیکھنا یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظرافت کس طرح کی تھی، اس تشریح کی یوں ضرورت ہے کہ بہت سے کاموں میں ہمارے غلط عمل سے ہمارے نظریات بدل چکے ہیں، تخیل کہاں سے کہاں چلا گیا ہے، ہر معاملہ میں اعتدال کھو بیٹھے ہیں، اگر ہم سنجیدہ اور متین بنتے ہیں تو اتنے کہ خوش طبعی اور ظرافت ہم سے کوسوں دور رہتی ہے اور اگر خوش طبع بنتے ہیں، تو اس قدر کہ تہذیب ہم سے کوسوں دور رہتی ہے اس لئے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عمل سے ہمیں ایک خاص معیار اپنے سامنے رکھنا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظرافت کی تعریف آپ صلی اللہ علیہ والہ وسلم ہی کی زبان مبارک سے سن لیجئے، صحابہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا یہ ہاں بے شک، مگر میرا مزاح سراسر سچائی اور حق ہے۔"

(شمائل ترمذی)

اس کے مقابلے میں ہمارا آج کل کا مذاق وہ ہے، جس میں جھوٹ، غیبت، بہتان، طعن و تشنیع اور بے جا مبالغوں سے پورا پورا کام لیا گیا ہو۔

اب میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ظرافت کے چند واقعات قلمبند کرتا ہوں کہ جن کے تحت ہم ظرافت کا صحیح تخیل قائم کر سکیں۔

اسی طرح اس کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں کے ساتھ محبت میں بھی مجھے

صرف وہ واقعات ہی بیان کرنا ہیں، جن سے ہمیں یہ اندازہ ہو سکے گا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بچوں کے ساتھ محبت کا کیا طریقہ تھا۔

ایک شخص نے خدمت اقدس میں حاضر ہو کر سواری کے لئے درخواست کی، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''تم کو سواری کے لئے اونٹنی کا بچہ دوں گا۔''

وہ شخص حیران ہوا کیونکہ اونٹنی کا بچہ سواری کا کام کب دے سکتا ہے، عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میں اونٹنی کے بچے کا کیا کروں گا؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''کوئی اونٹ ایسا بھی ہوتا ہے جو اونٹنی کا بچہ نہ ہو۔''

(شمائل نبویؐ)

ایک مرتبہ ایک بڑھیا خدمت اقدس میں حاضر ہوئی اور عرض کیا۔

''یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! میرے لئے دعا فرمائیں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو جنت نصیب کرے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔

''بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی۔''

یہ فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لئے تشریف لے گئے اور بڑھیا نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے الفاظ سنتے ہی زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز سے فارغ ہو کر تشریف لائے تو حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! جب سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ بوڑھی عورتیں جنت میں نہیں جائیں گی، یہ بڑھیا رو رہی ہے۔''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس سے کہہ دو کہ بوڑھی عورتیں جنت میں جائیں گی، مگر جوان ہو کر۔''

(شمائل نبویؐ)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک دیہاتی زاہر نامی دوست تھے، جو اکثر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیے بھیجا کرتے تھے، ایک روز بازار میں وہ اپنی کوئی چیز بیچ رہے تھے، اتفاق سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ادھر سے گزرے، ان کو دیکھا تو بطور خوش طبعی چپکے سے پیچھے سے جا کر ان کو گود میں اٹھا لیا اور بطور ظرافت آواز لگائی کہ ''اس غلام کو کون خریدتا ہے؟''

زاہرؓ نے کہا۔

''مجھے چھوڑ دو، کون ہے؟''

مڑ کر دیکھا تو سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تھے۔

حضرت زاہرؓ نے کہا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم! مجھ جیسے غلام کو جو خریدے گا نقصان اٹھائے گا۔''

(شمائل نبویؐ)

بچوں سے خوش طبعی

حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں پر بہت شفقت فرماتے، ان سے محبت کرتے، ان کے سر پر ہاتھ پھیرتے ان کو پیار کرتے اور ان کے حق میں دعائے خیر فرماتے، بچے قریب آتے

تو ان کو گود میں لیتے، بڑی محبت سے ان کو کھلاتے، کبھی بچے کے سامنے اپنی زبان مبارک نکالتے، بچہ خوش ہوتا اور بہلتا، کبھی لیٹے ہوتے، تو اپنے قدموں کے تلووں پر بچے کو بٹھا لیتے اور کبھی سینۂ اطہر پر بچے کو بٹھا لیتے۔

اگر کئی بچے ایک جگہ جمع ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو ایک قطار میں کھڑا کر دیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دونوں بازوؤں کو پھیلا کر بیٹھ جاتے اور فرماتے۔

''بھئی تم سب دوڑ کر ہمارے پاس آؤ جو بچہ سب سے پہلے ہم کو چھو لے گا، ہم اس کو یہ اور یہ دیں گے۔''

بچے بھاگ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آتے، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیٹ پر گرتا، کوئی سینۂ اطہر پر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کو سینۂ مبارک سے لگاتے اور پیار کرتے۔

(خصائل نبویؐ)

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بچوں کے قریب سے ہو کر گزرتے تو ان کو خود السلام علیکم فرماتے اور ان کے سر پر ہاتھ رکھتے اور چھوٹے بچوں کو گود میں اٹھا لیتے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کی ماں کو دیکھتے کہ اپنے بچے سے پیار کر رہی ہے تو بہت متاثر ہوتے، کبھی ماؤں کی بچوں سے محبت کا ذکر آتا تو فرماتے۔

''اللہ تعالیٰ جس شخص کو اولاد دے اور وہ اس سے محبت کرے اور اس کا حق بجا لائے تو وہ دوزخ کی آگ سے محفوظ رہے گا۔''

جب حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے تشریف لاتے تو راستے میں جو بچے ملتے، انہیں نہایت شفقت سے اپنے آگے یا پیچھے سواری پر بٹھا لیتے تھے۔

بچے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑی محبت کرتے تھے، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا لپک کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس پہنچ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک ایک کو گود میں اٹھاتے، پیار کرتے اور کوئی کھانے کی چیز عنایت فرماتے، کبھی کھجوریں، کبھی تازہ پھل اور کبھی کوئی اور چیز۔

نماز کے وقت مقتدی عورتوں میں سے کسی کا بچہ روتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز مختصر کر دیتے تاکہ بچے کی ماں بے چین نہ ہو۔

(خصائل نبویؐ)

اشعار سے دلچسپی

حضرت شرید رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سواری پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پیچھے بیٹھا تھا، اس وقت میں نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو امیہ کے سو شعر سنائے، ہر شعر پر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ارشاد فرماتے تھے کہ اور سناؤ۔

آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''اس کا اسلام لے آنا بہت قریب تھا۔''

(شمائل ترمذی)

حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔

''حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، حسانؓ بن ثابت کے لئے مسجد میں منبر رکھا کرتے تھے تاکہ اس پر کھڑے ہو کر حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مفاخرہ کریں، یعنی آپ صلی اللہ علیہ

کہتا ہے۔ ''دراصل

وآلہ وسلم کی تعریف میں فخریہ اشعار پڑھیں یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف سے مدافعت کریں، یعنی کفار کے الزامات کا جواب دیں۔"

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ بھی دعا فرماتے تھے کہ "حق تعالیٰ جل شانہ، روح القدس سے حسانؓ کی امداد فرمائے، جب تک وہ دین کی امداد کرتے ہیں۔"

(شمائل ترمذی)

خواب پوچھنے کا معمول

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت طیبہ تھی کہ صبح کی نماز کے بعد چارزانو بیٹھ جاتے اور لوگوں سے ان کے خواب پوچھتے جس نے خواب دیکھا تھا، وہ کہتا، خواب سننے سے پہلے یہ الفاظ ارشاد فرماتے۔

خیر تلقاہ وشر توقاہ خیر لنا وشر لا عد آئنا والحمدللہ رب العلمین۔

ترجمہ:۔ خیر کا سامنا کرو اور شر سے بچو اور (یہ خواب) ہمارے واسطے بہتر ہو اور ہمارے دشمنوں کے لئے شر ہو اور تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔

بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ معمول ترک فرمادیا تھا۔

(زادالمعاد، شمائل ترمذی)

سیدھے اور الٹے ہاتھ سے کام لینا

علاوہ ایسے کاموں کے جن میں غلاظت کی صفائی کو دخل ہوتا اور ہاتھ میں نجاست لگنے کا خوف ہوتا مثلاً ناک صاف کرنا، آبدست لینا، جوتا اٹھانا وغیرہ وغیرہ، باقی تمام کام داہنے ہاتھ سے انجام دینا پسند فرماتے تھے، اسی طرح جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو کوئی چیز دیتے تو سیدھے ہاتھ سے دیتے اور اگر کوئی چیز لیتے تو سیدھے ہاتھ سے لیتے۔

(زادالمعاد، شمائل ترمذی)

پیغام پر سلام کا جواب

جب کسی کا سلام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچتا تو سلام پہنچانے والے کے ساتھ سلام لانے والے کو بھی سلام کا جواب دیتے اور اس طرح فرماتے۔

علیک وعلی فلان سلام۔

(شمائل ترمذی)

خط لکھوانے کا انداز

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادت طیبہ خط لکھوانے کے متعلق یہ تھی کہ بسم اللہ کے بعد مرسل کا نام لکھواتے اور پھر مرسل لیہ کا نام لکھواتے، اس کے بعد خط کا مضمون لکھواتے۔

تفریح

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم باغات کی تفریح کو پسند فرماتے اور کبھی کبھی تفریح کے لئے باغات میں تشریف لے جاتے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے معمولات سفر

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے لئے خود روانہ ہوتے یا کسی اور کو روانہ فرماتے، تو جمعرات کے روز کو روانگی کے لئے مناسب خیال فرماتے۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں سواری کو زیادہ تر تیز رفتاری سے چلانا پسند فرماتے اور جب دیکھتے کہ راستہ لمبا ہے تو رفتار اور تیز کر دیتے۔

سفر میں کہیں پڑاؤ کر کے روانہ ہوتے تو

عادت طیبہ تھی کہ صبح کے وقت کوچ فرماتے، سفر میں کتنی ہی کم مدت کے لئے ٹھہرتے، جب تک نماز دوگانہ ادا نہ فرماتے، وہاں سے روانہ نہ ہوتے۔

جب کوئی مسافر سفر سے واپس آتا اور خدمت اقدس میں حاضری دیتا تو اس سے معانقہ کرتے اور اس کی پیشانی پر بوسہ دیتے۔

(زادالمعاد)

سفر میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ہوتے اور کوئی کام سب کو کرنا ہوتا (مثلاً کھانا وغیرہ پکانا) تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کام کاج میں ضرور حصہ لیتے، مثلاً ایک پڑاؤ پر سب اصحاب نے کھانا پکانے کا ارادہ کیا اور ہر ایک نے ایک ایک کام اپنے ذمہ لیا تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لکڑیاں چن لانے کا کام اپنے ذمہ لیا۔

(زادالمعاد)

سفر سے واپسی پر آپ سیدھے مکان کے اندر تشریف نہیں لے جاتے بلکہ پہلے مسجد میں جا کر نماز دوگانہ ادا فرماتے اور پھر گھر میں تشریف لے جاتے، سفر سے تشریف لاتے وقت شہر میں آ کر بچے راستے میں ملتے تو ان کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی سواری پر بٹھا لیتے، چھوٹے بچے کو اپنے آگے بٹھاتے اور بڑے کو پیچھے۔

(زادالمعاد)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب سفر میں جاتے یا جہاد کے لئے تو اصحاب میں سے کسی ایک صحابی کو اپنے ہمراہ سواری پر بٹھاتے۔

(زادالمعاد)

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر کے لئے روانہ ہوتے اور سواری پر اچھی طرح بیٹھ جاتے تو تین مرتبہ اللہ اکبر کہتے اور پھر یہ الفاظ دعا کے زبان مبارک پر ہوتے۔

سبحان الذی سخر لنا ھذا وما کنالہ مقرنین وانا الی ربنا لمنقلبون اللھم انا نسئلک فی سفرنا ھذا البر والتقوی ومن العمل ما ترضی اللھم ھون علینا سفرنا ھذا واطوعنا بعد الارض اللھم انت الصاحب فی السفر والخلیفہ فی الاھل والمال۔ (زادالمعاد)

ترجمہ:۔ اللہ پاک ہے، جس نے اس کو ہمارے قبضہ میں دے دیا اور اس کی قدرت کے بغیر ہم اسے قبضہ میں کرنے والے نہ تھے اور بلاشبہ ہم کو اپنے رب کی طرف جانا ہے، اے اللہ! ہم تجھ سے اس سفر میں نیکی اور پرہیزگاری کا سوال کرتے ہیں اور ان اعمال کا سوال کرتے ہیں، جن سے آپ راضی ہوں، اے اللہ! ہمارے اس سفر کو ہم پر آسان فرما اور زمین کی مسافت کو ہم پر آسان فرما، اے اللہ! آپ ہی رفیق ہیں سفر میں اور خبر گیری کرنے والے گھر بار اور مال میں۔

اور جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر سے واپس تشریف لاتے تو یہی دعا پڑھتے، مگر اس کے ساتھ یہ الفاظ اور بڑھا دیتے۔

آئبون تائبون عابدون لربنا حامدون۔

ترجمہ:۔ ہم سفر سے لوٹنے والے ہیں، توبہ کرنے والے ہیں عبادت کرنے والے ہیں، اپنے پروردگار کی حمد کرنے والے ہیں۔

(زادالمعاد)

☆☆☆

ہمارا تمہارا خدا بادشاہ

کسی ملک میں ایک تھا بادشاہ، بڑا دانش مند، مہربان اور انصاف پسند، اس کے زمانے میں ملک نے بہت ترقی کی اور رعایا اس کو بہت پسند کرتی تھی، اس بات کی شہادت نہ صرف اس زمانے کے محکمہ اطلاعات کے کتابچوں اور پریس نوٹوں سے ملتی ہے بلکہ بادشاہ کی خودنوشت سوانح عمری سے بھی۔

شاہ جمجاہ کے زمانے میں ہر طرف آزادی کا دور دورہ تھا، لوگ آزاد تھے اور اخبار آزاد تھے کہ جو چاہیں کہیں، جو چاہیں لکھیں، بشرطیکہ وہ بادشاہ کی تعریف میں ہو، خلاف نہ ہو۔

اس بادشاہ کا زمانہ ترقی اور فتوحات کے لئے مشہور ہے، ہر طرف خوش حالی ہی خوش حالی نظر آتی تھی، کہیں تل دھرنے کو جگہ باقی نہ تھی، جو لوگ لکھ پتی تھے، دیکھتے دیکھتے کروڑ پتی ہو گئے، حسن انتظام ایسا تھا کہ امیر لوگ سونا اچھالتے اچھالتے ملک کے اس سرے سے اس سرے تک، بلکہ بعض اوقات بیرون ملک بھی چلے جاتے تھے، کسی کی مجال نہ تھی کہ پوچھے اتنا سونا کہاں سے آیا اور کہاں لئے جا رہے ہو۔

روحانیت سے شغف تھا، کئی درویش اسے ہوائی اڈے پر اور لینے چھوڑنے جاتے یا اس کی کامرانی کے لئے چلّے کاٹتے تھے، طبیعت میں عفو اور درگزر کا مادہ از حد تھا، اگر کوئی آکر شکایت کرتا تھا کہ فلاں شخص نے میری فلاں جائیداد ہتھیالی ہے، یا فلاں کارخانے پر قبضہ کرلیا ہے، تو مجرم خواہ بادشاہ کا کتنا ہی قریبی عزیز کیوں نہ ہو، وہ کمال سیر چشمی سے اسے معاف کر دیتے تھے، بلکہ شکایت کرنے والوں پر خفا ہوتے تھے کہ عیب جوئی بری بات ہے۔

جب بادشاہ کا دل حکومت سے بھر گیا تو وہ اپنی چیک بکس لے کر تارک دنیا ہو گیا اور پہاڑوں کی طرف نکل گیا، کچھ لوگ کہتے ہیں اب بھی زندہ ہے۔

واللہ اعلم بالصواب۔

☆☆☆

گوشت اور ہڈی

ایک کتا اور ایک گدھا اکٹھے چلے جا رہے تھے کہ راستے میں ایک لفافہ پڑا ملا گدھے نے اسے اٹھایا اور کھول کر پڑھنا شروع کیا، لکھا تھا، حامل رقعہ ہذا کو حسب ذیل چیزیں مفت دی جائیں گی۔

بھوسہ...... نر چارہ، چنے......

کتے نے قطع کلام کرتے ہوئے کہا، برادرم ذرا دیکھنا اس فہرست میں نیچے جا کر گوشت اور ہڈی کا ذکر بھی ہوگا، گدھا سارا پروانہ پڑھ گیا، اس میں کوئی ایسی چیز مذکور نہ تھی۔

کتے نے کہا، تب یہ بیکار چیز ہے، پھینک دو اسے۔

پارٹی منشوروں میں فقط گدھوں ہی کی بات نہیں ہونی چاہئے، کتوں کا بھی خیال رکھنا چاہئے۔

ہم کیوں بھاگیں

ایک خرکار جنگل میں گدھوں پر مال لادے چلا جا رہا تھا کہ ڈاکوؤں کا کھٹکا ہوا، وہ گدھوں کو پکارا۔

''خطرہ! خطرہ! بھاگو، بھاگو! ڈاکو آ رہے ہیں!'' گدھوں نے کہا، تم بھاگو، ہم کیوں بھاگیں، ہمیں تو بوجھا ڈھونا ہے، تیرا ہو یا کسی اور کا ہو۔

اگر مال کے منافع میں کچھ حصہ گدھوں کا بھی ہوتا، تو وہ ہرگز ایسی بات نہ کہتے۔

متحدہ محاذ

ایک شیر اور گدھا شکار کرنے گئے انہوں نے کئی جانور مارے آخر شکار تقسیم کرنے بیٹھے، شیر نے تین ڈھیریاں بنائیں اور کہا کہ یہ ڈھیری تو جنگل کا بادشاہ ہونے کی حیثیت سے میری ہے، اور یہ دوسری اس لئے میری ہے کہ شکار میں برابر کا حصہ دار ہوں، اب رہی یہ تیسری ڈھیری، کسی میں ہمت ہے تو اٹھا لے، ہے ہمت؟

ہر متحدہ محاذ میں عموماً ایک شیر اور باقی گدھے ہوتے ہیں تقسیم شکار کی ہو یا ٹکٹوں کی، اس میں شیر کا حصہ خاص ہوتا ہے، اس پر کوئی اعتراض کرتا ہے تو گدھا ہے۔

مینڈکوں کا بادشاہ

ایک بار مینڈکوں نے خدا سے دعا کی کہ یا پروردگار ہمارے لئے کوئی بادشاہ بھیج، باقی سب مخلوقات کے بادشاہ ہیں، ہمارا کوئی بھی نہیں ہے۔

خداوند نے ان کی سادہ لوحی پر نظر کرتے ہوئے لکڑی کا ایک کندہ جوہڑ میں پھینکا، بڑے زوردں کے چھینٹے اڑے، پہلے تو سب ڈر گئے، تھوڑی دیر بعد یہ دیکھ کر کہ وہ لمبا لمبا پڑا ہے ڈرتے ڈرتے قریب آئے پھر اس پر چڑھ گئے اور ناچنے لگے۔

چند دن بعد دوبارہ خداوند کو عرضی دی کہ یہ بادشاہ ہمیں پسند نہیں آیا، کوئی اور بھیج جو ہمارے شایان شان ہو۔

خداوند نے ناراض ہو کر ایک سمندری سانپ بھیج دیا، وہ آتے ہی بہتوں کو چٹ کر گیا، باقی کونوں کھدروں میں جا چھپے۔

اس حکایت کا نتیجہ قارئین کرام آپ خود ہی نکالیے، آخر آپ خود بھی سمجھ دار ہیں۔

☆☆☆

سترھویں قسط کا خلاصہ

غانیہ کی آزمائشیں ختم ہونے میں نہیں آ رہی تھی، شانزے اپنی فطرت کی کمینگی کے ساتھ اس کا ضبط آزمانے پہ تلی ہے۔
منیب چوہدری کو اس کا حرم اور حجاب کی شادی کا مشورہ غانیہ کو ان دیکھے خوف کے حصار میں جکڑ جاتا ہے۔
سحرکار عورت کا رویہ اپنے ملازمین کے ساتھ غیر اخلاقی ہے، اپنی متوقع فتح کا احساس اسے آپے سے باہر کر رہا تھا۔
علی شیر اپنے منصوبے کی تکمیل کی خاطر کسی بھی حد تک جانے پہ آمادہ ہے، قدر کسی کٹی پتلی کی طرح اس کے ہاتھ کی حرکت کی محتاج ہو چکی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

اٹھارویں قسط

''ایسی کوئی بات نہیں ہے بیٹے، میرے ذہن سے نکل گیا، بس تھوڑا انتظار کرلو، میں ابھی بناتی ہوں، تب تک ہلکا پھلکا سا کچھ بھی کھالو آپ۔'' چپل پہنتے وہ نرمی سے بے چارگی سے کہتی کمرے سے نکل کر کچن میں چلی گئی، شانزے طنزیہ مسکرائی، فریج کھول کر اپنے لئے سیب انار اور کیلے نکال کر برآمدے میں تخت پر آبیٹھی، پھل سے انصاف کرتے ہوئے وہ ساتھ ساتھ گنگنا بھی رہی تھی۔

''آپ کب آئے ماموں؟'' منیب چوہدری کف لنکس بند کرتے ہوئے وہیں کچھ فاصلے پہ کرسی پہ آکر بیٹھے تو اس نے خوشدلی سے سوال کیا تھا، جواباً وہ اس سے بڑھ کر خوش دلی سے مسکرائے۔

''ابھی کچھ دیر پہلے ہی بیٹے، آپ سناؤ ٹھیک ٹھاک ہو؟''

''ٹپ ٹاپ مزے میں۔'' وہ جواباً تھرڈ کلاس ہوسٹ کی طرح اسی انداز میں پیر جھلاتی ہوئی شوخی سے بولی، غانیہ چھوٹی ٹرے میں دو کپ بھاپ اڑاتی چائے لے کر آئی تو اس نے ناک چڑھالی۔

''میرے لئے بنانے سے پہلے پوچھ تو لیتی آپ، لے جائیں مجھے نہیں پینی۔'' اس کا نخرہ آسمان پہ جا چڑھتا تھا اس شخص کے روبرو، غانیہ ایک لفظ کہے بغیر کپ واپس لے گئیں۔

''پی لیتی بیٹے، آج سردی زیادہ ہے۔'' وہ شخص مگ اٹھا چکا تھا، اٹھتی بھاپ کے پار اس کے چہرے کو پیار لٹاتی نظروں سے دیکھ کر بولا۔

''اونہہ سنا ہے رنگ کالا ہوتا ہے چائے کی کثرت سے۔'' وہ اور نخرہ دکھا رہی تھی۔

''اپنے ماموں کو یہ کثرت کرتے دیکھ کر بھی تم اس بات پہ یقین رکھتی ہو؟'' اس شخص کے لہجے میں اپنی ذات کا تفاخر از خود سمٹ آیا، شانزے نے اس کی بات کو سمجھا تو جھینپ کر ہنس دی، اس شخص کی ہنسی بھی شامل تھی۔

''امیزنگ آئی ایگری ودیو۔''

''تھینکس۔'' جو جواباً محض مسکرائے۔

''آخر یہ عورتیں یعنی کہ بیویاں بیٹوں کے جوان ہوتے ہی وفادار شوہروں کے سامنے اکڑ کیوں جاتی ہیں ماموں؟ ان کے مقابل کیوں سمجھنے لگتی ہیں؟'' شانزے غانیہ کو سنانے کو ہی بولی تھی اور جہاں سے بولی تھی وہ شخص بھلے یہ سمجھتا غانیہ ضرور سمجھتی تھی، حمدان کا ماں کی طرف جھکاؤ محبت فرمانبرداری اس سے ہضم کہاں ہوتی تھی۔

''آپ نے کچھ فیل کیا؟'' حسب توقع وہ شخص چونک گیا تھا، شانزے نے ناک سکوڑ لی۔

''آپ کے بیٹے کو کیا گھول کے پلایا ہے مامی نے کہ ان کے سوا اسے کچھ نظر نہیں آتا، نہ میں نہ ہی آپ، ماں کے بعد بہنوں کے پیچھے پھرتا رہتا ہے۔'' وہ اچھے خاصے غصے میں آگئی تھی، اس شخص نے سب سنا سمجھا اور ہونٹ بھینچ لئے۔

''آپ چپ کیوں ہوگئے ہیں؟'' اسے جھلاہٹ ہونے لگی، اس شخص نے نظریں اٹھائیں اس کا متفکرانہ چہرہ دیکھا اور عجیب انداز میں مسکرانے لگا۔

''نارمن میرے حکم کے خلاف نہیں چل سکتا، ڈونٹ وری، اس کی یا کسی اور کی جرأت نہیں ہے

کہ کبھی تمہیں ہرٹ کر سکے، ہمیشہ کے لئے مطمئن ہو جاؤ۔'' ان کا تسلی دینے کا اپنا ہی انداز تھا اور وہ تسلی سے ہو بھی گئی تھی۔

''تھینک یو ماموں جان۔'' وہ ایک دم کھلکھلانے لگی، اس شخص کے چہرے پہ اسے مسکراتے پا کر طمانیت اتری تھی، وہ کتنے مگن انداز میں چلغوزے چھیل کر کھا رہی تھی۔

''ماموں...... حجاب اور حرم کو ابھی اور کتنا پڑھنا ہے؟'' اسے نئی شیطانی سوجھ گئی، کچن میں کام کے دوران اذیت کے عالم میں سب باتیں سنتی غانیہ نے اس موضوع کے ساتھ ہی دل تھام لیا، وہ سوچنے پہ مجبور ہوئیں یہ کیسی عجیب لڑکی تھی، سازشی اور شاطر، راستے کاٹنے والی، راستوں میں کانٹے بچھانے والی، اپنی ماں سے یکسر الگ، کنیز تو ہرگز ایسی نہ تھی، یہ پتا نہیں کس پہ چلی گئی۔

''ابھی ان کی تعلیم مکمل نہیں ہوئی۔'' اس شخص نے مختصر جواب دیا۔

''کب مکمل ہو گی؟'' وہ سوالیہ ہوئی، غانیہ کا دل اس موضوع کی طوالت کے ساتھ ہی گھٹنے لگا، دھڑکنا بولنے لگا۔

''کچھ سالوں تک۔''

اس شخص کا دھیان اب اخبار کی طرف تھا، جواب مختصر سے مختصر ہوتا جا رہا تھا۔

''تو کیا ان سالوں تک آپ حرم کی شادی نہیں کریں گے؟'' سوال ہوا تھا یا غانیہ کو یکلخت کسی نے کانٹوں پہ گھسیٹ لیا، اس نے بے اختیار کچن کی سلیب کا سہارا لیا، ٹانگیں اتنی سردی کے باوجود پسینوں میں بھیگنے لگیں، شانزے اس سے اس کی بیٹیوں سے کیوں بیر باندھ کے بیٹھ گئی تھی اسے قطعی سمجھ نہیں آئی تھی۔

''تعلیم مکمل ہو گئی تو کر دیں گے۔'' اس شخص پہ جواب دینا جیسے لازم تھا، غانیہ کو ذرا سی ڈھارس ہوئی، سر پہ لٹکتی تلوار ذرا فاصلے پہ محسوس ہوئی، مگر یہ سکون شانزے نے پھر لمحے بھر میں برباد کر ڈالا۔

''لیکن کل میری بڑے ماموں سے بات ہوئی، وہ تو شادی کا کہہ رہے ہیں، خود اویس بھی یہی چاہتا ہے، پھر کیا حرج ہے ماموں؟'' وہ کتنی مہارت سے چال چل رہی تھی، غانیہ کی ٹانگوں نے اس کے وجود کا بوجھ برداشت کرنے سے انکار کیا تو بے اختیار کراہتیں ہوئی وہیں نیچے فرش پہ بیٹھ گئی، یخ بستہ فرش کا ٹھنڈک بھرا احساس اسے برف کرنے لگا مگر وہ بے حس و حرکت تھی، آنکھیں بے اختیار آنسوؤں سے لبریز ہو گئیں، اس نے کسی کا کچھ نہیں بگاڑا تھا، مگر اس سے دشمنی کرنے والے ختم نہیں ہو رہے تھے، شانزے کی اس گھٹیا حکمت عملی کے پیچھے اور کیا وجہ ہو سکتی تھی کہ وہ میدان صاف کر کے پوری طرح گھر اور حمدان پہ قابض ہو جانا چاہتی تھی۔

''آپ کو کیا ہوا؟ طبیعت تو ٹھیک ہے آپ کی مامی؟'' وہ کچن کے دروازے میں کھڑی اسے بغور دیکھ رہی تھی، غانیہ نے اسے ایسی نظروں سے دیکھا تھا جیسے سولی چڑھنے والا سزا تجویز کرنے والے کو ترحمانہ نظروں سے دیکھ سکتا ہے، آنکھوں کی سطح پہ لرزتا پانی اس کے تاثرات میں مزید سفاکی اترتے پا کر گالوں پہ اتر آیا۔

''میں تو اس آس میں آئی تھی کہ بریانی دم پہ ہو گی مگر ایسی قسمت کہاں، آپ تو ہاتھ پہ ہاتھ دھرے بیٹھی ہیں۔'' وہ پھر طنز کے تیر چلا رہی تھی، غانیہ نے نظریں جھکا لیں، ظالموں سے غاصبوں

سے رحم کی اپیل کرنا لفظ رحم کی توہین ہے، وہ اس توہین کی قائل نہ ہو سکی۔
''رہنے دیں، مجھ پہ یہ احسان نہ کرنا، مجھے نہیں کھانی، سارے موڈ کا بیڑا غرق کر دیا ہے۔'' وہ تنفر سے کہتی پیر پٹختی چلی گئی، غانیہ جیسے بے جان بے دم سی بیٹھی تھی، ویسے ہی بیٹھی رہی۔

☆☆☆

رکو تو تم کو بتائیں وہ اتنے نازک ہیں
کلی اکیلے اٹھائیں وہ اتنے نازک ہیں
طبیب نے کہا گر رنگ گورا رکھنا ہے
تو چاندنی سے بچائیں وہ اتنے نازک ہیں
چھوئیں کیسے کہ ہاتھ بھی لگانے سے
مزید پاس نہ آئیں وہ اتنے نازک ہیں
وہ تھک کے چور سے ہو جاتے ہیں خدارا انہیں
خیال میں بھی نہ لائیں وہ اتنے نازک ہیں

وہ اس کے سامنے بیٹھا تھا، کانوں میں رس گھولتا ہوا، قدر نے دونوں ہاتھوں میں چہرہ رکھا اور مسکرا کر اسے دیکھے گئی۔
شمع کی تھرتھراتی اور اس کی آنکھوں میں چمکتے جگنوؤں کی آب تاب کو بڑھا رہی تھی اور علی شیر بہکتا جا رہا تھا، وہ اسے دیکھتا رہا یک ٹک، مبہوت، قدر اسی قدر نروس تھی، پزل ہوتی جا رہی تھی۔
''ایسے مت دیکھو پلیز۔'' وہ خود کو پگھلتا پا کر گھبرائی، جبکہ علی شیر جیسے اس کے حسن کی تابناکی کے آگے اپنی بینائی کھوتا جا رہا تھا، اس چمکتی ہوئی چندھیا دینے والی روشنی میں جیسے اسے کچھ بھائی نہیں دے رہا تھا۔
''تمہیں پتا ہے تمہارا حسن کیسا ہے؟ آگ میں جلتا ہوا یا برف میں سویا ہوا۔'' اس نے ہاتھ بڑھایا اور اس کے چہرے کے گرد جھولتی لٹ کو چھوا، انگلی پہ لپیٹا، قدر کسمسائی۔
''میں اسے آگ میں جلتے دیکھنا چاہتا ہوں قدر۔'' اس کی آواز گمبھیر ہوتے ہوئے سرگوشی میں ڈھل گئی، قدر نے الجھ کر اسے دیکھا۔
''میں سمجھی نہیں؟''
''میں سمجھا دوں گا میری جان، یہ بتاؤ میرے لئے کیا کچھ کر سکتی ہو؟'' سوال ہوا تھا، وہ متحیر ہو گئی۔
''کیا مجھے تمہارے لئے کچھ کرنا بھی پڑے گا؟''
''آف کورس، اگر محبت کرتی ہو تو کرنا پڑے گا۔'' جواباً وہ وثوق سے بولا، قدر چپ سی ہوئی، کیا شک محبت تو کرتی تھی وہ، صرف وہی تو بچا تھا جو اس سے بھی محبت کرتا تھا۔
''کیا.....؟ کیا کرنا ہوگا؟'' سوال ہوا تھا اور شکاری نے تیار شدہ جال اس پہ پھینک دیا، اسے یقین تھا وہ اس جال سے نہیں نکلے گی، اس طرح گھائل بیٹی نے نہیں باپ نے ہونا تھا اور شکاری کا اصل شکار بھی وہی تھا، اصل مطلوب بھی وہی تھا۔

''میں جو بھی کہوں تم مان لو گی؟'' وہ اسے پرکھ رہا تھا، جانچ رہا تھا، تول رہا تھا۔
''ہاں مان لوں گی۔'' قدر بغیر کسی ردو کہ کے بولی، علی شیر کے چہرے پہ اطمینان ہلکورے لینے لگا، مگر یہ عارضی اطمینان تھا۔
''تم ماموں سے کہو مجھے اپنی پارٹی میں شامل کریں، مطلب الیکشن لڑنے کے لئے ٹکٹ دے دیں، کرو گی یہ سفارش؟'' وہ کتنی بے تابی سے کتنی آس سے پوچھ رہا تھا، قدر اس حد تک متحیر نظر آنے لگی۔
''واٹ یو مین......؟ تم سیاست جوائن کرنا چاہتے ہو؟'' اس کی حیرت تمام نہ ہوتی تھی، علی شیر نے فی الفور سر کو اثبات میں ہلایا۔
''یس......آف کورس......یہ میرا ڈریم ہے۔''
''کب سے......؟'' وہ سنجیدہ ہوگئی پتا نہیں کیوں۔
''بچپن سے۔'' جواباً وہ اس سے بڑھ کر سنجیدہ تھا۔
''تو میری سفارش کی ضرورت کیوں پڑگئی؟'' اس کی الجھن برقرار تھی، علی شیر کھنکارا۔
''کیونکہ......انہوں نے مجھے پارٹی میں لینے سے انکار کر دیا ہے۔'' قدر کو شدید ترین دھچکا لگا، وہ ایسے اس کی شکل دیکھنے لگی گویا اعتبار نہ کر پا رہی ہو۔
''مذاق کر رہے ہو؟'' اس نے ٹھٹک کر پوچھا، علی شیر طنزیہ ہنسا۔

بات تو سچ ہے
مگر بات ہے رسوائی کی

قدر متعجب تھی متعجب رہی، کچھ بول نہ پا رہی ہو جیسے۔
''یہ کیسے ہوسکتا ہے......امپاسبل۔''
''تم کیا اپنے پپا کے سخت ترین اصولوں کو نہیں جانتیں؟ آج تک تمہارے سگے ترین والد ہو کر بھی انہوں نے کبھی تمہاری کسی بھی موقع پر سفارش کی......؟'' اس کا لہجہ تیکھا تھا، طنزیہ تھا، قدر اب کے کچھ نہیں بولی، ہاں البتہ مرجھائے ہوئے چہرے کے رہے سہے رنگ بھی اڑ گئے۔
''بیبو کو پتا ہے؟'' وہ بولی تو انداز میں بے مائیگی تھی، علی شیر نے محض ہنکارا ابھرا، قدر کے دماغ کی رگیں جھنجھنا اٹھیں۔
''ان کا رسپانس کیا تھا۔'' وہ پوچھے بغیر نہ رہی، اسے ایک نئی فکر نے آن لیا تھا، اگر اسی چپقلش کی وجہ سے یہ رشتہ ختم ہوگیا، وہ تو مر جائے گی علی شیر کے بغیر، پپا کو کچھ تو خیال کرنا چاہیے۔
''انہیں کچھ خاص فرق نہیں پڑا، کہتی ہیں تم کچھ اور کرلو۔'' وہ جل کر بولا، پھر مزید گویا ہوا۔
''مگر مجھے بھی ضد ہے، میں اور کچھ نہیں کروں گا سوائے پولیٹیکل میں آنے کے۔'' وہ ہٹ دھرم انداز میں جتلایا تھا۔
''مگر......پپا نے انکار کیوں کیا؟'' اس کا دھیان وہیں اٹکا رہ گیا تھا۔
(پپا کو یہ تو سوچنا چاہیے تھا علی شیر ان کا اکلوتا داماد ٹھہرا تھا) اسے غصہ آ رہا تھا، اسے دکھ ہو رہا تھا۔
''بس وہ رشتہ داروں کو پارٹی ممبر بنانے سے گریزاں ہیں، لوجک یہ ہے کہ دیگر پارٹیاں یہ

ہی سارا کچھ کر رہی ہیں، وہ نہیں کریں گے، اونہہ بڑے اصول پرست بنتے ہیں، جانے خود کو سمجھتے کیا ہیں؟" اس کے لہجے میں کیا نہیں تھا۔

نفرت، حقارت، تضحیک اور اس جیسے بے کنار جذبے، طنزیہ اور مار ڈالتے جتاتے تیکھے جملے۔

"تم خود بات کرو ان سے، بلکہ انہیں فورس کرو، یہ بھی جتا دینا کہ میں پیچھے ہٹنے والا نہیں ہوں، اگر انہوں نے مجھے یونہی ڈس گریڈ کیا تو میں مخالف پارٹی جوائن کر لوں گا، مجھے آفرز ہو رہی ہیں، ان کے بھانجے ہونے کی حیثیت سے ان پہ کچھ جتانے میں مجھے ان کی مخالفت راتوں رات کتنی ترقی دے سکتی ہے اس کا تصور بھی ان سے محال ہوگا، تمہیں وہ بندہ تو یاد ہوگا جس نے دو تین سال پہلے پارٹی بدلی، کل تک جو سابقہ صدر کی گاڑی کے آگے بھنگڑا ڈال ڈال کر خوشامد حاصل کرتا تھا، موجودہ حکومت کی پارٹی جوائن کرتے ہی راتوں رات وزیر بن گیا، کیا میں نہیں بن سکوں گا؟"

وہ نفرت ہی نفرت جتلا رہا تھا، قدر کے تو اوسان خطا ہو کر رہ گئے، اس کے آنسو یوں تھمے جیسے کبھی بہے ہی نہ تھے، وہ شاک زدہ سی اسے دیکھتی رہی۔

"ہاں شاید...... جب بار بار تضحیک کی جائے، کسی کے زندہ و موجود ہوتے ہوئے اس کے وجود کا انکار کیا جائے تو پھر خود انتقام پر اترنا بھی برائی محسوس نہیں ہوتی۔" وہ آنسو پونچھتے ہوئے دلگیری سے کہہ رہی تھی، علی شیر نے اسے دیکھتے تاسف سے سر جھٹکا۔

"رونے سے کیا حاصل ہے؟ خود کو مضبوط بناؤ۔"

"میں مضبوط نہیں ہوں۔" وہ چیخی، اس کا دماغ شدید تناؤ میں تھا۔

"قدر کیوں پریشان ہو؟" وہ نرمی سے پچکار کر بولا۔

"اور کیا تمہاری ایسی باتیں سننے کے بعد میں قہقہے لگاؤں؟" اس کا لہجہ ہذیانی ہوا۔

"لیکن یوں روؤ بھی مت، اگر تم یہ سمجھ رہی ہو کہ اس سب سے ہمارے رشتے پہ فرق پڑے گا تو ایسا نہیں ہونے دوں گا میں۔"

"تو کیا یہ سب جو تم کہہ رہے ہو کر گزرو گے تو کیا پھر بھی پپا میری شادی تم سے کریں گے؟ اور جبکہ میں جانتی ہوں وہ کبھی بھی اپنی بات سے پیچھے نہیں ہٹیں گے۔" اسے پھر فرسٹریشن گھیرنے لگی، وہ خود ترسی کی انتہا پہ تھی۔

"تو کیا تم...... میرے بغیر رہ لوگی؟"

وہ اہم ترین سوال کتنے آرام سے کر رہا تھا، قدر پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی، یہی جواب تھا، یہی بے بسی تھی، علی شیر کو اپنی بات کا جواب بخوبی مل گیا۔

"میں تم سے کبھی دستبردار نہیں ہوں گا قدر، یقین رکھو۔" وہ تسلی دے رہا تھا، قدر کے آنسو پھر بھی نہ تھمے، رنج سا رنج تھا جو دل سے نکل ہی نہ رہا تھا۔

"پپا کبھی نہیں مانیں گے۔" وہ جیسے ہوکتے لہجے میں بولی، اس کے چہرے پر ہراس تھا، خوف پریشانی۔

"نہ مانیں، ہمیں ان کی رضا کی ضرورت بھی نہیں۔" وہ تنفر سے بولا، قدر نے جواباً اسے ٹھٹک کر دیکھا۔

''کیا مطلب؟ ان کی مرضی کے بغیر۔''

''ہاں ان کی مرضی کے بغیر شادی نہیں ہوسکتی، کریکٹ......مگر لو میرج ہوسکتی ہے، ہم کورٹ میں شادی کرلیں گے، کہو تو سیفٹی کے لئے ابھی نکاح کرلوں تم سے؟'' وہ مسکراتا ہوا اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا، قدر پوری جان سے ہل گئی، اس کا طنطنہ، اس کا غرور، اس کا طمطراق، اس کا فخر، اس کی اکڑ وغرور سب کچھ اس کے الفاظ کی سفاکی میں کہیں گم ہوا، بے مائیگی بے توقیری کا احساس اسے جکڑ کر کانٹوں پہ گھسیٹتا چلا گیا، اندر زبردست توڑ پھوڑ مچی، ایک زلزلہ آیا۔

ایک شور محشر، اس کی آنکھوں کے آگے سرمئی دھند اتری اور پورے وجود پہ چھا گئی، وہ اسے اتنی ہلکی اتنی سستی اور عام سمجھتا تھا، بھی اتنی تھرڈ کلاس بات کی تھی۔

''چلتی ہوں...... اللہ حافظ نہیں کہوں گی کہ تمہاری آخری بات نے مجھے اتنا بے قیمت کرڈالا ہے کہ کوئی تعلق کورشتہ باقی رکھنا نہیں چاہتی۔''

وہ جس باپ کی بیٹی تھی، جیسی آن بان رکھتی تھی، جس پر تمکنت ماں کے بطن سے جنم لیا تھا، ایسا فیصلہ نہ کرتی یہ ممکن ہی نہ تھا، علی شیر کو حق دق چھوڑ کر وہ اٹھ کر وہاں سے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

تیز جکڑوں کی شکل میں چلتی گرد آلود ہوا سامنے کا سارا منظر نظروں کے سامنے ہلائے دے رہی تھی، یہ طوفان اچانک آیا تھا اور ایسا تھا کہ اس کی مضبوط انجن اور باڈی والی بیش قیمت گاڑی بھی سڑک پر ڈولتی ہوئی چل رہی تھی، ہوا گرد کے طوفان کو ونڈ اسکرین کے سامنے اڑا کر بکھیرتی اور حد نظر کے آگے ہر سو غبار پھیل جاتا، دوبار اس کی گاڑی سامنے سے آتی گاڑی سے ٹکراتے بچی اور ہر بار حجاب کی سریلی چیخیں بھی گرنجی تھیں، عمر نے پہلی بار تو نہیں البتہ دوسری مرتبہ ضرور اسے ناگواری چھلکاتی تنبیہی نظروں سے ضرور دیکھا تھا، وہ جو ناگوار بوجھ کی صورت ہی اس پہ مسلط ہوگئی تھی، کالج سے نکلتے وہ اسے سڑک کنارے موسم کے تیوروں سے پریشان اکیلی کھڑی نظر آئی تھی تو کسی طرح بھی وہ اسے نظر انداز کر کے آگے نہیں بڑھ سکا وہ بھی اس صورت جبکہ وہ ہاتھ سے مسلسل رکنے کا اشارہ بھی کررہی تھی، جیسے ہی گاڑی رکی وہ بے حد پر اعتماد انداز میں عجلت بھرے انداز میں آکر اس کے برابر فرنٹ سیٹ پہ بیٹھ گئی تھی، عمر کے بھینچے ہوئے ہونٹ مزید سختی سے بھینچ گئے۔

''آپ کی گاڑی کیوں نہیں آئی؟''

''پتا نہیں۔''

''اس طرح کے موسم میں اکیلے نکلنا حماقت ہی کہی جاسکتی ہے۔'' وہ ناگواری ظاہر کیے بغیر نہ رہا۔

''موسم ابھی خراب ہوا ہے سر!'' وہ جتلا کر بولی۔

''کون سے ہاسٹل میں ہوتی ہیں آپ؟''

حجاب نے ایڈریس بتلا دیا، گاڑی حرکت میں آگئی، موسم کے تیور شدید ہوتے جارہے تھے۔

''تھینک یو سر۔'' وہ ممنون ہونا نہ بھولی، عمر نے جواب دینا درکنار دیکھا تک نہیں، حجاب نے گریز صاف محسوس کیا، مسکرائی اور چھیڑنے کے انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''اس کا مطلب آپ نے تسلیم کرلیا بالآخر۔'' اس کا شوخ لہجہ ڈھیروں شرارت سموئے متبسم خیز تھا، وہ شریر نظروں سے عمر کی پیشانی کے نیچے دونوں بھنوؤں کے بیچ بڑی رعونت سے گڑی تفکر آمیز لکیر کو دیکھ رہی تھی، اس نگاہ میں عجیب خواہش سر اٹھا رہی تھی، اس مغرور کو قید کر لینے کی باندھ لینے کی سرپھری خواہش، اس کا ایک ایک نقش چھو لینے کی چاہ۔

''جی نہیں...... میں نے ابھی تلک یہ تسلیم نہیں کیا کہ میں آپ کی خالہ کا بیٹا ہوں۔'' وہ جل کر کڑھ کر پتھر پھوڑتے لہجے میں بولا اور جواباً حجاب کا سریلا قہقہہ گاڑی کی فضا میں گونج اٹھا تھا۔

''بہت خوب...... یادداشت کی داد نہ دینا بھی زیادتی ہوگی۔'' وہ صاف صاف چھیڑ رہی تھی، چڑا رہی تھی، تب ہی گاڑی سامنے سے آتی کار سے ٹکراتے بچی، عمر نے گاڑی کی اسپیڈ مزید کم کرتے سڑک کے انتہائی بائیں کنارے پر لا کر روک دیا، طوفان کی شدت سے درخت جڑوں سے اکھڑ رہے تھے اونچے نیچے درختوں کی شاخیں اور پتے بکھر رہے تھے۔

''کیا یہ آپ کی تصویریں نہیں ہیں؟'' اس نے بیگ کی زپ کھول کر ایک البم نکال کر کھولا اور اس کے سامنے کر دیا، عمر کی نگاہ بے ساختہ اٹھی، غانیہ کی شادی کے موقع کی تصاویر تھیں، ہر تصویر میں وہ نمایاں تھا، بے اختیار نظر چراتے ہوئے وہ اضطراری کیفیت کے زیر اثر سگریٹ سلگانے لگا، حجاب کے ہونٹوں پہ فاتحانہ مسکان کھلنے لگی، گاڑی کی فضا میں سگریٹ کا دھواں اور تمباکو کی بو پھیل گئی، حجاب بے ساختہ کھانسنے لگی، تب وہ جیسے چونکا، خفت بھرے انداز میں اسے دیکھتے نہ صرف سگریٹ بجھایا بلکہ کھڑکی کا شیشہ بھی ذرا سا نیچے کر دیا۔

''اکین تھینکس...... ویسے آپ اتنی مہربانیاں کرنے والے لگتے نہیں ہیں، صد شکر کہ بظاہر جتنے روڈ ہیں حقیقت نہیں۔'' وہ پھر اسی شریر انداز میں گویا ہوئی، عمر نے ہونٹ بھینچ لئے چہرے پہ ایسے تاثرات ابھرے گویا کہہ رہا ہو، مجھے زیادہ بولنے والے لوگ زہر لگتے ہیں۔

''کیا آپ ہر کسی پہ یونہی اتنا اعتماد کر لیتی ہیں؟'' عمر کا سوال ہی نہیں نظریں بھی چبھتی ہوئی تھیں، حجاب اس طنز پہ کٹ کر رہ گئی۔

''نہیں...... میں آپ کو ایک شریف انسان سمجھ کر اعتماد کر چکی ہوں وہ بھی اس لئے کہ آپ سے رشتہ داری نکل آئی تھی۔'' جواباً اس کا لہجہ بھی جھلس گیا، عمر کی بات نے اسے دکھ دیا تھا بہت۔

''کسی کے چہرے پہ اس کی شرافت کا ٹیگ نہیں لگا ہوتا۔'' وہ پھنکار کر بولا، حجاب نے ہونٹ کاٹے تھے، بولی کچھ نہیں۔

''آپ کے والد محترم نے بیوی کے معاملے پر جتنی سختی برتی بیٹیوں کو اتنی ہی آزادی کیوں دے رکھی ہے؟'' اس کے لہجے سے آگ برس رہی تھی، حجاب کا چہرہ بے تحاشا سرخ پڑ گیا۔

''مسٹر عمر...... آپ یہ میرے پپا کے ساتھ میری بھی توہین کر رہے ہیں اور میں آپ کو اس کی اجازت نہیں دے سکتی۔'' وہ بولی تو اس کی آواز بھرا گئی تھی، اگلے لمحے دروازہ کھول کر وہ باہر نکل گئی، عمر کو ایک دم ہی اپنے رویے کی بدصورتی کا احساس ہوا تو بیٹھے کا بیٹھا رہ گیا، اگر احسان کر ہی رہا تھا تو اتنا سطحی ہونے کی کیا ضرورت تھی، یا پھر یہ کب کا جمع شدہ غبار تھا جو موقع پاتے ہی ابل پڑا تھا، موقع محل دیکھے بنا، اسے عجیب سے ملال نے آن لیا، کچھ سمجھ نہیں آئی خود بگاڑا ہوا معاملہ کیسے

سلجھائے، جبکہ وہ گاڑی سے نکلتے ہی تیز قدموں سے چلتی دور ہو رہی تھی، نہ جانے کتنے سو میل فی گھنٹہ کی رفتار سے چلتا طوفان قدرے تھما تھا اور اب فضا میں اپنے پیچھے چھوڑے مٹیالے رنگوں مٹیالے بادلوں اور سکوت کے سوا کوئی نشان بھی باقی نہ رہنے دیا تھا، طوفان کے تھپیڑوں سے بے حال سر نیہوڑائے پودے پیڑ اپنی جڑوں سے اکھڑے درخت، مٹی ہوئی گھاس، گرد آلود در و دیوار اِدھر اُدھر بکھرے کاغذ موسمی شاپر پتے اور چھوٹی شاخیں جنہیں پیروں تلے روندتا وہ اس کے پیچھے بھاگا آیا تھا تو انداز میں اپنے رویئے کی بدصورتی کے علاوہ اور کوئی جذبہ کارفرما نہیں تھا۔

''بات سنیں...... حجاب بات سنیں۔'' حجاب نہ رکی نہ پلٹ کر دیکھا، وہ بار بار آنسو صاف کرتی تھی، عمر کا ملال اور خفت مزید بڑھی۔

''آئی ایم سوری، مجھے اعتراف ہے میں غلط تھا، مجھے ایسی بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔'' اس کے برابر چلتا اب وہ خجالت زدہ بھاری آواز میں معذرت کر رہا تھا، حجاب نے ابھی بھی جواب نہیں دیا۔

''پلیز گاڑی میں بیٹھو، ابھی ہاسٹل بہت دور ہے۔'' وہ سمجھاتے ہوئے انداز میں بولا تو جواباً حجاب پھٹ پڑی تھی۔

''یہ آپ کا مسئلہ نہیں ہے، آپ جائیں۔''

''حجاب......!'' وہ بے بس ہوا، حجاب بے ساختہ بلکنے لگی۔

''آپ کا شکریہ، آپ نے مجھے محتاط رہنا سکھا دیا، آئندہ کسی پر اعتماد کی غلطی نہیں کروں گی۔'' عمر کی ندامت دوچند ہوگئی۔

''اب بس کرو، میں معافی مانگ تو رہا ہوں۔'' اسے اتنی منتیں کب کسی کی کرنی پڑی تھیں، جبھی جلد چڑ گیا، اکتا گیا۔

''تو کس نے کہا ہے معافی مانگیں؟ تشریف لے جائیں آپ۔'' وہ تو جواباً اس کے گلے پڑ گئی، بات تھی بھی گلے پڑوانے والی، عمر نے اسے غصے بھری نظروں سے دیکھا، کچھ دیر یونہی گھورتا رہا۔

''میں جتنی نرمی برت رہا ہوں، اسی قدر اکڑے جا رہی ہو، ہو کیا تم؟ شرافت سے بیٹھو گاڑی میں ورنہ اٹھا کر پھینک دوں گا اندر۔'' ایسا اشتعال اور ایسا لب ولہجہ استحقاق، حجاب تو گنگ ہونے لگی، یہ وقتی سکتہ ٹوٹا تو اس خواہ مخواہ کے رعب جھاڑ انداز پہ وہ بھی ابل پڑی بھپر اٹھی تھی۔

''آپ کی اتنی جرأت، کہ آپ یہ سب کریں، سمجھ کیا رہے ہیں خود کو، ہاتھ تو لگا کر دکھائیں مجھے۔'' سرخ آنکھوں سمیت حلق کے بل غرا کر کہتی وہ عمر کا واقع دماغ پھیر کے رکھ گئی، اب کے وہ کچھ بولا نہیں تھا، اس کی کلائی آہنی ہاتھ کی گرفت میں جکڑی اور ایک طرح سے گھسیٹتا ہوا اس طرح ساتھ لایا کہ گاڑی میں لاکر سیٹ پر پٹخا اور دروازہ بند کرتے ہی لاک بھی لگا دیا، حجاب کا استعجاب اس کی مزاحمت اور چیخنا چلانا کچھ بھی کام نہیں آسکا تھا۔

''آج کل شرافت کی زبان نہیں آتی۔'' خود گاڑی میں آ کر بیٹھتا ہوا وہ اس پہ اپنی برتری اور فتح جتلانے سے باز نہیں آیا تھا، طیش ابھی تک برقرار تھا، حجاب جو گاڑی کا دروازہ کھولنے کی کوشش

میں ناکام ہو رہی تھی پلٹ کر اسے قہر بار نظروں سے دیکھنے لگی۔

''مجھے اعتراف میں عار نہیں کہ میں آپ کو کچھ اور سمجھ رہی تھی۔'' وہ پھنکاری، عمر کو جانے کیا ہوا، ایک دم بے تحاشا ہنس پڑا، حجاب اسے غصے سے دیکھتی رہی۔

''بالکل بدمعاش لگ رہے ہیں۔'' اس کا انداز غصیلا تھا، عمر یکدم سنجیدہ ہو گیا۔

''ہاں کردار تو میرا بچپن میں بھی مشکوک لگتا تھا، جبھی تو تمہارے ابا نے مجھے اس عمر میں گھر سے نکال دیا تھا، انہیں اپنی بیٹیوں کے معاملے میں مجھ پہ اعتبار نہیں تھا، آہ...... کاش اب وہ یہ سین دیکھتے کیا حال ہوتا ان کا۔'' وہ جیسے مزا لے کر بولا، حجاب کی آنکھوں میں تاسف اتر آیا، بولی تو لہجہ ملامتی تھا۔

''بہت ہی عامیانہ اور سطحی سوچ ہے۔''

''تمہارے ابا کی...... ہے نا؟'' عمر نے پھر اسے آگ لگانا چاہی۔

''شٹ اپ۔'' وہ چلائی تھی، عمر نے دھیان نہیں دیا اور گاڑی اسٹارٹ کر دی۔

''مجھے اندازہ نہیں تھا آپ اتنے کینہ پرور ہوں گے۔''

''مجھے بھی اندازہ نہیں تھا تمہارے ابا کا دل اتنا چھوٹا سا ہوگا، ورنہ کبھی وہاں نہ جاتا۔'' عمر نے جیسے پہلے سے جواب سوچا ہوا تھا، فوراً منہ پہ مار دیا۔

''میرے پپا کو کچھ نہ کہیں۔'' اس نے ڈانٹا۔

''تم بھی مجھے غنڈا بدمعاش وغیرہ نہ کہو۔'' عمر نے بھی ڈانٹا۔

''گاڑی تیز چلائیں، میں آپ کی رفاقت زیادہ برداشت نہیں کر سکتی۔'' اس نے بےزاری سے کہا۔

''میں بھی مجبوری میں ہی برداشت کر رہا ہوں، اگر غانیہ خالہ کا خیال نہ ہوتا تو کبھی گاڑی میں نہ بٹھاتا۔'' عمر نے اس سے بڑھ کر بےزاری سے جواب دیا تھا، حجاب کو عجیب سی توہین کا احساس جاگا۔

''آپ بار بار مجھے ڈی گریڈ نہیں کر سکتے۔'' اس کا گلا بھر آگیا، عجیب بے بسی تھی، کیسا بے حس بدتمیز انسان تھا، عمر اب کے خاموش ہو گیا، باقی کا سفر اسی خاموشی میں کٹا، یہاں تک کہ ہاسٹل آ گیا تھا۔

''غانیہ خالہ کو میرا سلام کہہ دینا۔''

حجاب گاڑی کا دروازہ کھول کر اترنے لگی تو اس کی بات سن کر آگ بگولہ ہو گئی۔

''تو آپ نے تسلیم کر لیا کہ آپ کا ان سے کوئی تعلق ہے۔'' اس کا لہجہ گہرا کاٹ اور طنز سمیٹ لایا، عمر عجیب سے انداز میں مسکرایا۔

''تم نے زبردستی کروایا ہے۔''

''میں اپنی غلطی پہ شرمندہ ہوں، براہ کرم آپ بھول جائیں مجھ سے ایسی کوئی حماقت بھی سرزد ہوئی ہے۔'' اس کا لہجہ وانداز پتھر پھوڑ تسم کا تھا۔

''میں کبھی کچھ بھی نہیں بھولا کرتا، یہ بات تو تم بھی سمجھ گئی ہوگی۔'' عمر نے ایک ساتھ اسے بہت کچھ جتلایا، حجاب کے چہرے پہ ناگوار تاثر پھیل گیا۔

''یہ کیا تو تکار لگا رکھی ہے، میرا آپ سے بے تکلفی کا کوئی تعلق نہیں بنتا، تمیز سے بات کریں

اگر کرنی ہے تو۔" انگلی تنبیہ کے انداز میں اٹھا کر جتلاتی اس پل وہ کوئی سخت گیر استاد لگی تھی، عمر نے اسے ایک نظر دیکھا اور سگریٹ سلگا لیا۔

"اتنی سی تھیں تم جب میں دس سال کا تھا، اونہہ تمیز سے بات کروں واہ، پہلے ذرا قد تو نکال لو۔" وہ گویا اس کا مذاق اڑا رہا تھا، حجاب کے چہرے پہ تاسف پھیل گیا۔

"آپ جیسے پڑھے لکھے انسان کی محدود عقل کا جان کر افسوس ہوا، کیا ادب آداب عمروں کے ترازو میں ہی تولے جانے چاہئیں؟" اس کی نظریں کاٹ دار تھیں۔

"اپنی قابلیت کے جھنڈے پھر کبھی گاڑھ لینا، ابھی جاؤ، تمہیں شاید احساس نہیں کہ آس پاس لوگ دیکھ رہے ہیں، تم بیوی نہیں ہو میری کہ اس طرح میرے ساتھ بیٹھے دیکھ کر کوئی کچھ غلط نہیں سوچے گا، اونہہ بڑی عقل مند بنتی ہیں محترمہ۔" وہ اسے پھر لمحوں میں لتاڑ کر رکھ گیا، حجاب کا چہرہ بے تحاشا سرخ پڑ گیا، وہ کتنا منہ پھٹ تھا، کتنا بے دید اور بے لحاظ ذرا جو خیال کرتا ہو، وہ کچھ کہے بغیر ایک جھٹکے سے باہر نکل گئی اور پلٹ کر بھی نہیں دیکھا۔

☆☆☆

دو دن ہو گئے تھے علی شیر کو اسے مناتے اور دو دنوں سے ہی وہ مسلسل رو رہی تھی، مانتی نہ تھی۔

"یار اب بس بھی کرو، معاف کر دو، کہا ہے نا مجھے ایسی نازیبا بات نہیں کہنی چاہیے تھی۔" علی شیر منت سماجت پہ اترا ہوا تھا، وہ اتنے نخرے اٹھانے کا عادی کہاں تھا مگر قدر عام لڑکی کہاں تھی، وہ سونے کی چڑیا تھی جس کے سنہرے پروں پہ اس کی کامیابی کی ساری تحریریں رقم تھیں، وہ اسے ایسے ہی کیسے جانے دیتا۔

"میں تمہیں چھوڑ نہیں سکتی، تم جانتے ہو، مگر یہ قدم بھی نہیں اٹھاؤں گی بھلے مر جاؤں، پپا جیسے بھی ہیں، میں ساری زندگی کو ان کا سر کیسے جھکا دوں یہ قدم اٹھا کر۔" وہ روئے جا رہی تھی۔

"اچھا بابا، ہمیں ایسا کرنے کی ضرورت بھی آخر کیا ہے، انہوں نے خود ہمارا رشتہ طے کیا ہے، شادی بھی خود کریں گے۔" علی شیر نے وہی کہا جو وہ اس وقت سن کر رام ہو سکتی تھی۔

"انشاء اللہ۔" اس نے بھیگی آواز میں کہا۔

"اب ماموں سے بات ضرور کرنا...... اور جلد۔" وہ پھر مطلب پہ آیا۔

"اگر وہ نہ مانے؟" قدر کے اندر خدشے سر ابھارنے لگے۔

"ضرور مانیں گے، ان کی بیٹی زندگی میں پہلی بار ان سے کچھ مانگے گی۔"

"اللہ کرے ایسا ہی ہو۔"

"آئی ہوپ تم مجھے جلد گڈ نیوز دو گی۔"

"لیکن اس سے پہلے تم مونچھیں کٹواؤ گے۔" وہ مشروط ہوئی تو علی شیر اس کی چالاکی پہ جھنجھلانے لگا۔

"تمہیں میری مونچھوں سے کیا پرخاش ہے؟"

"شادی کے بعد کٹوا دوں گا وعدہ۔"

"نہیں ابھی۔" وہ بضد ہوئی۔

''ٹھیک ہے بابا۔'' وہ فون بند کر کے بہت دنوں بعد ہلکی پھلکی ہوئی تھی، دل مطمئن تھا، جبھی من پسند ایکٹوویٹی کا خیال ہی سب سے پہلے آیا۔

''ادھر آئیں قدر بیٹے۔'' وہ تیار ہو کر ریکٹ سنبھالے باہر کی طرف جا رہی تھی جب مون نے اسے لاؤنج سے صوفے پہ بیٹھے بیٹھے آواز دی، وہ حیرانی سے مڑی، اس وقت تو اس نے انہیں کبھی گھر پہ نہ پایا تھا۔

''جی پپا!'' وہ خوشگواریت سمیت ان کے پاس آئی تھی، مسکراتی نظروں سے انہیں دیکھنے لگی، باپ کو دیکھنا بھی ایک طمانیت آمیز احساس تھا، مگر وہ اس کی بجائے ہاتھ میں موجود فائل کی سمت متوجہ تھے۔

''یہ مارکس شیٹ دیکھی ہے آپ نے اپنی۔''

''جی پپا۔'' ان سے ملنے والی شاباشی کے خیال سے ہی اس کی آنکھیں چمکنے لگیں، اس شاباش کے بعد علی شیر کی سفارش کتنا آسان کام ہو جائے گا اسے سمجھ میں آیا۔

''غیر نصابی سرگرمیاں اچھی چیز ہیں مگر اسٹڈی سے اہم ہرگز نہیں۔'' ان کا لہجہ خشک ہوا۔

''آپ نے دیکھا اپنا رزلٹ؟''

''جی پپا، اے پلس گریڈ آیا ہے۔'' ان کے لہجے پہ وہ اب کنفیوژ ہو رہی تھی۔

''صرف اے پلس گریڈ پر نظر ہے؟ ذرا پرسنٹیج دیکھی ہے؟''

''جی...... نائنٹی ٹو پوائنٹ سیون۔'' وہ آہستگی سے منمنائی۔

''اونلی بولو ساتھ۔'' وہ ترشی سے ٹوک گئے۔

''اسٹڈی کی طرف دھیان کم رہا ہے یا ٹائم نہیں مل رہا ہے، کہ کوچنگ کی ضرورت ہے؟'' انہوں نے اس کا چہرہ فوکس کرتے ہوئے سوالات کی بوچھاڑ کر دی۔

''نو پپا، ایسی تو کوئی بات نہیں۔'' صورتحال کو اپنے ہاتھ سے نکلتا دیکھ کر وہ رو دینے کو تیار تھی، پپا پتا نہیں کیوں اتنے کریزی تھے، حالانکہ اس کے ٹیچرز نے اسی کی مارکس شیٹ دکھا کر ساری کلاس کے سامنے اسے لہرایا تھا، سب اسٹوڈنٹس کو اس جیسا مثالی اسٹوڈنٹ بننے کی تلقین کی تھی اور پپا۔

''تو پھر اتنی کم پرسنٹیج کیوں؟'' انہوں نے غصے میں مارکس شیٹ پر ہاتھ مارا۔

''نیکسٹ آئی ول ٹرائی مائی بیسٹ پپا۔'' روہانسی ہو کر وہ یہی کہہ سکی۔

''میں آپ کی پرفارمنس ہمیشہ شاندار دیکھنا چاہتا ہوں بیٹے، اسپیشلی ان اسٹڈی، آپ کو یہ بات معلوم بھی ہے۔''

''جی پپا۔'' وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی۔

''کوئی پرابلم ہے تو کہہ ڈالو۔'' وہ اٹھ کھڑے ہوئے، اس نے نم آنکھوں سے انہیں ایک نظر دیکھ کر سر نفی میں ہلا دیا، ایسے ماحول میں وہ اتنی بڑی بات کہہ کر ان کا موڈ مزید خراب نہیں کر سکتی تھی۔

''فائنل رزلٹ میں مجھے پرسنٹیج نائنٹی سکس کے اراؤنڈ نظر آنی چاہیے، اس تھکے ہوئے رزلٹ کے ساتھ آپ پپا سے کیا گفٹ لینا پسند کرو گی؟'' اس کا جھکا ہوا چہرہ انگلی سے اٹھاتے وہ ذرا سا مسکرا کر بولے، لہجہ اب کے نرم تھا۔

''جب رزلٹ ہی آپ کو پسند نہیں آیا تو پھر تحفہ کا کیا سوال پپا۔'' وہ انہیں سخت مایوس اور دل گرفتہ محسوس ہوئی۔

''بیٹے رزلٹ اتنا خراب بھی نہیں مگر مجھے واقعی پسند نہیں آسکا اور واقعی یہ ڈیمانڈنگ ہے بھی نہیں، اوکے میں اپنی پسند سے گفٹ لے آؤں گا اور اگر فائنل رزلٹ میری پسند کا ہوا تو گفٹ آپ کی پسند کا ٹھیک ہے؟'' انہوں نے اس کا موڈ بحال کرنا چاہا۔

''ریئلی پپا۔'' وہ ایک دم چہکی، امید کی کرن جگمگا اٹھی تھی، انہوں نے اعتماد سے گردن ہلائی۔

''بس ٹھیک ہے، اب یاد رکھیئے۔''

''یاد رہے گا بیٹے۔'' وہ باقاعدہ مسکرائے، تو قدر بھی کھلکھلانے لگی تھی، اس کا سر تھپک کر وہ اپنے کمرے میں آ گئے، اپنی مخصوص کرسی سنبھالی تو ٹھوڑی کے نیچے بند مٹھی ٹکا کر ان کا ذہن گمبھیر سوچوں میں الجھتے لمحہ نہیں لگا۔

☆☆☆

اک شب آنکھ کنارے
نیند سے پہلے آؤ
خواب سفر پر ساتھ چلیں گے
اک دوجے کا ہاتھ پکڑ کر
جھوٹے سچے عہد کریں گے
میں کچھ ان دیکھے سپنوں کی
انگلی تھام لے کر آؤں گی

پہلی باقاعدہ ملاقات، جو مون نے راز رکھی تھی، روشنی کے انگ انگ سے خوشی چھلکاتی تھی، وہ بات بے بات قہقہہ لگاتی اور شعر پڑھا کرتی تھی، کتنے مختصر وقت میں اس نے اپنی سہالہا سال کی بے تابیاں ان کے سامنے بیان کر دی تھیں، مون کی بردباری، سنجیدگی، متانت یا پھر گریز کچھ بھی تو روشنی کے راستے کی رکاوٹ نہیں بن رہا تھا۔

''یو آل سو لک ویری ہینڈسم اینڈ ڈیشنگ۔'' اظہار کے معاملے میں وہ بے باک تھی، مون جز بز ہوئے۔

''میں ہر بات ہر معاملہ اس وقت تک مکمل طور پہ صیغہ راز میں رکھنا چاہتا ہوں جب تک اپنی بیٹی کو مناسب انداز میں قائل نہیں کر لیتا، میں اپنی بیٹی کے ایموشنز ہرٹ نہیں کرنا چاہتا، آئی ہوپ سو آپ فل سپورٹ کریں گی مجھے۔'' بہت مدبرانہ انداز میں شادی کی خواہش کے اظہار کے بعد انہوں نے اپنے تحفظات سامنے رکھے۔

''جی بہتر جناب جو حکم ویسے بھی......

تو پیار کریں یا ظلم کریں
دلدار جو ہے میں کی آکھاں

اس کا انداز ایسا ضرور تھا کہ ان کی طبع نفیس پہ تازیانہ بن کر لگتا تھا، مگر کسی ں یر کے قائل نہ تھے، جبھی کچھ جتلایا نہیں۔

''آپ کا ماضی جو بھی تھا، میرا اس سے کوئی بھی تعلق یا واسطہ نہیں جبھی میں اس متعلق بات نہیں کرنا چاہتا ہاں البتہ میں اپنے نام سے منسوب ہونے کے بعد آپ سے تعاون ضرور چاہوں گا، آپ اپنے لباس اور گفتگو کو اگر ذرا سا بدل لیں تو مجھے بہت اچھا لگے گا۔'' انہوں نے بہت سبھاؤ سے اپنی بات اس تک پہنچا دی۔

''فکر کی ضرورت ہی نہیں، کبھی شکایت کا موقع نہیں دوں گی۔'' انہوں نے گہرا سانس بھرا۔

☆☆☆

کھلی کھڑکی سے عصر کی اذان کی پکار آ رہی تھی، انہوں نے وضو کی نیت سے غسل خانے کا رخ کیا، جماعت میں ابھی ٹائم تھا، انہوں نے گھر میں ہی جائے نماز بچھا کے دو رکعت نماز کی نیت باندھ لی تھی، دعا کو ہاتھ پھیلائے تو آنکھیں جانے کس جذبے سے نم ہو رہی تھیں۔

''یا رب العالمین! تو سینے کے بھیدوں سے آگاہ ہے، میرا مقصد جانتا ہے تو، نیت سے آگاہ ہے، اس بندی کے لئے میرے انتخاب کو بھی جانتا ہے، اس کے دل کو پھیر دے، صراط مستقیم پر ڈال دے اور اس نیکی کا وسیلہ مجھے بنا تا کہ میری بخشش کا بھی سبب ہو، ایک کوشش پہلے بھی کی تھی، ایک پھر کرنا چاہتا ہوں، کامیابی سے ہمکنار کرنے والی تیری پاک ذات ہے بیشک۔''

کسی کام سے اس سمت آئیں آپا ماں نے اٹھارہ سالوں میں یہ روپ پہلی بار دیکھا اور عجیب سے احساسات کا شکار ہو گئیں، وہ نہیں جانتی تھیں وہ کسی حد تک مذہبی تھا، انہیں یہ پتا تھا بس کہ وہ دل کا بہت سخی تھا۔

☆☆☆

کیسی اندھیری رات تھی، آسمان صاف تھا مگر تارا کوئی کہیں کہیں اور دھندلا سا تھا، نہ چاند...... نہ چاند کی روشنی، کیسا کالا، سیاہ گھورتا آسمان انہیں اور بھی ڈرانے لگا، انہوں نے کھڑکی بند کر دی، تب ہی گیٹ پہ کسی گاڑی کا ہارن سنائی دینے لگا، ان کا دل بہت زور سے دھڑکا، پھر کھڑکی سے پردہ ہٹایا، کھلے گیٹ سے گاڑی اندر آ رہی تھیں۔

سیاہ اسپورٹس کار، ان کے دل نے جانے کب کی رکی ہوئی سانس بحال کی اور پردہ چھوڑتیں تیزی سے باہر لپکیں۔

''علی شیر۔'' انہوں نے دوسری منزل کو جاتی سیڑھیاں چڑھتے علی شیر کو زور سے پکارا، وہ جو ان کی آواز سن کر ٹھنڈا سانس بھر کے رہ گیا تھا، بہت نخوت سے گردن موڑی۔

''جو بھی بات کرنی ہو گی صبح کر لینا اماں، اس وقت بہت تھکا ہوا ہوں۔'' رکے بغیر چلتا وہ بہت بدتمیزانہ انداز میں گویا ہوا، یہ انداز یہ لہجہ ان کے خاندان میں نہیں چلتا تھا، وہ بھی ماں سے بات کرتے مگر علی شیر نے ہر لحاظ سے ہی انہیں مایوس کر دیا تھا۔

''زیادہ وقت نہیں لوں گی تمہارا فکر نہ کرو۔'' جوڑوں کے درد کو نظر انداز کیے وہ اس کے پیچھے سیڑھیاں چڑھتی آ رہی تھیں، علی شیر کا موڈ ایک دم بگڑا۔

''مگر جب میں کہہ رہا ہوں کہ صبح تو......''

''صبح تم مجھے نہیں ملو گے، میں جانتی ہوں۔'' ان کا انداز دکھ بھرا تھا، علی شیر نے سر جھٹکا اور

کمرے میں داخل ہو کر کوٹ اتار کر پھینکا۔

''مجھے پتا ہوتا باہر کی تعلیم تمہیں اتنا بدل دے گی تو کبھی نہ بھیجتی۔'' ان کے انداز میں واضح شکست تھی۔

''یہ ان باتوں کا ٹائم ہے؟'' علی شیر نے ایک طرح سے انہیں جھڑکا۔

''اپنی حرکتیں سدھار لو، اگر مون کو بھنک بھی مل گئی تو مجھے تو شرمندہ کراؤ گے ہی، خود بھی قدر سے ہاتھ دھو بیٹھو گے۔'' انہوں نے سمجھانا چاہا، علی شیر کے چہرے پہ عجیب سا غبار پھیل گیا۔

''میری حرکتوں کو کیا ہوا؟ شرمندہ تو وہ صاحب کریں گے آپ کو جب ایک بدنام اور گری ہوئی عورت کو آپ کی بھابھی بنا کر لائیں گے، کیا اعلیٰ انتخاب کرتے ہیں حضرت ہر بار، داد دینے کو دل کرتا ہے اور سنیں وہ ہر کسی سے چھپا سکتے ہیں، مجھ سے نہیں، انہیں کہیں شرافت سے مان جائیں، ورنہ مجھ سے دشمنی مول لینے کی صورت میں انہیں بہت نقصان کا سامنا کرنا پڑ سکتا ہے، میں نہ صرف ان کے اس راز کو فاش کر دوں گا بلکہ ان کی بیٹی کو بھی چھین لوں گا ان سے۔'' وہ بولا تو رکنے میں نہیں آیا تھا، انداز جارحانہ تھا، بس نہ چلتا تھا گویا مون سامنے ہوتو ان کی ذات کے واقعی پرخچے اڑا کے رکھ دے، آپا کا تو منہ کھلا رہ گیا، آنکھیں پھٹ سی گئیں۔

''کیا بکواس کر رہے ہو علی شیر؟ اندازہ بھی ہے کس کے متعلق بات کر رہے ہو؟'' ان کا صدمہ ختم نہ ہوتا تھا، ذرا بولنے کے قابل ہوئیں تو اسے ایک طرح سے مارنے کو لپکی تھیں، علی شیر حقارت بھرے انداز میں طنزیہ ہنسی ہنسا۔

''بہت اچھی طرح سے جانتا ہوں، اعلیٰ حضرت سلمان خان کے لئے کہہ رہا ہوں، پاک باز اور اولیا ہیں وہ جو ایسا کچھ نہیں کر سکتے؟ بہت غرور ہے نا آپ کو ان پہ؟'' وہ کف اڑا رہا تھا، پھنکار رہا تھا، آپا کا غم و غصے سے برا حال ہو گیا۔

''بہت اچھا کیا، بہت اچھا کیا جو مون نے تمہیں انکار کر دیا، تم اسی قابل ہو، میں نہیں پہچانتی تھیں اس نے مگر تمہیں پرکھ لیا۔'' انہوں نے بھی بلا دریغ لتاڑا، علی شیر کے تو جیسے سر پہ لگی تھی جا کر، آتش فشاں لاوے کی مانند پھٹا۔

''واہ...... بہت خوب، ہمیشہ دنیا سے الٹ کر کے ہی دکھانا آپ والدہ، ساری دنیا کو پیٹ گھٹنوں سے پیارا ہوتا ہے مگر آپ نے اولاد کو بھائی کی خاطر اگر پیچھے کر دیا تو کیا عجب، آپ اسی بھائی کو ہمیشہ ہمارے باپ پہ فوقیت دیتی رہی ہیں۔''

''بکواس مت کرو، خواہ مخواہ الزام لگا رہے ہو، میرا بھائی میری اولاد کے برابر ہے، دکھا ہوا دل ہے نمانے کا، تمہیں پتا نہیں کیوں بیر ہے اس سے، میں کہہ رہی ہوں، خود کو سنبھال لو ورنہ میں مون کو خود تمہاری حرکتیں بتلا کر رشتے سے انکار کر دوں گی، بچی کی زندگی سے کھیلنے کی میں اجازت نہیں دے سکتی تمہیں۔'' انہوں نے صاف دھمکایا تھا، علی شیر اس دھمکی کے جواب میں انہیں دیکھتا رہ گیا۔

(باقی اگلے ماہ)

☆☆☆

پریت نہ کیجو
بشریٰ سیال

مطلع صبح سے ابر آلود تھا، ٹھنڈی ہوائیں چل رہی تھیں، سورج بادلوں سے آنکھ مچولی کھیلنے کے بعد اب ہار کر منہ چھپا کر بیٹھ گیا تھا۔

''اماں! میری سہیلیاں میرا انتظار کر رہی ہوں گی۔'' وہ گڑیا کو سینے سے لگائے باہر کی جانب بڑھی۔

''لگتا ہے مینہ پڑے گا اور زوروں سے پڑے گا، اس سے پہلے ہی واپس آجانا۔'' اماں نے اسے ہدایت کی، وہ اثبات میں سر ہلا کر بھاگتی ہوئی باہر نکل گئی، اس کی سہیلیاں پیپل کے نیچے کھڑیں اس کا انتظار کر رہی تھیں۔

''آؤ گڑیا آج بڑی دیر کردی۔'' زبیدہ نے اسے دیکھ کر سوال کر دیا۔

''ہاں! وہ اماں گڑیا کا نیا سوٹ سلائی کر رہی تھیں، بس اس لئے دیر ہوگئی۔'' وہ اپنی موٹی موٹی آنکھوں کو گھما کر معصومیت سے بولی۔

''دکھاؤ گڑیا۔'' زلیخا نے گڑیا اس کے ہاتھ سے پکڑ لی، وہ جھولا جھولنے لگی، ہوا کے دوش پر اس کا ننھا دوپٹہ اور فراک اڑ رہے تھے، وہ بہت خوش تھی۔

یہ موسم اسے بے حد پسند تھا، وہ ہمیشہ اسے انجوائے کرتی تھی، وہ سب سہیلیاں کھیلنے میں مگن تھیں، یکا یک آسمان سے گھٹا اٹھی اور پورب سے پچھم تک چھا گئی۔

''ہیں، یہ اچانک رات ہوگئی؟'' اس نے خوف سے آنکھیں پھیلائیں، اس کی سب سہیلیاں گھروں کو بھاگ گئیں، وہ بھی گڑیا کو خود سے بھینچ، تیز تیز قدم اٹھانے لگی، کھیت ہوا سے بہت زور زور سے ہل رہے تھے، درختوں کی شاخوں کے زور زور سے ہلنے سے ''ہو ہو'' کی ایسی خوفناک آوازیں پیدا ہو رہی تھیں لگتا تھا بہت سے بھوت مل کر چلا رہے ہوں۔

مکمل ناول

اس نے بھاگنا شروع کر دیا تھا، پگڈنڈیوں پر بھاگتے ہوئے بار ہا اس کا پاؤں رپٹ گیا تھا ''اماں'' خوف کے مارے اس کا سانس رکنے لگا تھا، اس کے گلے سے پھنسی پھنسی آواز نکلی، وہ اب شہر کی طرف جانے والی سڑک پہ آ گئی تھی۔

''آہ۔'' ایکدم وہ سامنے سے آتی جیپ سے ٹکرائی اور سڑک پہ منہ کے بل گری، گڑیا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری۔

''اوہ! تمہیں چوٹ تو نہیں لگی؟'' وہ تیر کی سی تیزی سے باہر نکلا اور اس کے قریب آیا۔

''میری گڑیا!'' اس نے ڈبڈبائی آنکھوں سے سڑک کے کنارے پڑی اپنی گڑیا کو دیکھا۔

''یہ لو۔'' اس کی نظروں کے تعاقب میں از میر شاہ نے دیکھا تو اسے وہاں ایک گڑیا دکھائی دی، وہ اسے اٹھا کر اس کے قریب لایا۔

''میری پیاری گڑیا، تمہیں چوٹ تو نہیں لگی؟'' اس نے گڑیا اس کے ہاتھ سے کر اسے چوما، اس کی اس بے ساختہ حرکت پر وہ ہنس دیا۔

''آؤ تمہیں گھر چھوڑ دوں۔'' یکا یک بارش شروع ہو گئی تھی۔

''آپ میری گڑیا تو نہیں چھینو گے؟'' اس نے کچھ بے اعتباری سے اس کی طرف دیکھا۔

''بالکل بھی نہیں۔'' اس نے جیپ کا دروازہ کھولا، گڑیا بھاگ کر اندر بیٹھ گئی، اس نے ڈرائیونگ سیٹ سنبھالی اور جیپ اسٹارٹ کر دی۔

☆☆☆

''بابا پلیز اپنا فیصلہ بدل لیں۔'' وہ جب سے شہر سے آیا تھا، پریشانی میں اِدھر سے اُدھر گھوم رہا تھا، اسے ایک پل کے لئے بھی چین نصیب نہ ہو رہا تھا۔

''یہ فیصلہ تو بہت پرانا ہے، آج کی بات نہیں، پھر تمہاری بہن کا رشتہ اس کے باپ سے طے تھا، تم اس شادی سے انکار کرو گے تو تمہاری بہن کا رشتہ ٹوٹ جائے گا، وہ ساری زندگی اس گھر میں بیٹھی رہے گی اور تمہیں بد دعائیں دے گی۔'' انہوں نے اسے صورت حال کی سنگینی کا احساس دلانا چاہا۔

''با......با!'' وہ شاکڈ رہ گیا۔

''میں ہرگز اپنی بہن کی شادی ایک شادی شدہ مرد سے نہیں ہونے دوں گا۔'' وہ اٹل لہجے میں بولا۔

''تم کون ہوتے ہو یہ فیصلہ کرنے والے؟'' انہوں نے گرجدار آواز میں کہا۔

''آپ ایسے کیسے اس کے جذبات سے کھیل سکتے ہیں۔'' اسے ابھی تک ان کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا۔

''وہ عمر میں بھی اس سے دوگنا ہے۔''

''عورت کے کوئی جذبات نہیں ہوتے، نہ ہی اسے یہ حق حاصل ہے کہ اپنی شادی کے متعلق سوچے یا بات کرے۔'' ان کے لہجے کی رعونیت اور سفاکیت نے اسے اندر تک کھولا دیا تھا۔

''بہت افسوس ہو رہا ہے مجھے آپ کے خیالات جان کر۔'' وہ اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔

''۔''

''مگر میری بات سن لیں میں آپ لوگوں کو دو لڑکیوں کی زندگی سے کھیلنے نہیں دوں گا۔'' اپنی بات کہہ کر وہ رکا نہیں کمرے سے باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''میری شادی؟'' اماں نے اسے بتایا تھا کہ اس کی شادی ہے، گڑیا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دور جا گری، وہ حیرت کے عالم میں آنکھیں پھیلائے ماں کو دیکھتی رہی اور پھر اچانک بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

''مجھے شادی نہیں کرنی، مجھے آپ اور بابا

کے پاس رہنا ہے۔'' وہ رو رہی تھی، اس کا معصوم ذہن صرف اتنا سمجھ سکا کہ جس بھی لڑکی کی شادی ہوتی ہے وہ کسی دوسرے کے گھر چلی جاتی ہے۔

''اپنے بابا کے سامنے نہ کہنا ایسا۔'' انہوں نے کچھ گھبرا کر بیرونی دروازے کی سمت دیکھا۔

''تم دور تھوڑی جاؤ گی، ہمارے پاس ہی رہو گی۔'' اسے ابھی دسویں سال میں لگے ہوئے بھی ابھی صرف چار ماہ گزرے تھے، وہ زندگی کے تلخ حقائق سے ناآشنا بے حد معصوم تھی، اپنی عمر کی لڑکیوں سے زیادہ معصوم۔

''اس کا دماغ خراب مت کرو۔'' بابا جان کب وہاں آئے دونوں ماں بیٹی کو علم نہ ہو سکا۔

''میں نے تو ایسا کچھ بھی نہیں کہا۔'' وہ اچانک انہیں سامنے دیکھ کر گھبرا اٹھیں، گڑیا بھی آنکھیں پھاڑے اپنے بابا کو دیکھ رہی تھی، پھر ایک دم بھاگ کر ان کی ٹانگوں سے لپٹ گئی۔

''بابا...... بابا، اماں کہتی ہیں وہ میری شادی کر رہی ہیں، پر بابا میں تو ابھی چھوٹی ہوں نا، آپ پلیز سمجھائیں۔'' اماں نے خوفزدہ نظروں سے اپنے شوہر کو دیکھا تھا۔

''یہ تربیت اور تمیز سکا رکھی ہے تم نے اسے۔'' اسے سختی سے خود سے الگ کر کے انہوں نے بیوی کو گھورا تھا۔

''بچی ہے، اسے کیا پتا؟'' انہوں نے آگے بڑھ کر گڑیا کو اپنی آغوش میں سمیٹ لیا، وہ ابھی بھی مڑ کر بابا کو الجھن آمیز نظروں سے دیکھ رہی تھی آج ان کا رویہ اس کی سمجھ سے باہر تھا۔

☆☆☆

دونوں گھروں میں شادیوں کی تیاریاں ہو رہی تھیں، مگر نہ خوشی ادھر تھی اور نہ ادھر

ایک طرف ایک معصوم سے وقت سے پہلے ہی اس کی گڑیاں چھن رہی تھیں، تو دوسری طرف کسی کے خواب ٹوٹ رہے تھے، آرزؤں اور ارمانوں کا قتل ہو رہا تھا۔

''زوہرہ۔'' وہ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی، جب ازمیر شاہ اس کے پاس آیا، وہ کسی بے جان مورتی کی طرح بیٹھی تھی۔

''مجھے کچھ بات کرنی ہے تم سے۔'' وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی، وہ اس کے پاؤں کے پاس بیٹھ گیا، اس کے بیٹھنے سے بھی اس کی محویت نہیں ٹوٹی نہ ہی انداز نشست میں کوئی فرق آیا۔

''تم اس شادی سے انکار کر دو، میں تمہارا ساتھ دوں گا۔'' اس نے نظریں گھما کر اپنے خوبرو جوان بھائی کو دیکھا، منہ سے کچھ نہ بولی۔

''تم بولتی کیوں نہیں؟'' اس نے اسے جھنجھوڑ ڈالا۔

''فار گاڈ سیک زوہرہ، کچھ بولو بتاؤ کیا سوچ رہی ہو؟''

''لڑکیوں کو کچھ بولنے یا بتانے کا حق کب حاصل ہے؟'' اس نے لبوں کا قفل کھولا۔

''ہاں آج تک کوئی سوچوں پر پہرا نہیں بیٹھا سکا، لاکھ کوشش کر لیں، ڈرا دھمکا لیں، مگر سوچیں اپنے اختیار میں ہی رہتی ہیں ازمیر بھائی۔'' وہ تھکے ہارے لہجے میں بولی تو ازمیر شاہ اسے دیکھے گیا۔

''میں تمہیں کہہ رہا ہوں بغاوت کرو، انکار کر دو اس شادی سے، میں تمہیں سپورٹ کروں گا۔'' وہ اسے اکسا رہا تھا۔

''اونہہ، بغاوت۔'' اس کے لبوں پر زہر خند ابھرا۔

''آپ مرد ہیں، اس لئے ایسی باتیں کر رہے ہیں، معاشرہ عورت کا گناہ کبھی معاف نہیں کرتا اور سزا نسلوں تک جاتی ہے، میں نہیں چاہتی

میری غلطی کی سزا آنے والے وقتوں میں میرے خاندان کی لڑکیاں بھگتیں۔'' اس نے اٹل انداز میں کہا۔

''ایسا بھی تو ہو سکتا ہے کہ یہ رواج، یہ راویات ٹوٹ جائے۔'' اس نے اسے آس دلانا چاہتی۔

''مجھے وہ خواب مت دکھائیں جن کی تعبیر بہت بھیانک ہو اور پھر میں نے اپنے دل کو سمجھا لیا ہے، دل کو سمجھانا کب مشکل ہے، بس یہی کہنا ہوتا ہے ناکہ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے، دل سمجھ جاتا ہے۔'' وہ شکستہ لہجے میں بولی۔

''تم اچھا نہیں کر رہی؟'' اس نے احساس دلانا چاہا۔

''آپ کے ساتھ؟'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''آپ کی شادی بھی تو ایک نابالغ بچی سے ہو رہی ہے، آپ نے کیا انکار؟'' وہ ہنس دی۔

''میں ابھی اسی وقت انکار کر سکتا ہوں اگر تم گارنٹی دو کہ تم میرا ساتھ دو گی، میں تم دونوں کو بچانا چاہتا ہوں۔'' وہ یقین دلاتے ہوئے بولا۔

''رواجوں کی چکی میں پستی ہوئی کس کس لڑکی کو آپ بچائیں گے، جائیں بے فکر ہو جائیں، میں مطمئن ہوں، کیونکہ میرا دل جانتا ہے کہ دکھ، جبر اور پھر صبر عورت کے مقدر میں لکھ دیا گیا ہے۔'' وہ ہار مان چکی تھی۔

ظلم سہنا بھی تو ظالم کی حمایت ٹھہری
خامشی بھی تو ہوئی پشت پناہی کی طرح

از میر شاہ نے معنی خیزی سے کہا۔

''کبھی کبھی بولنا بھی ظالم کی انا کی تسکین کا باعث بنتا ہے، جب مظلوم اس سے فریاد کرتا ہے تو اسے اپنی طاقت کا اندازہ ہوتا ہے، وہ اور زیادہ غرور میں مبتلا ہو جاتا ہے۔'' وہ زخمی لہجے میں بولی۔

''غلطی کر رہی ہو، کیسے سمجھاؤں تمہیں۔'' وہ اداسی سے بولا، اس خاندان سے ہونے کے باوجود وہ ان کے مردوں سے بہت مختلف تھا۔

''پچھتاؤ گی۔''

''بول کر زیادہ پچھتاؤں گی، بہتر ہے خاموش رہ کر ظلم سہہ کر پچھتالوں۔'' وہ چند ثانیے بیٹھا اسے دیکھتا رہا، پھر اٹھ کر باہر چلا گیا۔

☆☆☆

''اماں مجھے نہ بھیجو کہیں اور میں مر جاؤں گی پیاری اماں۔'' گڑیا کے دونوں ہاتھوں پر مہندی لگی تھی، سرخ جوڑا پہنے وہ زار و قطار رو رہی تھی۔

''تیری اماں مجبور ہے گڑیا؟ معاف کر دینا اسے۔'' وہ اس کے آگے ہاتھ جوڑتے ہوئے رو پڑیں۔

''اماں! ابھی تو مجھے گڑیا کی شادی کرنی تھی، اس کے کپڑے سلوانے تھے، سہیلیوں کے ساتھ مل کر گانے گانے تھے، اماں پھر مجھے کیوں دلہن بنا دیا؟'' وہ مسلسل روئے جا رہی تھی اور اس کی ماں کے پاس کسی بات کا جواب نہ تھا۔

''بابا!'' وہ مولوی کے ساتھ اندر آئی، تو وہ بھاگ کر ان سے لپٹ گئی۔

''اماں کہتی ہیں میری شادی ہو رہی ہے، باہر میرا دولہا......'' اور اماں نے آگے بڑھ کر اس کے منہ پر ہاتھ رکھ دیا۔

''گڑیا ادھر انگوٹھا لگا۔'' وہ سخت لہجے میں بولے۔

''پر کس لئے بابا؟'' وہ بھولپن سے بولی اور اس وقت اس کی آنسو بہاتی ماں کو زمانہ جاہلیت کا وہ وقت اور واقعہ یاد آ گیا جب باپ اپنی بیٹی کو زندہ درگور کر رہا تھا اور وہ اس سے معصومانہ سوالات کر رہی تھی۔

''سوال نہیں کرتے، انگوٹھا لگا یہاں۔'' بابا نے زبردستی اسے پاس بٹھایا اور ہاتھ پکڑ کر انگوٹھا لگوا دیا، اماں کی چیخیں اندر ہی دم توڑ رہی تھیں۔

''اماں مجھے نہ بھیجو کہیں بھی۔'' وہ چیخیں مار کر رو رہی تھی۔

''میں آپ کے بغیر کیسے سوؤں گی؟ کھانا کیسے کھاؤں گی؟ اماں مجھے کہانی کون سنائے گا رات کو؟'' اس کی باتوں سے اس کی اماں کا کلیجہ منہ کو آرہا تھا، مگر وہ بھی اسی خاندان کی مجبور عورت تھیں۔

''بابا مجھے کیوں خود سے دور بھیج رہے ہو؟ کیا میں نے کوئی غلطی کر دی، میری کوئی بات بری لگی آپ کو؟'' اس کے سوالوں کے جواب کسی کے پاس نہ تھے، بابا نے اسے بازو سے پکڑا اور گاڑی تک لائے جس کی فرنٹ سیٹ پر ازمیر شاہ بیٹھا تھا۔

''بابا!'' گاڑی چل پڑی، اس کے منہ سے چیخ نکلی، ازمیر شاہ نے مڑ کر اس کی طرف دیکھا، اسی وقت احمر شاہ نے بھی اس کی طرف دیکھا۔

''شی!'' انہوں نے انگلی منہ پر رکھ کر اسے خاموش کروایا، ان کے چہرے پر اتنی سختی تھی کہ وہ اسی وقت سہم گئی آنسو آنکھوں میں پتھر ہو گئے، ایک آہنی پنجرے سے نکل کر وہ ایک دوسرے پنجرے میں جا رہی تھی۔

بیٹیاں.........!
زندہ دفنائی اب بھی جاتی ہیں
سنا ہے پہلے وقتوں میں
بیٹی ایک ندامت تھی
زندہ دفنا دی جاتی تھی
میں جب بھی آئینہ دیکھتی ہوں
میری آنکھیں یہ ہی کہتی ہیں
کچھ الفاظ بدلے ہیں
رسمیں اب بھی باقی ہیں
بس انداز بدلے ہیں
بیٹیاں.........!
دفنائی اب بھی جاتی ہیں

☆☆☆

وہ لائٹ آف کیے اسٹڈی میں بیٹھا ہوا تھا اور مسلسل سگریٹ پی رہا تھا، مگر غم اور اندر کا شور کسی طور کم نہ ہو رہا تھا، اس کا احساس جرم بڑھتا جا رہا تھا، ایسا لگ رہا تھا اس میں اور اس خاندان کے باقی مردوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

''تو آپ یہاں چھپے بیٹھے ہیں۔'' اچانک اسٹڈی روم روشنیوں میں نہا گیا تھا، زوہرہ وہاں آئی تھی، وہ اس سے نظریں چرانے لگا۔

''اوہ! تم غم غلط کرنے کے لئے یہاں بیٹھے سگریٹ پی رہے ہیں، آپ مرد ویسے کتنے خوش قسمت ہیں ناں۔'' دھیرے دھیرے چلتے وہ اس کے قریب آ گئی۔

''کوئی پریشانی ہے تو اسے مٹانے کے لئے بہت سے مصنوعی سہارے ہیں، دل بہلانے کے بہت سے سامان ہیں، سگریٹ ہو یا عورت، بات تو ایک ہی ہے، آپ کو خوش کرنے کے لئے وہ لمحہ لمحہ سلگتی ہے، پگھلتی ہے، جلتی ہے، ختم ہو کر راکھ ہو جاتی ہے اور آپ کی انا اور نفس کی تسکین ہوتی ہے، عورت کی حیثیت آپ مردوں کی زندگی میں ایک سگریٹ سے زیادہ نہیں ہے۔'' اس کے لہجے میں طنز کی گہری کاٹ تھی۔

''اسے شعلہ دکھا کر تماشا دیکھتے ہیں، یہاں کیوں چھپے بیٹھے ہیں جائیں اپنی دلہن کے پاس۔'' اس نے آگے بڑھ کر سگریٹ اس کے ہاتھ سے چھین کر ایش ٹرے میں مسلا۔

''کہا تھا نا میرا ساتھ دو، تم دونوں کو بچا لوں گا۔'' وہ اٹھ کر کھڑے ہو گیا تھا۔

''ڈوبتے کو بچانے کے لئے شرطیں نہیں باندھا کرتے۔'' وہ زہر خند ہوئی۔

''مگر ڈوبتے ہوئے شخص کو اپنا آپ بچانے کے لئے مدد کرنے والے کو ہاتھ تو تھمانا چاہیے نا، باہر نکلنے کی کوشش تو کرنی چاہیے نا۔'' وہ بغور اس کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔

''اونہہ بچانے والے۔'' وہ استہزائیہ انداز سے ہنسی۔

''مجھے استعمال کر کے درحقیقت آپ خود کو بچانا چاہتے تھے، اگر آپ کو اتنی فکر ہوتی ہماری تو آج اس معصوم کو نکاح کی زنجیروں میں قید کر کے نہ لاتے، انکار کر دیتے۔'' وہ تیزی سے مڑی۔

''میں انکار کرتا تو تمہارا رشتہ بھی ٹوٹ جاتا اور بقول ابا تم تمام عمر اسی گھر میں بیٹھی رہتی۔''

''وہ کمرے میں اکیلی ہے، بہت چھوٹی ہے، ڈر نہ جائے، اس کے پاس چلے جائیں۔'' مڑ کر کہا اور تیزی سے باہر نکل گئی، وہ پتھر کا بت بنا وہیں کھڑا رہا۔

☆☆☆

وہ کمرے میں آیا تو گڑیا اس کے بیڈ پر بیٹھی گھٹنوں میں سر دیئے رو رہی تھی، وہ صوفے پر جا بیٹھا، اس کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی، کچھ سمجھ نہ آ رہی تھی کیا کرے، اس کی دبی دبی سسکیاں ماحول کو وحشت ناک بنا رہی تھیں، وہ لڑکھڑاتے قدموں سے اٹھا اور اس کے قریب آ بیٹھا۔

''گڑیا!'' اس نے اپنا کپکپاتا ہاتھ اس کے سر پر رکھا تھا، وہ تیزی سے سیدھی ہوئی، اس کی موٹی، گہری سیاہ آنکھوں میں پہلے حیرت اور پھر خوف ہلکورے لینے لگا۔

''تم رو کیوں رہی ہو؟'' اس نے نرم لہجے میں ہمدردانہ انداز سے پوچھا۔

''آپ میرے دولہا ہیں؟'' آنسو اس کی آنکھوں سے پھسلے اور گالوں پر بہنے لگے، ازمیر شاہ کا دل کسی نے مٹھی میں لے کر مسل ڈالا۔

''تم سے کس نے کہا؟'' وہ اس سوال پر حیرت زدہ اسے دیکھ رہا تھا۔

''میری اماں نے۔'' وہ معصومیت سے بولی۔

''اماں نے کہا میری آپ سے شادی ہو گئی ہے، پر شادی کیوں ہوئی ہے؟ میں تو ان کی ہر بات مانتی تھی۔'' وہ ایک مرتبہ پھر رونے لگی تھی۔

''ہم اچھے دوست بھی تو بن سکتے ہیں۔'' اس نے پیار سے اسے پچکارا اور اپنا ہاتھ اس کے سامنے پھیلایا۔

''مجھ سے دوستی کرو گی؟'' وہ آنکھیں پھاڑے اس کی طرف دیکھ رہی تھی، کچھ سوچتے ہوئے، تھوڑا سا جھجک کر اس نے اپنا ننھا ہاتھ اس کی چوڑی ہتھیلی میں دے دیا۔

''تھینک یو لٹل فرینڈ۔'' وہ مسکرا دیا۔

''اب تم روؤ گی نہیں، میں تمہیں اچھے اچھے کپڑے، جوتے اور کھانے کی چیزیں لا کر دوں گا، سیر بھی کرواؤں گا۔'' اس نے اسے بہلانے کی کوشش کی۔

''اور گڑیا بھی لے کر دیں گے؟'' اس نے جھٹ پوچھا۔

''ہاں وہ بھی لے کر دیں گے؟'' وہ اثبات میں سر ہلاتے ہوئے بولا۔

''اور مجھے میری اماں کے پاس بھی لے کر جائیں گے؟'' اس نے مزید کہا۔

''ضرور لے کر جاؤں گا۔'' ازمیر شاہ فوراً بولا۔

''اور مجھے کہانیاں بھی سنائیں گے؟'' مارے اشتیاق کے اس کی آنکھیں پھیل گئیں۔

''بالکل۔'' اور پھر ازمیر شاہ نے اسے کہانی سنائی اور کہانی سنتے سنتے وہ سوگئی اور باقی کی تمام رات ازمیر شاہ نے آنکھوں میں کاٹی۔

☆☆☆

اس سے اگلے دن ازمیر شاہ کا ولیمہ اور زوہرہ کی بارات تھی، گڑیا سو کر اٹھ گئی تھی اور اب وہ اپنی اماں سے ملنے کی ضد کررہی تھی۔

''ابھی تھوڑی دیر تک ہم تمہاری اماں کے گھر جائیں گے، پہلے تم ناشتہ تو کرلو۔'' اس نے پیار سے اسے سمجھایا، مگر وہ کس طرح نہ مان رہی تھی۔

''میں ناشتہ اماں کے ہاتھ سے کروں گی۔'' اس کی آنکھوں میں آنسو جگمگانے لگے تھے۔

''میں اپنے ہاتھ سے کرواؤں ناشتہ تمہیں؟'' اس نے دروازے کی طرف دیکھتے ہوئے آہستہ آواز میں کہا، مبادا کوئی سن نہ لے۔

''آپ؟'' اس نے انگلی سے اس کی طرف اشارہ کیا، آنکھوں میں اب حیرت در آئی تھی۔

''ہاں میں۔'' ازمیر شاہ نے مسکراتے ہوئے کہا۔

''کیونکہ میں تمہارا دوست ہوں نا۔''

''آپ اماں کی طرح کھلا سکتے ہیں؟'' وہ پرتجسس انداز میں پوچھ رہی تھی۔

''کوشش تو کرسکتا ہوں۔'' پھر اس نے دونوں کا ناشتہ کمرے میں منگوا لیا، روم لاکڈ کرکے اس نے گڑیا کو اپنے ہاتھ سے ناشتہ کروایا۔

''ایسے نہیں، اتنے بڑے نوالے میں نہیں کھا سکتی، میں ابھی چھوٹی ہوں نا۔'' اس نے جھنجھلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا، آپ ابھی چھوٹی ہیں۔'' وہ زیرلب مسکرایا، ساتھ ہی کپ میں اپنے لئے چائے بنائی۔

''ناشتہ ختم، آپ اب مجھے اماں کی طرف لے جائیں ناں۔'' وہ فوراً ضد کرنے لگی تھی۔

''ٹھیک ہے، تم کپڑے بدل لو، پھر میں تمہیں لے جاؤں گا۔'' وہ فریش ہوکر آ گیا، گڑیا اسی طرح بیٹھی تھی۔

''تم نے کپڑے نہیں بدلے؟''

''مجھے کپڑے تو اماں نکال کر دیتی تھیں۔'' وہ بسورنے لگی۔

''مجھے کیا پتا کون سے کپڑے پہننے ہیں۔''

''اوہ اچھا چلو میں تمہیں کپڑے نکال دیتا ہوں۔'' اور پھر اس نے گڑیا کو ایک سوٹ نکال دیا۔

''اب چلیں؟'' وہ کپڑے تبدیل کرکے آ گئی، فراک پہنے وہ ننھی، معصوم پری لگ رہی تھی، ازمیر شاہ آئینے کے سامنے کھڑا تھا، وہ اس کے پاس آکر کھڑی ہوگئی۔

''ہوں چلتے ہیں۔'' اس نے آئینے میں ابھرتی اس کی شبیہ کو ایک نظر دیکھ کر کہا۔

''مجھے بھی بال بنانے ہیں۔'' اس نے کہا، ازمیر شاہ نے ہیئر برش اسے تھما دیا، وہ برش کرنے لگی، ازمیر شاہ اسے دیکھے گیا۔

''کتنا ظلم ہوا ہے تم پر۔'' وہ سوچ کر رہ گیا۔

''آپ میری پونی بنا دیں۔'' اس نے برش اس کی طرف بڑھایا۔

''مجھے نہیں بنانی آتی، تم بالوں کو ایسے ہی کھلا چھوڑ دو۔'' وہ پلٹ کر سائیڈ ٹیبل سے چابی اٹھانے لگا۔

''ارے کیا ہوا؟'' واپس مڑا تو دیکھا گڑیا ٹپ ٹپ آنسو بہا رہی تھی، وہ تیزی سے اس کے قریب آیا۔

''کیوں رو رہی ہو گڑیا؟''

''مجھے بالوں کی پونی بنانی ہے۔'' اس نے روتے ہوئے کہا۔

''اوہ اس میں رونے کی کیا بات ہے، میں بنا دیتا ہوں۔'' اس نے برش پکڑ کر اس کے بالوں میں پھیرا اور پونی بنا دی، گڑیا خوش ہو گئی، وہ اسے ساتھ لے کر باہر آ گیا۔

''کہاں جا رہے ہو ازمیر شاہ؟'' بی بی جان نے اسے گڑیا کو ساتھ لے کر جاتے دیکھا تو روک کر پوچھنے لگیں۔

''گڑیا کو اس کی اماں سے ملوانے۔'' وہ گہری سنجیدگی لہجے میں سموتے ہوئے کہنے لگا۔

''پاگل ہو گئے ہو؟'' وہ آگے بڑھیں۔

''تمہارے بابا کو پتا چلا تو ناراض ہوں گے، یہ تمہاری بیوی ہے، اس حویلی میں بیویوں کی جو حیثیت ہوتی ہے اسے ذہن میں رکھو۔'' ازمیر شاہ نے فوراً گڑیا کے حیران اور پریشان چہرے کو دیکھا۔

''اماں پلیز!'' اس نے دبا دبا احتجاج کیا۔

''جب وہ اس لفظ اور رشتے کے معنی سمجھ جائے گی تو میں......''

''معنی اس نے نہیں سمجھنے، تم نے اسے سمجھانے ہیں ازمیر شاہ، جتنی جلدی سمجھا لو بہتر ہو گا۔'' وہ غصے سے پھنکاریں۔

''چلو لڑکی تم اندر۔'' انہوں نے گڑیا کو گھورا، وہ سہمی سہمی نظروں سے انہیں دیکھتی رہی اور پھر ایک دم اندر بھاگ گئی۔

''گڑیا!'' وہ اوندھے منہ بیڈ پر گری رو رہی تھی، ازمیر شاہ اس کے قریب بیٹھ کر اسے آوازیں دینے لگا۔

''رو کیوں رہی ہو؟'' اس کی دبی دبی سسکیاں ازمیر شاہ کو بہت ڈسٹرب کر رہی تھیں۔

''سب بہت گندے ہیں، کوئی بھی اچھا نہیں ہے۔'' وہ اٹھ کر بیٹھ گئی اور مٹھیوں سے دونوں آنکھیں رگڑنے لگی۔

''مجھے یہاں نہیں رہنا، اماں کے پاس جانا ہے۔''

''کیا میں بھی گندا ہوں؟'' اس نے انگلی سے اپنی طرف اشارہ کیا۔

''آپ؟'' اس نے آنکھوں سے ہاتھ ہٹائے، چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، ازمیر شاہ کو بی بی جان پر غصہ آنے لگا، وہ سوچ میں پڑ گئی تھیں۔

''میں تو تمہارا دوست ہوں نا۔'' اس نے نرمی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''ہاں، آپ بہت اچھے ہیں، بالکل میری اماں کی طرح۔'' اس کا بایاں ہاتھ اس نے اپنی ننھی ہتھیلیوں میں لے لیا تھا، ازمیر شاہ دل مسوس کر رہ گیا۔

☆☆☆

زوہرا کی بارات آ گئی تھی، وہ اپنے کمرے میں بند تھی، بی بی جان نے کئی بار ملازمہ کو بھیجا مگر وہ الٹے قدموں واپس لوٹ آتی۔

''چھوٹی بی بی کے کمرے کا دروازہ بند ہے۔'' اس نے بتایا۔

''حد کرتی ہے یہ لڑکی بھی۔'' بی بی جان اٹھ کر اس کے کمرے تک آئیں۔

''زوہرہ دروازہ کھولو۔'' بی بی جان نے کئی بار دستک دی، آخر دروازہ کھل گیا۔

''بارات آ گئی ہے اور تم ابھی تک تیار ہی نہیں ہوئی۔'' وہ اس کے سادہ حلیے کو دیکھ کر حیران ہوئیں۔

''میں تیار ہوں۔'' وہ سرد اور سپاٹ لہجے میں بولی۔

''دماغ تو نہیں چل گیا تمہارا؟'' انہوں نے اسے اچھا خاصا ڈانٹا۔

''یہ کپڑے پہن کر جائے گی؟'' انہوں نے اس کے سفید لباس کو دیکھ کر پوچھا۔

''کیوں ان کپڑوں کو کیا ہے؟'' اس نے استہزائیہ انداز میں کہا۔

''مردے یہی لباس پہنتے ہیں، سفید کفن، سو میں نے پہن رکھا ہے، پلیز مجھے مجبور مت کریں۔''

''تمہارے بابا جان کو......''

''بس بی بی جان۔'' اس نے ہاتھ اٹھا کر انہیں مزید بولنے سے روکا۔

''جتنی بابا جان کی ماننی تھی مان لی، اب اور نہیں، اب سارے ڈر ختم ہو گئے، جب ہر طرف خسارہ ہی خسارہ ہے، نقصان ہے تو ڈرنا کس بات سے۔'' وہ بے خوف لہجے میں بولی، اس کے انداز میں بغاوت کی بو انہیں صاف محسوس ہو رہی تھی، وہ اٹھ کر چلی گئیں، کچھ ہی دیر میں ازمیر شاہ آ گیا۔

''زوہرہ یہ کیا بچکانہ حرکت ہے؟'' وہ بیڈ کے سامنے فلور کشن پر بیٹھی تھی، وہ بھی اس کے پاس پڑے کشن پر بیٹھ گیا، اس نے کوئی جواب نہ دیا۔

''تم نے تو کہا تھا کہ تم احتجاج نہیں کرو گی، خاموش رہو گی، تو پھر آج کے دن یہ احتجاج میری سمجھ سے باہر ہے۔'' وہ ہنوز خاموش تھی۔

''زوہرہ تم کچھ بولتی کیوں نہیں؟'' اس نے اس کا بازو پکڑ کر ہلایا۔

''تم چاہو تو ابھی بھی شادی سے انکار کر دو، میں تمہیں اور گڑیا کو لے کر شہر چلا جاؤں گا، میں تمہاری وہاں کسی بہت اچھے لڑکے سے شادی کروا دوں گا۔'' وہ آہستہ آواز میں بولا۔

''پر کاٹ کر پنجرے کا دروازہ کھول دینے سے قیدی پرندے کو اس کی بے بسی اور لاچاری کا احساس اور زیادہ شدت سے دلاتا ہے، آپ میرے پنجرے کا دروازہ بند ہی رہنے دیں، مجھے میری بے بسی کا احساس مت دلائیں۔''

''تمہارے پر سلامت ہیں، انہیں تم خود کاٹنے جا رہی ہو۔'' اس نے سمجھانا چاہا، مگر وہ شاید کچھ بھی سمجھنا نہ چاہ رہی تھی۔

''آپ سے بس ایک درخواست ہے۔'' اس نے پہلی مرتبہ ڈائریکٹ اس کی آنکھوں میں جھانکا تھا۔

''گڑیا کی معصومیت کو کبھی ختم نہ ہونے دینا، اس کے خوابوں کو کبھی بھی مرنے نہ دینا، اگر آپ کو واقعی اس کی فکر ہے تو اسے اس حویلی سے دور لے جائیں، اسے پڑھائیں لکھائیں، ایک پر اعتماد اور کامیاب لڑکی بنائیں، میری فکر مت کریں، میں ٹھیک ہوں، اب پرسکون ہوں۔'' وہ بے بسی سے اسے دیکھے گیا، اکلوتی بہن کے لئے کچھ نہ کر سکتا تھا، کتنا مجبور اور بے بس تھا۔

''زوہرہ!'' اس کا سر اپنے شانے پر رکھے وہ مسلسل آنسو بہا رہا تھا۔

''مت رو میرے اچھے بھائی۔'' وہ اس کے آنسو پونچھ رہی تھی۔

☆☆☆

ان کا ولیمہ ہو گیا تھا اور گڑیا بھی بارات کے ساتھ واپس چلی گئی تھی، زوہرہ رخصت ہوتے وقت بالکل نہیں روئی تھی۔

گڑیا کی اماں اس کی سوتن اسے بیڈ روم تک لائیں، اس کا برقع اتروایا تو ششدر رہ گئیں۔

''ارے یہ کیا، سفید لباس؟''

''مردے سفید کفن ہی پہنتے ہیں۔'' وہ طنز سے مسکرائی۔

''بد فالیں نہیں نکالتے منہ سے، میں

تمہارے لیئے لال جوڑا نکالتی ہوں، وہ پہن لو۔'' وہ وارڈروب کی طرف بڑھیں۔
''اس کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس نے منع کیا اور اٹھ کر اس کے قریب آ گئی۔
''ضرورت کیوں نہیں ہے، پہلی دفعہ شوہر کے سامنے اس حلیے میں جاؤ گی؟ کیا سوچے گا وہ؟'' وہ مصروف سے انداز میں بولیں اور اس کے لیئے سوٹ نکالنے لگی۔
''اونہہ بڈھا شوہر۔'' وہ نفرت سے بڑبڑائی۔
''آپ کو مجھ پر غصہ نہیں آ رہا، مجھ سے نفرت محسوس نہیں ہو رہی؟'' وہ ان کے رویے پر حیران ہو رہی تھی۔
''آپ کے شوہر پر قبضہ جمانے آ گئی ہوں۔'' پتا نہیں اس کا مذاق اڑا رہی تھی یا اپنا۔
''نہیں۔'' وہ واپس مڑیں۔
''مجھے تم بہت پیاری لگ رہی ہو، بہت اپنی اپنی سی۔'' وہ اپنائیت سے بولیں۔
''اور پھر مرد پر عورت کبھی بھی قبضہ نہیں جما سکتی، پہلی ہو دوسری یا تیسری۔'' وہ پھیکے پن سے مسکرائیں اور سرخ کامدار جوڑا اسے تھمایا۔
''مگر تم کم عمر ہو، حسین ہو، تم قبضہ جما سکتی ہو، کیونکہ گڑیا کے ابا کو میں کبھی بھی پسند نہ تھی۔'' انہیں اچانک احساس ہوا کہ اس وقت اس سے ایسی باتیں کرنا اسے شوہر سے بدگمان کرنے والی بات تھی۔
''آپ نے گڑیا کے ساتھ اچھا نہیں کیا؟'' اچانک اس کے منہ سے نکلا۔
''ابھی شاید دسویں سال میں لگی ہے اور میرا بھائی۔'' اس کی زبان لڑکھڑا گئی۔
''میرا بھائی پورے اکتیس سال کا ہے، جب گڑیا جوان ہو گئی تب تک میرا بھائی بوڑھا ہو چکا ہوگا۔'' اس نے احساس دلانا چاہا۔
''تم اس خاندان کی ریتوں اور رواجوں کو جانتی ہو، پھر بھی ایسا کہہ رہی ہو۔'' انہیں اس کی باتوں سے اچنبھا ہوا تھا۔
''کب تک اس خاندان کی لڑکیاں رواجوں کی سولی پر لٹکتی رہیں گی، صدیاں بیت گئیں، ان کے طور طریقے نہ بدلے۔'' سارے زمانے کی تھکن اس کے لہجے میں در آئی تھی۔
''آہستہ، ارباز نے سن لیا تو اچھا نہ ہوگا۔'' اس نے دروازے کی سمت دیکھ کر خوفزدہ ہو کر کہا۔
''بہت ڈرتی ہیں آپ ان سے؟'' وہ ہنس دی۔
''ڈرنا پڑتا ہے، نہ ڈریں تو، مرد اسے اپنی توہین سمجھتا ہے، بہادر عورت مرد کو زہر لگتی ہے۔'' وہ بھی انجانے میں اپنے اندر پلتا لاوا اور غم و غصہ اس کے سامنے نکال رہی تھی۔
''ہاں، عورت کو ڈرا کر، کمزور اور بے بس کر کے وہ اپنی انا کی تسکین کرتا ہے، نفرت ہے مجھے مردوں سے شدید نفرت۔'' اور نفرت اس کے لہجے، آنکھوں اور چہرے سے عیاں تھی۔
''لو میں بھی کیا باتیں لے بیٹھی، تم کپڑے بدل کر تیار ہو جاؤ، ارباز باہر ڈیرے میں بیٹھے ہیں دوستوں یاروں کے پاس، میں جا کر انہیں بھجواتی ہوں۔'' وہ باہر کی جانب بڑھی پھر اچانک کچھ یاد آنے پر مڑیں۔
''اور سنو ان کے سامنے ایسی کوئی بات نہ کہنا۔'' وہ باہر نکل گئیں تو اس نے آگے بڑھ کر دروازہ لاکڈ کر لیا۔

☆☆☆

تاروں بھری رات بہت سیاہ تھی، ہر سو ہو کا عالم تھا، اس خاموشی میں کبھی کبھی کسی کتے کے

بھونکنے کی آواز ارتعاش پیدا کر دیتی تھی، وہ کئی گھنٹوں سے بیڈ روم کی کھڑکی کھولے کھڑا تھا، دل کا غم حد سے سوا تھا، بہت خواہش اور کوشش کے باوجود بھی وہ زوہرہ کے لئے کچھ نہ کر سکا۔

''مجھے معاف کر دینا زوہرہ۔'' اس کی آنکھوں سے اشکوں کا سیل رواں ہو گیا تھا۔

''ایسا تو کبھی نہیں سوچا، جو ہو گیا۔'' اس کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے۔

''میں تمہارے لئے کچھ نہ کر سکا، زوہرہ تمہارے خواب ٹوٹ گئے، تم ایک زندان کی قید سے نکل کر دوسرے زندان میں چلی گئی اور میں خاموش تماشائی بنا کھڑا دیکھتا رہا۔'' وہ خوبرو، جوان مرد پھوٹ پھوٹ کر رو رہا تھا۔

''اے خدا اس خاندان کے مردوں کو سزا کیوں نہیں دیتا تو، کتنی دراز کرے گا ان کی رسی؟'' وہ آسمان کی جانب دیکھتے ہوئے بولا۔

تمام رات وہ کھڑکی میں کھڑا رہا، کبھی رو پڑتا، کبھی خود ہی چپ کر جاتا، پچھلی رات گڑیا کے نقصان نے اسے جگائے رکھا اور آج زوہرہ کے دکھ نے، اچانک باہر شور اٹھا تھا۔

''یہ شور کیسا ہے؟'' وہ تیزی سے پلٹا اور کمرے سے باہر نکل گیا، مختلف راہداریوں سے گزر کر وہ ہال کی جانب بڑھا۔

''یہ تو بی بی جان کے رونے کی آواز ہے۔'' وہ بڑبڑاتا ہوا آگے بڑھا۔

''کیا ہوا؟'' وہ تیزی سے آگے بڑھا، بی بی جان دھاڑیں مار کر رو رہی تھیں، جبکہ بابا جان پاس خاموش کھڑے تھے۔

''زوہرہ نے خودکشی کر لی۔'' بابا جان نے سکون سے جواب دیا۔

''بابا جان!'' اسے لگا ساتوں آسمان اس کے اوپر آ گرے ہوں۔

''بی بی جان ایسا نہیں ہو سکتا۔'' اس کا ہاتھ سیدھا اپنے دل پر جا ٹھہرا۔

''میری بہن نہیں مر سکتی، نہیں۔'' وہ زور سے چلایا۔

''از میر شاہ ہوش کرو، مرد ایسے نہیں کرتے۔'' بابا جان آگے بڑھے۔

''اب آگے کی سوچو۔'' انہوں نے اپنا دایاں ہاتھ اس کے بائیں کندھے پر رکھا۔

''میری بہن آپ کے ظلم سے تنگ آ کر اس دنیا سے منہ موڑ گئی، آپ کہہ رہے ہیں میں روؤں نا، آگے کی سوچوں، کس قدر ظالم ہیں آپ۔'' وہ پھنکارا تھا۔

''تم ابھی اسی وقت شفق شاہ (گڑیا) کو طلاق دے دو۔'' اسے زور کا دھچکا لگا تھا۔

''کس قدر سفاک ہیں آپ۔'' اسے یقین نہ آیا ان کی بات پر۔

''تم اگر اسے طلاق نہ دو گے تو میں خود اسے گولی مار دوں گا، ہماری بیٹی کی موت ان کی حویلی میں ہوئی ہے، تو ان کی بیٹی کو بھی سزا ملنی چاہیے۔'' وہ گرجدار آواز میں بولے۔

''آپ کی بیٹی کو گڑیا نے نہیں آپ کے رواجوں نے مارا ہے، آپ کے ظلم نے مارا ہے، سزا آپ کو ملنی چاہیے گڑیا کو نہیں۔'' وہ خود کو بولنے سے باز نہ رکھ سکا۔

''نقصان بہت زیادہ ہو جائے گا، حساب بھی تو برابر کرنا ہے نا، جا کر ابھی اسی وقت گڑیا کو طلاق دے کر آؤ، وٹے سٹے کی شادی اسی لئے کی جاتی ہے تاکہ نقصان ہو تو دونوں طرف۔'' وہ چند ثانیے کھڑا ان کو دکھ کے عالم میں دیکھتا رہا۔

''افسوس! آپ کی بیٹی مر گئی، آپ کا ذہن ابھی بھی سازشوں کے جال بن رہا ہے، خدا کی لاٹھی بے آواز ہے۔'' وہ واپس پلٹا اور لمبے لمبے

ڈگ بھرتا ہوا ان سے دور ہوتا چلا گیا، بی بی ایک طرف گر پڑی تھیں۔

☆☆☆

''گڑیا کہاں ہے؟'' وہ آندھی طوفان کی طرح ارباز شاہ کی حویلی تک پہنچا تھا، اندر قدم رکھتے ہی اس کی زرمینہ (گڑیا کی ماں) سے مڈھ بھیڑ ہوگئی۔

''میری بیٹی بے قصور ہے ازمیر شاہ، اسے کوئی سزا مت دینا، میں ہاتھ جوڑتی ہوں، تمہیں اللہ کا واسطہ ہے۔'' وہ روتے ہوئے اس کے آگے ہاتھ جوڑنے لگیں۔

''ڈونٹ وری میں اسے لے کر اس گاؤں سے بہت دور جا رہا ہوں، کیونکہ یہاں اس کی جان کو خطرہ ہے، میرے بابا اسے مار دینا چاہتے ہیں، آپ اسے جلدی سے باہر لے آئیں، میرے پاس وقت زیادہ نہیں ہے۔'' زوہرہ کی موت نے اسے یہ انتہائی فیصلہ کرنے پر مجبور کیا تھا، وہ خود سے وعدہ کر چکا تھا کہ گڑیا کو کبھی بھی دکھ نہیں دے گا۔

''آپ اس وقت کیوں آئے، میں تو سو رہی تھی۔'' وہ منہ بسورتی آنکھیں ملتی ہوئی اماں کی انگلی پکڑے آ گئی۔

''دعا کیجیے گا، اللہ ہمارے حق میں بہتر کرے، میں جانتا ہوں یہ لوگ مجھے ہر جگہ ڈھونڈیں گے، میں آپ سے رابطہ نہیں کر سکوں گا، اگر زندگی اور وقت نے ساتھ دیا تو آپ ضرور دوبارہ گڑیا سے ملیں گی، مگر اتنا یقین رکھیے گا میں اسے بہت خوشیاں دوں گا، دکھ کو اس کے پاس بھی نہ آنے دوں گا۔'' وہ عجلت میں کہہ کر مڑا۔

''زوہرہ کو نہ دیکھو گے آخری بار۔'' وہ مڑنے لگا جب وہ بولیں۔

''نہیں، میں زندگی اس خوش گمانی میں گزارنا چاہتا ہوں کہ زوہرہ زندہ ہے، جس دن اس کی موت کا یقین آ گیا، میں بھی مر جاؤں گا اور پھر میں اس کا سامنا نہیں کر سکتا، میں بھی اس کا مجرم ہوں، چلتا ہوں۔'' گڑیا کا ہاتھ پکڑ کر تیزی سے باہر نکلا، جیپ کا دروازہ کھول کر اسے بٹھایا اور خود گھوم کر ڈرائیونگ سیٹ پر آ بیٹھا، گڑیا کا موڈ بہت آف تھا، اس کی نیند خراب ہوگئی تھی۔

☆☆☆

وہ بہت تیز ڈرائیونگ کر رہا تھا، اس سے بھی تیزی سے اس کا دماغ حرکت کر رہا تھا، شہر جا کر اس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی جیپ بیچ دی، پھر فوراً ایئر پورٹ آیا، پیسے اس نے اپنے اکاؤنٹ میں ٹرانسفر کروا دیے تھے۔

''ہم کہاں جا رہے ہیں؟'' گڑیا اس کی انگلی تھامے سہمی سہمی اور خوفزدہ سی اس کے ساتھ چل رہی تھی۔

''ایک بہت اچھی جگہ پر، جہاں کوئی تمہیں ڈانٹے گا نہیں پریشان نہیں کرے گا۔'' اس نے بازو اس کے شانے کے گرد پھیلا رکھا تھا، وہ پہلی مرتبہ شہر آئی تھی اور کافی پریشان تھی۔

جہاز کی روانگی میں ابھی آدھا گھنٹہ تھا، وہ اسے ساتھ لے کر ویٹنگ ہال میں آ گیا۔

''کچھ کھاؤ گی؟'' اسے گڑیا پر بہت ترس آ رہا تھا، وہ جانتی بھی نہ تھی کہ کیا کچھ کھو چکی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے برا سا منہ بنایا۔

جہاز میں وہ اس کے بازو کو اپنے گرد پھیلائے اس کے ساتھ دبکی بیٹھی تھی۔

''میں تمہیں سیر کروانے لے کر جا رہا ہوں۔'' اس نے اس کے کان میں سرگوشی کی تھی۔

''سچ؟'' وہ ایکدم خوش ہوئی۔

''مگر مجھے تو اماں کے پاس جانا ہے۔'' وہ اگلے ہی لمحے اداس ہونے لگی، تمام راستہ وہ اسے

بہلاتا رہا، بالآخر وہ اس کے سینے پر سر رکھ کر سو گئی۔

☆☆☆

''ایسا کیسے ہو سکتا ہے؟ کس طرح بھاگ گیا وہ؟'' بابا جان کو ابھی تک یقین نہ آ رہا تھا کہ وہ اتنا بڑا قدم اٹھا سکتا ہے۔

''جوان بیٹی کی لاش گھر میں پڑی ہے، آپ کو ابھی بھی ایسی باتیں سوجھ رہی ہیں۔'' بی بی جان غم سے نڈھال تھیں، آج زندگی میں پہلی بار انہیں شوہر سے نفرت محسوس ہو رہی تھی۔

''دو اولادیں دونوں ہی نالائق، ایک نے خودکشی کر کے سر جھکایا تو دوسرے نے بھاگ کر۔'' ان کا غصہ کسی طور کم نہ ہو رہا تھا۔

''مگر میں ایک بات بتا رہا ہوں، جلد اس ناہنجار کو ڈھونڈ کر گولی مروا دوں گا۔'' سفاکیت کی انتہا کر دی تھی انہوں نے، وہ خاموشی سے بس ان کا پتھریلا چہرہ دیکھتی رہیں، وہ وہاں سے چلے گئے۔

''کتنی بدنصیب ماں ہوں میں، میرے دونوں بچے مجھ سے بچھڑ گئے۔'' وہ گرنے کے انداز میں صوفے پر بیٹھ گئیں اور ایک مرتبہ پھر آنسو بہانے لگیں۔

☆☆☆

اس نے ہوٹل میں کمرہ لیا اور گڑیا کو لے کر وہاں آ گیا، ناشتہ کمرے میں آ گیا تھا، اس نے منت سماجت سے گڑیا کو ناشتہ کروایا، سفر کی تھکن کی وجہ سے وہ سو گئی تھی، اس کی طرف پشت کیے وہ بیڈ پر بیٹھا تھا، تھوڑی ہی دیر میں کیا سے کیا ہو گیا، کتنا بڑا بھونچال آیا تھا جو سب کچھ بہا کر لے گیا تھا۔

''زوہرہ!'' اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی۔

''کیوں کیا تم نے ایسا؟ یہ بغاوت کا کون سا طریقہ تھا، جس نے صرف تمہارا نقصان ہوا، اور تم پر ظلم کرنے والے تو آج بھی تمکنت سے سر اٹھا کر کھڑے ہیں۔'' اس نے گردن گھما کر ایک نظر سوئی ہوئی گڑیا پر ڈالی۔

''میں نے تم سے کیا ہوا وعدہ پورا کیا ہے زوہرہ، میں اسے اس خوبصورت پنجرے سے نکال لایا ہوں، اس کے پروں سمیت، میں اسے اڑنا سکھاؤں گا، کبھی بھی اس کے پر کٹنے نہیں دوں گا، نہ ہی اسے بے دم ہو کر گرنے دوں گا۔'' وہ رو رہا تھا۔

''میں نے تمہیں بھی بچانے کی بہت کوشش کی تھی، مگر تم نے میرا ساتھ نہیں دیا، پتا نہیں تمہیں مجھ پر اعتبار نہ تھا یا خود پر، مگر زوہرہ تم نہیں مری، مرا تو میں ہوں۔'' اس کا دل غم سے نڈھال تھا، یہ کیسی مجبوری آن پڑی تھی کہ وہ دکھی اور مجبور بی بی جان کو بھی تنہا چھوڑ آیا تھا۔

تمہاری قبر پر میں
فاتحہ پڑھنے نہیں آیا
مجھے معلوم تھا تم مر نہیں سکتی
تمہاری موت کی سچی خبر جس نے اڑائی تھی
وہ جھوٹا تھا
وہ تم کب تھی
کوئی سوکھا ہوا پتا
ہوا میں گر کے ٹوٹا تھا
میری تنہائیوں میں تم
میری لاچاریوں میں تم
تمہاری قبر پر جس نے تمہارا نام لکھا ہے
وہ جھوٹا ہے
تمہاری قبر میں تو
میں دفن ہوں
تم تو زندہ ہو

ملے فرصت کبھی

تو فاتحہ پڑھنے چلے آنا......!

اچانک اس کے شانوں پر ننھے ننھے ہاتھ ٹھہر گئے، اس نے جلدی سے آنسو پونچھے۔

''دولہا میاں آپ رو رہے ہیں؟'' وہ اس کے سامنے آ کر کھڑی ہو گئی تھی۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلاتے ہوئے مسکرانے کی کوشش کی۔

''جھوٹ بولنا بری بات ہے۔'' وہ بغور اس کی آنکھوں کو دیکھ رہی تھی۔

''آپ کو بھی آپ کی اماں یاد آ رہی ہیں؟'' اس کی بات پر وہ ہنس دیا۔

''ہاں۔'' اس نے بمشکل خود کو سنبھالا۔

''تو پھر ہم واپس چلے جاتے ہیں، مجھے بھی اماں کی یاد آ رہی ہے۔'' اس نے جھٹ کہا۔

''ابھی ہم واپس نہیں جا سکتے۔'' اس نے پیار سے سمجھایا۔

''پھر آپ روئیں نہیں، میں تو ہوں نا آپ کے ساتھ۔'' اس نے آگے بڑھ کر اس کے چہرے کو صاف کیا۔

''ہاں، تم ہو میرے ساتھ اسی لئے تو زندہ ہوں، تمہارا مستقبل مجھ سے جڑا ہوا ہے، اسی لئے تو......'' وہ پرسوچ نظروں سے اسے دیکھنے لگا۔

☆☆☆

''پتا نہیں گڑیا کہاں ہو گی اور کیسی ہو گی۔'' سارا دن بہت بے چینی میں گزرا تھا، رات تو آخر وہ شوہر کے سامنے کہہ ہی بیٹھیں۔

''جیسی ہو ہماری بلا سے۔'' وہ غصے سے بولا۔

''عورت ہوتی ہی فساد کی جڑ ہے، ہمیشہ مرد کا سر جھکاتی ہے، ناک کٹواتی ہے۔'' وہ نفرت سے بولا۔

''گڑیا بہت چھوٹی ہے، معصوم ہے، وہ کیسے رہے گی میرے بغیر؟'' وہ دو لفظ تسلی کے سننا چاہتی تھی مگر ارباز شاہ کے پاس اس کے لئے سوائے طنز اور نفرت کے اور کچھ نہ تھا۔

''اچھا ہوا جلد اس مصیبت اور نحوست سے جان چھوٹ گئی، گھر پاک ہوا۔'' وہ پھنکارا۔

''اور دیکھو دوبارہ اس گھر میں اس کا نام سنا میں نے تو دھکے دے کر تمہیں بھی نکال دوں گا۔''

وہ اٹھ کر باہر نکل گیا، زرینہ دوپٹہ منہ پر رکھ کر رونے لگیں۔

''میں ماں ہوں اس دکھ میرے دل کو چین نہیں آتا، یا اللہ میری بچی کی حفاظت کرنا۔'' وہ ہر وقت اس کے لئے دعائیں کرتی رہتی تھیں۔

☆☆☆

تھوڑی سی بھاگ دوڑ کے بعد اس نے ایک گھر کرائے پر لے لیا تھا، گڑیا اماں سے ملنے کی ضد کرتی تھی ہر بار وہ ٹال دیتا۔

''مجھے سکول نہیں جانا۔'' اس نے گڑیا کا ایڈمیشن قریبی سکول میں کروا دیا تھا، یونیفارم پہنے آنکھوں میں آنسو بھرے اسے دیکھ رہی تھی۔

''سکول نہیں جاؤ گی تو پڑھو گی کیسے؟ اور اگر پڑھو گی نہیں تو اچھی لڑکی کیسے بنو گی؟ کیونکہ اچھی لڑکی بنو گی تو ہی اماں سے مل سکو گی نا۔'' اور اس کی تدبیر کارگر ثابت ہوئی وہ واقعی سکول جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

اس کی انگلی تھامے وہ اسکول گئی تھی، واپسی پر چھٹی سے کچھ دیر پہلے ہی وہ گیٹ کے سامنے جا کھڑا ہوا تھا۔

''کیسا لگا اسکول؟'' اسے دیکھ کر وہ بھاگ کر اس کے قریب آئی تھی، اس نے بیگ اس کے ہاتھ سے لے لیا اور اس کا ہاتھ تھامے چلنے لگا۔

''میری ٹیچر بہت اچھی ہیں، بالکل پری

جیسی ہیں، بہت پیاری۔'' وہ کافی ایکسائٹڈ تھی۔
''اچھا یہ تو بہت اچھی بات ہے۔'' وہ گھر میں داخل ہوگئے تھے، گڑیا نے آتے ہی ٹی وی پر کارٹونز چلا لئے تھے۔
''پہلے یونیفارم چینج کرنا ہے۔'' اس نے پیار سے کہا۔
''مجھے بہت بھوک لگی ہے۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔
''تم جلدی سے یونیفارم بدلو، تمہارے کپڑے بیڈ پر پڑے ہیں، پھر کھانا کھائیں گے شاباش۔'' وہ خاموشی سے اٹھ کر اندر چلی گئی تھی، کھانا کھا کر وہ سوگئی تھی ازمیر شاہ اس کے بیگ میں سے کاپیاں اور ڈائری نکال کر دیکھنے لگا تھا، وہ بہت ذہین تھی، ہر کاپی پر اسے سٹار ملا ہوا تھا۔
شام کو وہ سو کر اٹھی تو موڈ تھوڑا آف تھا، ازمیر شاہ اس کا بیگ اٹھا لایا۔
''ہوم ورک کرلیں؟'' وہ اس سے پوچھ رہا تھا۔
''نہیں۔'' اس نے خفگی سے سر ہلایا۔
''اگر تم ہوم ورک کرلو گی تو میں......'' وہ بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھ رہی تھی۔
''میں تمہیں آئسکریم کھلانے لے کر جاؤں گا۔'' اس نے مسکراتے ہوئے کہا۔
''سچ۔'' وہ فوراً مان گئی تھی اور پھر جلدی سے ہوم ورک کیا، ازمیر شاہ اسے آئسکریم کھلانے لے گیا۔
''آپ نہیں کھائیں گے؟'' وہ اس سے پوچھ رہی تھی۔
''نہیں۔'' اس نے سر ہلایا۔
''آئسکریم تو بچے کھاتے ہیں۔''
''بہت میٹھی ہے، کھا کر تو دیکھیں۔'' اس نے چمچ اس کی طرف بڑھائی ازمیر شاہ نے منہ کھولا تو گڑیا نے اس کے منہ میں ڈال دی۔
''میٹھی ہے نا؟''
''ہاں۔'' وہ ہنس دیا۔
''اور کھائیں گے؟'' اس نے چمچ اس کے منہ کی طرف بڑھایا۔
''نہیں۔'' اس نے انکار کیا۔
''جلدی سے کھا لو، پھر ہم مارکیٹ جائیں گے تمہاری کچھ بکس خریدنی ہیں۔'' وہاں سے وہ لوگ مارکیٹ آگئے، بکس کے ساتھ اس نے کچھ کلر بکس اور کلرز بھی خرید لئے۔
''دولہا میاں یہ بھی لینے ہیں مجھے۔'' ازمیر شاہ نے گھبرا کر اِدھر اُدھر دیکھا، صد شکر پاس کوئی نہ تھا، شاپنگ کر کے وہ لوگ گھر آگئے۔
''گڑیا!'' وہ کلرز کر رہی تھی جب ازمیر شاہ نے اسے بلایا۔
''جی۔'' اس نے نظر اوپر اٹھائے بغیر جواب دیا۔
''مجھے دولہا مت کہا کرو۔'' اس نے بہت سوچ کر یہ بات کی تھی، گڑیا کلرز وہیں چھوڑ کر اس کے پاس آبیٹھی تھی۔
''آپ میرے دولہا نہیں ہیں؟ اماں نے تو یہی کہا تھا۔'' وہ الجھن آمیز نگاہوں سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
''میں تمہارا دوست ہوں۔'' وہ خود بھی اپ سیٹ ہوگیا تھا، تقدیر کی ستم ظریفی پر حیران تھا۔
''تو پھر میں کیا کہوں آپ کو؟'' اس نے فوراً سوال داغا۔
''شاہ......شاہ جی کہہ لیا کرو۔'' کافی سوچ کر اس نے کہا۔
''دکھاؤ کیا بنا رہی تھی؟'' اس نے اس کی ڈرائنگ بک اٹھالی۔
''یہ میں، یہ آپ......اور وہ اماں۔'' تصویر

میں دو دونوں ساتھ کھڑے ہیں، درمیان میں سڑکیں کھیت اور دور کچھ گھر تھے وہاں اس کی اماں تھی، اوپر ایک جہاز جا رہا تھا، اس کی ڈرائنگ نے ازمیر شاہ کو اداس کر دیا تھا۔

☆☆☆

بی بی جان کی نمازیں طویل ہو گئی تھیں، نماز پڑھ کر جائے نماز پر گھٹنوں بیٹھی جانے کیا راز و نیاز کرتی تھیں، بابا جان انہیں دیکھتے تو اور زیادہ کڑھتے انہیں اپنی شکست کا احساس اور شدت سے ہونے لگتا۔

''مانگ لو جتنی بھی دعائیں مانگنی ہیں، میں ایک نہ ایک دن اسے ڈھونڈ نکالوں گا اور دیکھنا تمہارے سامنے کھڑا کر کے گولی ماروں گا اسے۔'' وہ طیش میں آجاتے۔

''میں جس سے مانگتی ہوں وہ بڑا بے نیاز ہے، دینے پر آتا ہے تو بے حساب دیتا ہے، وہ ظالموں کو کبھی خوش نہیں ہونے دے گا، یہ اس کا وعدہ ہے، میرا بچہ جہاں کہیں بھی ہے میں نے اسے اس کی امان میں دے دیا، آپ کو جو کرنا ہے کر لیں، آپ کی طاقت نعوذ باللہ خدا سے بڑی نہیں ہے، وہ آپ کو اپنے سامنے جھکائے گا ایک دن۔'' وہ پرسکون لہجے میں بولتے ہوئے جائے نماز تہہ کرنے لگیں۔

''اس نے پتا بھی نہیں چلنے دیا اپنا سارا بزنس بھی شہر سے سمیٹ لیا، مجھے معلوم ہے وہ شہر چھوڑ گیا ہے، مگر میں اسے پاتال سے بھی کھینچ لاؤں گا تم کسی گمان میں نہ رہنا۔'' دونوں کے درمیان اب اکثر یہی بحث چلتی تھی، بی بی جان نے ان سے ڈرنا چھوڑ دیا تھا، سب کچھ تو لٹ گیا تھا، ان کا سکون، چین، نیند آرام، ان کی گود اور بچے اب کسی بات کا خوف نہ رہا تھا۔

☆☆☆

وہ اس کے لئے شاپنگ کر کے لایا تھا، اتنے کلرفل اور اچھے کپڑے دیکھ کر وہ بہت خوش ہو رہی تھی۔

''یہ تو میں نہیں پہنوں گی۔'' اس نے جینز اور اس کے ساتھ لانگ کرتا اٹھا کر ایک طرف رکھا۔

''کیوں؟'' ازمیر شاہ نے حیران ہوتے ہوئے پوچھا۔

''ایسے کپڑے تو بچے پہنتے ہیں نا۔'' وہ سمجھداری سے بولی۔

''تم بھی تو بچی ہو۔'' وہ ہنس دیا۔

''میں تھوڑی تھوڑی بڑی ہو گئی ہوں، یہ دیکھیں میری ہائیٹ۔'' وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئی، ازمیر شاہ مسکرا دیا، اس کا قد اپنے ہم عمر بچوں سے بڑا تھا مگر وہ ابھی بہت معصوم تھی۔

''ہاں، آپ تھوڑی تھوڑی بڑی ہو گئی ہیں، مگر اتنی زیادہ نہیں، یہ کپڑے آپ کو بہت سوٹ کریں گے، پہن کر تو دیکھیں۔'' پھر گڑیا نے بھی ضد نہ کی اور وہی ڈریس پہن کر آگئی۔

''کیسی لگ رہی ہوں شاہ جی میں؟'' وہ مسکراتی ہوئی اس کے سامنے آکھڑی ہوئی۔

''ہوں، بہت اچھی۔'' اس نے ہاتھ مار کر اس کے بال بگاڑے، وہ کھلکھلا کر ہنس دی۔

''آپ نے اپنے لئے کپڑے نہیں لئے؟'' اچانک اسے خیال آیا۔

''نہیں۔'' ازمیر شاہ نے نفی میں سر ہلایا۔

''کیوں؟'' اس نے ہونٹ سکوڑے۔

''مجھے ابھی ضرورت نہیں تھی، میرے پاس آل ریڈی کپڑے ہیں۔'' اس کی فکر پر وہ مسکرا دیا تھا۔

''وہ تو میرے پاس بھی ہیں، بس آپ ابھی جائیں اور اپنے لئے بھی اتنے ہی ڈریسز لے کر

آئیں جتنے میرے لئے لائے۔'' ازمیر شاہ کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا۔

''میں کل لے آؤں گا، ابھی تھک گیا ہوں۔'' وہ اٹھ کر کچن میں چلا گیا، گڑیا باقی چیزیں دیکھنے لگی، اس کے لئے وہ بہت پیارے سینڈلز بھی لایا تھا، ہیئر، بینڈز، ڈفرنٹ کلر کی سٹائلش سی پونیاں اور۔

''واؤ۔'' خوشی سے اس کی چیخ نکل گئی، وہ بھاگی بھاگی کچن میں گئی۔

''شاہ جی یہ گڑیا کس کی ہے؟'' وہ بے حد خوش دکھائی دے رہی تھی۔

''تمہاری۔'' ازمیر شاہ اس کے لئے نوڈلز بنا رہا تھا۔

''بہت پیاری ہے، تھینک یو۔'' جوش جذبات میں اس نے آگے بڑھ کر اس کا ہاتھ چوم کر عقیدت سے آنکھوں سے لگا لیا تھا۔

''ویلکم لٹل فرینڈ۔'' وہ اسے خوش دیکھ کر مسکرا دیا۔

''چلو نوڈلز تیار ہیں، یہ کھا لو۔'' اس نے نوڈلز باؤل میں ڈالے سے اٹھا کر ٹرے میں رکھا، ساتھ چمچ اور کیچپ لے کر لاؤنج میں آ گیا۔

''میں نوڈلز کھا کر اس کے ساتھ کھیل لوں؟'' وہ ازمیر شاہ سے اجازت مانگ رہی تھی، گڑیا اس کی گود میں تھی۔

''نہیں ابھی پڑھائی کا وقت ہے، پہلے ہوم ورک کرو، ٹیسٹ یاد کر لو پھر کھیلنا ہے۔'' اس نے فوراً منع کیا، وہ برے برے منہ بنانے لگی، مگر ازمیر شاہ نے توجہ نہ دی، کیونکہ اس وقت نرمی دکھانے کا مطلب تھا اس کی اسٹڈی کا حرج اور یہ ازمیر شاہ قطعاً برداشت نہ کر سکتا تھا۔

☆☆☆

ازمیر شاہ نے اپنا بزنس آہستہ آہستہ سیٹ کر لیا تھا، اس نے پلٹ کر گاؤں کا رخ نہیں کیا تھا، وہ جانتا تھا بابا جان کے پالتو کتے اس کو تلاش کرتے ہوں گے، بی بی جان کی یاد بھی کبھی اس کی رگیں توڑنے لگتی، زوہرہ کی جواں موت نے اسے زندگی سے بیزار کر دیا تھا، وقت کا پنچھی پر لگا کر اڑنے لگا۔

گڑیا ہر کلاس میں اول آتی تھی، اس کی شوخیاں اور شرارتیں ازمیر شاہ کو زندگی کا احساس دلاتی تھیں، مگر شعور کی سیڑھی پر قدم رکھتے ہی وہ کچھ سنجیدہ ہو گئی تھی۔

''کیا بات ہے گڑیا، کوئی پریشانی ہے؟'' رات کے کھانے کے دوران ازمیر شاہ نے اس کی غیر معمولی خاموشی اور سنجیدگی کو بھانپتے ہوئے سوال کیا جواب میں وہ ٹپ ٹپ آنسو بہانے لگی۔

''گڑیا!'' ازمیر شاہ گھبرا اٹھا اور تیر کی تیزی سے اٹھ کر اس کے قریب آیا۔

''ادھر میری طرف دیکھو۔'' اسے شانے سے تھام کر اس کا رخ اپنی طرف موڑا۔

''کیا بات ہے، کس چیز نے تمہیں پریشان کیا؟'' وہ بے چین ہوا تھا۔

''کل میرا میتھس کا فل یونٹ کا ٹیسٹ ہے، مجھے وہ ٹھیک سے نہیں آتا، کیمسٹری کا بھی ٹیسٹ ہے۔'' اس کے آنسو تیزی سے بہنے لگے۔

''بس اتنی سی بات۔'' ازمیر شاہ نے سکون کا سانس لیا۔

''تم نے تو میری جان ہی نکال دی۔'' وہ ریلیکس ہوا۔

''یہ اتنی سی بات نہیں ہے شاہ جی۔'' اس کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے۔

''ڈونٹ وری میں تمہیں ٹیسٹ یاد کروا دوں گا، اب یہ تمہاری ٹینشن نہیں ہے، چلو کھانا کھاؤ شاباش۔'' اس نے گڑیا کی پلیٹ میں

چاول نکالے، چمچ اس کے ہاتھ میں پکڑایا۔
''آپ واقعی میری تیاری کروا دیں گے نا؟'' اس کے گالوں پر آنسو ابھی تک پھسل رہے تھے۔
''شیور! میری میتھس بہت اچھی ہے، تمہیں پتا ہے نا، میں منٹوں میں تمہاری تیاری کروا دوں گا۔'' پھر دونوں نے کھانا کھایا، گڑیا نے اس کے ساتھ مل کر برتن سمیٹے۔
''تم جا کر بکس لے کر بیٹھو میں چائے بنا کر لاتا ہوں۔'' وہ بیڈروم میں چلی گئی تھی، ازمیر شاہ چائے بنا لایا تھا۔
''لیں جناب، چائے کے ساتھ ٹیچر حاضر ہے۔'' ازمیر شاہ نے اس کے ہاتھ سے بک اور فائل لی اور اسے سوال سمجھانے لگا، اس نے ہر مشق میں سے ایک سوال سمجھایا باقی سوال گڑیا کرتی رہی، ساتھ ساتھ چائے کی چسکیاں۔
''آپ بہت اچھے ہیں شاہ جی!'' اس کی تیاری مکمل ہوگئی تھی، وہ بے حد خوش اور ریلیکس تھی۔
''تم سے زیادہ نہیں۔'' وہ مسکرا دیا۔
''بس ایک وعدہ کرو مجھ سے۔'' ازمیر شاہ نے کہا۔
''کیا؟'' وہ اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔
''تم آئندہ کبھی روؤ گی نہیں، جو بات تمہیں پریشان کرے گی مجھ سے ڈسکس کرو گی، ہم مل کر اس کا Solution ڈھونڈ لیں گے۔'' اس کی بات پر وہ مسکرا دی تھی۔
''آپ کے ہوتے ہوئے مجھے بھلا کوئی پریشانی ہوسکتی ہے۔'' وہ ہنس دی۔
''اب آپ سو جائیں میں کیمسٹری کا ٹیسٹ یاد کرلوں۔'' اس نے کیمسٹری کی کتاب اٹھالی۔
''اس میں تو کچھ نہیں سمجھنا؟'' ازمیر شاہ نے استفسار کیا۔
''نہیں تھینکس۔'' وہ ازمیر شاہ کی طرف دیکھتے ہوئے مسکرا دی۔
''اوکے، مگر دیکھو تم بھی جلدی سو جانا، دیر تک جاگنے سے نظر خراب ہوتی ہے۔'' وہ سو گیا تھا، گڑیا اس کے سوئے ہوئے چہرے پر بار بار نظریں ڈالتی تھی، آج دل کی حالت عجیب سی تھی۔
''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے؟'' اس نے اپنے دل کو ڈانٹا اور کتاب کی طرف متوجہ ہوگئی، اسے پتا ہی نہ چلا وہ دوبارہ ازمیر شاہ کی طرف دیکھنے لگی۔
''یہ شخص میرا شوہر ہے، مگر اس نے کبھی مجھ پر کوئی حق نہیں جتایا، کسی قسم کی سختی یا جبر نہیں کیا، ایسا فرشتہ صفت انسان کوئی ہوگا بھلا۔'' اب وہ میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی، گزرتے وقت کے ساتھ وہ یہ کبھی نہ بھول سکی کہ ازمیر شاہ اس کا دولہا ہے۔

☆☆☆

''ٹیسٹ کیسا ہوا؟'' اسکول سے واپسی پر جب وہ اسے پک کرنے گیا تو اس کے گاڑی میں بیٹھتے ہی پوچھنے لگا۔
''بہت اچھا، تھینکس شاہ جی!'' اور ازمیر شاہ کو یاد آیا کچھ عرصہ پہلے تک جب وہ اس سے خوش ہوتی تو اس کا دایاں ہاتھ چوم کر آنکھوں سے لگالیتی، مگر اب وہ کافی بڑی ہوگئی تھی، اس لئے کچھ محتاط ہوگئی تھی۔
''ویلکم لٹل فرینڈ۔'' اس نے ہمیشہ کی طرح مسکرا کر کہا، مگر اس بار گڑیا نہیں مسکرائی تھی، ازمیر شاہ نے دیکھا جیسے جیسے وہ عمر کی منزلیں طے کر رہی تھی وہ مزید خوبصورت ہوتی جا رہی تھی۔
اس کی سفید اور گلابی رنگت، خوبصورت ستواں ناک، گہری اور موٹی سیاہ آنکھیں، چھوٹے چھوٹے گلابی ہونٹ اور تھوڑی پر سیاہ

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

تل، وہ قدرتی حسن کا مکمل شاہکار تھی۔
''کیا خیال ہے کھانا باہر کھائیں آج؟''
اس نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے موڑ کاٹا۔
''نہیں، تھک گئی ہوں، نیند بھی پوری نہیں ہوئی، سونا ہے مجھے۔'' اس نے انکار کیا۔
''اوکے۔'' اس نے گاڑی کی اسپیڈ بڑھا دی۔
''آج تو میں بھی تھک گیا ہوں۔''
''آپ اتنا کام کیوں کرتے ہیں؟'' گڑیا نے ایک نظر اس کے تھکن زدہ چہرے پر ڈالی۔
''تاکہ گڑیا بہت اچھا پڑھ لکھ کر ایک کامیاب لڑکی بن جائے۔'' گھر آ گیا تھا، وہ سیدھے بیڈ روم میں آ گئے۔
''آپ اپنی صحت کا خیال بھی رکھا کریں، کوئی ضرورت نہیں ہے خود کو اتنا کھپانے کی۔'' وہ چینج کرنے چلی گئی، واپس آئی تو دیکھا ازمیر شاہ اسی طرح جوتوں سمیت بیڈ پر لیٹ چکا تھا، اس نے آگے بڑھ کر اس کے جوتے اتارے۔
''ارے...... ارے لڑکی یہ کیا کر رہی ہو؟''
وہ فوراً سیدھا ہو بیٹھا تھا۔
''آپ کے جوتے اتار رہی ہوں۔'' وہ سکون سے بولی۔
''پلیز تم آئندہ میرے جوتوں کو ہاتھ مت لگانا۔'' اس نے اس کے دونوں ہاتھوں میں جوتے لے لئے، اور اس کو ہاتھ پکڑ کر اپنے مقابل بیٹھا لیا۔
''اس سے کیا فرق پڑتا ہے، آپ بھی تو میرا اتنا خیال رکھتے ہیں، پھر میرا بھی تو فرض......''
''نہیں، میرے جوتوں کو ہاتھ نہیں لگانا آئندہ۔'' اس نے سختی سے منع کیا اور اٹھ کر باہر چلا گیا، واپس آیا تو وہ سو رہی تھی۔
''کتنی بڑی ہو گئی ہو تم۔'' اس کے خوابیدہ چہرے کو ایک نظر دیکھنے کے بعد وہ وہیں کھڑا رہا۔
''یہ مجھے کیا ہو رہا ہے۔'' وہ سر جھٹک کر کھڑکی میں جا کھڑا ہوا۔
دل کا شور بہت بڑھنے لگا تھا، وہ باہر آ گیا۔
''آپ مرد ویسے کتنے خوش قسمت ہیں نا۔''
اس کے کان کے قریب سرگوشی ابھری۔
''کوئی پریشانی ہے تو اسے مٹانے کے لئے بہت سے مصنوعی سہارے ہیں، دل بہلانے کے لئے بہت سے سامان ہیں، سگریٹ ہو یا عورت، بات تو ایک ہی ہے، آپ کو خوش کرنے کے لئے وہ لمحہ لمحہ سلگتی ہے، پگھلتی ہے، جلتی ہے، ختم ہو کر راکھ ہو جاتی ہے اور آپ کی انا اور نفس کی تسکین ہوتی ہے، عورت کی حیثیت آپ مردوں کی زندگی میں ایک سگریٹ سے زیادہ نہیں ہوتی۔'' اس کے لبوں پر زخمی مسکراہٹ ابھری۔
''آ کر دیکھو زہرہ ایک لڑکی کا مستقبل بنانے کے لئے، اسے دکھوں سے بچانے کے لئے میں لمحہ لمحہ سلگ رہا ہوں، پگھل رہا ہوں، جل رہا ہوں، ختم ہو کر راکھ ہو رہا ہوں، آ کر دیکھو میرا وجود بھی آدھی جلی سگریٹ کی طرح ہے۔'' اس کے ہاتھ جانے کہاں سے سگریٹ کی ڈبیا لگ گی تھی، وہ ایک کے بعد دوسری سگریٹ پی رہا تھا۔

☆☆☆

شہروز احمر شاہ سو رہے تھے، اچانک موبائل کی آواز پر اٹھ بیٹھے۔
''اس وقت کس کا فون ہے؟'' انہوں نے کال اٹینڈ کی۔
''شاہ صاحب غضب ہو گیا۔'' دوسری طرف مراد کی گھبرائی ہوئی آواز ابھری۔
''کیا ہو گیا؟'' وہ بہت مضبوط اعصاب کے مالک تھے، جلدی گھبراتے نہیں تھے، ابھی بھی سکون سے بولے۔

''گودام میں آگ لگ گئی، سارا مال جل کر راکھ ہو گیا ہے۔'' مراد کی آواز آئی۔

''کیا ہوا شاہ صاحب؟'' بی بی جان اٹھ کر بیٹھ گئیں، انہوں نے دیکھا کہ شاہ صاحب کی پیشانی پر پسینے کے ننھے ننھے قطرے ابھر رہے تھے۔

''شاہ صاحب خیریت ہے نا؟'' انہوں نے کمبل ہٹایا اور اٹھ کر ان کے قریب آ بیٹھیں۔

''گودام میں آگ لگ گئی، سارا مال جل کر راکھ ہو گیا۔'' انہوں نے موبائل ایک طرف رکھا اور پیشانی کو اضطراب کے عالم میں پونچھا، بی بی جان کچھ نہ بولیں اور اٹھ کر واپس جا بیٹھیں۔

''خدا کی لاٹھی بے آواز ہے، وہ رحیم بھی ہے اور جبار بھی، آپ یہ کیوں بھول گئے۔'' ان کی طرف پشت کیے بیٹھی وہ سکون سے بول رہی تھیں۔

''میرا کروڑوں کا نقصان ہو گیا اور تم بجائے تسلی دینے کے......''

''میری گوڈ کو اجاڑ دیا، جگر چھلنی کر دیا، آپ کے رواجوں نے میری بیٹی کو نگل لیا، آپ کو تو صرف کروڑوں کا نقصان ہوا ہے شہروز احمر شاہ صاحب، مگر میرا انمول خزانہ بے مول اڑا دیا آپ نے، اور آج تک شرمندگی کا شائبہ تک نہیں دیکھا میں نے آپ کے چہرے پر، کس لئے تسلی، کیوں دوں تسلی؟'' وہ تو گویا پھٹ پڑیں۔

''خاموش ہو جاؤ سعیدہ۔'' وہ دھاڑے۔

''اونچا بول لینے سے آپ سچے نہیں ہو جائیں گے، میں کانٹوں پر لوٹ کر انگاروں پر چل کر وقت گزار رہی ہوں، بیٹی چلی گئی، بیٹا گھر چھوڑ گیا، مر کر بچھڑنے سے صبر آ جاتا ہے، زندہ بچھڑے تو پل پل امید بندھتی اور ٹوٹتی ہے، ملن کی آس ایک پل دل میں پیدا ہوتی ہے تو اگلے لمحے ختم ہونے لگتی ہے، کاش میں زوہرہ کے ساتھ ہی اس دنیا سے چلی جاتی۔'' وہ رونے لگی تھیں۔

''تمہارا بیٹا ایک نہ ایک دن میرے ہاتھ ضرور لگے گا اور میں اسے گولی مار دوں گا فوراً۔'' ان کا طنطنہ اور غرور ابھی بھی کم نہ ہوا تھا۔

''جس نے جان دی ہے وہی اس کی حفاظت بھی کرے گا، پہلے آپ کی سفاکیت ڈراتی تھی مجھے، اس خاندان کا بڑا رعب تھا میرے دل میں، اب سب ختم، آپ کو پتا ہے عورت ہر روپ میں ظلم، جبر سہہ لیتی ہے، زیادتی معاف کر دیتی ہے، مگر ممتا کے سینے کو چھلنی کیا جائے تو عورت برداشت نہیں کرتی، تڑپتی ہوئی ماں زخمی ناگن سے کم نہیں ہوتی، بہتر ہو گا آپ میرے سامنے اپنے نقصان کا ذکر نہ کیا کریں، میں تسلی تو کیا دوں گی میرے دل سے بددعائیں نکلتی ہیں۔'' کب کا جمع شدہ غبار انہوں نے نکال دیا تھا۔

''تو چلی جاؤ بیٹے کے پاس، کس نے روکا ہے؟'' وہ نفرت سے پھنکارے۔

''چلی جاؤں گی، جس دن پتا چلا وہ کہاں ہے؟'' وہ سکون سے بولیں، وہ لب بھینچے بیٹھے رہے پھر اٹھ کر باہر نکل گئے، سعیدہ شاہ دوبارہ لیٹ گئیں اور کمبل اوڑھ لیا۔

☆☆☆

وہ سو کر اٹھی تو ازمیر شاہ اسے کہیں نظر نہ آیا، چند ثانیے خاموشی سے چت لیٹی وہ چھت کو گھورتی رہی پھر اٹھ کر باہر آ گئی، ازمیر شاہ سامنے لاؤنج میں صوفے پر بیٹھا تھا۔

''شاہ جی!'' وہ تیزی سے اس کے قریب آئی تھی۔

''آپ...... آپ سموکنگ کر رہے تھے؟'' وہ اس کے پاس بیٹھ گئی تھی اور بغور اس کے

چہرے کو دیکھ رہی تھی۔

''تم اٹھ گئی؟'' اس کے سوال کو قصداً نظر انداز کر کے وہ پوچھنے لگا۔

''یہ میری بات کا جواب نہیں ہے۔'' اس نے اپنا ہاتھ ازمیر شاہ کے شانے پر رکھا تھا۔

''آپ سموکنگ کیوں کر رہے تھے؟'' ازمیر شاہ کو یقین ہو گیا تھا کہ وہ اب اسے نہیں بخشے گی۔

''او کے بابا! سوری آئندہ نہیں کروں گا۔'' اس نے ٹالنے کے انداز میں کہا۔

''آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا آپ کبھی سموکنگ نہیں کریں گے، آپ کو پتا ہے کتنا زیادہ گناہ ہوتا ہے سگریٹ پینے سے اور صحت بھی خراب ہوتی ہے۔'' وہ بڑے بوڑھوں کی طرح اسے نصیحت کر رہی تھی۔

''اچھا ہے مر جاؤں گا، جان چھوٹ جائے گی۔'' بے اختیار اس کے منہ سے نکلا تھا۔

''شاہ جی!'' وہ دکھ اور حیرت کے ملے جلے جذبات کا شکار ہو کر اس کی طرف دیکھ رہی تھی، ازمیر شاہ کو بھی اپنی غلطی کا احساس ہو گیا تھا۔

''آئی ایم سوری۔'' اس نے فوراً کہا، گڑیا ایک جھٹکے سے اٹھی اور اندر چلی گئی، ازمیر شاہ کو سخت شرمندگی نے آن گھیرا، وہ فوراً اٹھ کر اس کے پیچھے اندر آیا تھا، وہ فلور کشن پر گھٹنوں میں سر دیئے بیٹھی تھی۔

''گڑیا!'' وہ اس کے پاس بیٹھ گیا، اس کی آواز پر بھی اس نے سر اوپر نہیں اٹھایا تھا۔

''آئی ایم سوری، مجھے معاف کر دو، میں دوبارہ کبھی سموکنگ نہیں کروں گا پرامس۔'' اس نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھ کر اسے ہلایا۔

''مجھے آپ سے کوئی بات نہیں کرنی، آپ جائیں یہاں سے۔'' اس نے سر اوپر اٹھایا اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے۔

''میں نے پرامس کیا نا۔''

''آپ نے پہلے بھی پرامس کیا تھا اور پھر اب مرنے کی بات بھی کی، آپ جانتے ہیں نا میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے، پھر ایسی بات کیوں کی؟'' اس کی بات سن کر وہ ششدر رہ گیا۔

''پلیز مجھے معاف کر دو گڑیا! میرا مقصد تمہیں ہرٹ کرنا نہیں تھا، تمہیں پتا ہے نا میں تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں دیکھ سکتا، تم میری غلطی کی سزا مت دو مجھے اس طرح رو کر۔'' وہ سخت شرمندہ تھا۔

''آپ جانتے ہیں نا میرے سب رشتے آپ سے جڑے ہیں، میرے ماں باپ، دوست، عزیز رشتہ دار ایک بہت اچھے ٹیچر اور......اور میرے شوہر ہیں آپ۔'' اس نے اپنی روانی میں کہا کہ ازمیر شاہ حیران رہ گیا۔

''ہاں میں تمہارا دوست بھی ہوں اور ٹیچر بھی، سوری میں آئندہ ایسی کوئی بات نہیں کروں گا۔'' رفتہ رفتہ اس نے یہ بات سمجھ لی تھی، کہ وہ اپنے ماں باپ سے فی الحال نہیں مل سکتی، وہ اتنی اچھی بچی تھی کہ اس نے کبھی ازمیر شاہ کو تنگ بھی نہیں کیا تھا۔

''وعدہ کریں دوبارہ کبھی مرنے کی بات بھی نہیں کریں گے۔'' وہ یقین دہانی چاہتی تھی اور ازمیر شاہ کو یقین دلانا ہی پڑا۔

جب وہ لوگ یہاں آئے تھے، گڑیا بہت چھوٹی تھی، اس نے ازمیر شاہ کو سموکنگ کرتے دیکھا، وہ کھانس کھانس کر بے حال ہو گئی۔

''کیا ہوا گڑیا؟'' ازمیر شاہ اس کے قریب آیا۔

''یہ......اس سے۔'' اس نے اس کے ہاتھ میں پکڑے سگریٹ کی طرف اشارہ کیا۔

''اوہ آئے ایم سوری۔'' ازمیر شاہ نے فوراً سگریٹ کو ایش ٹرے میں مسل ڈالا۔

''لو پانی پیو۔'' وہ پانی لے آیا، بہت مشکل سے اس کا سانس بحال ہوا تھا، ازمیر شاہ کو ڈھیروں شرمندگی نے آن گھیرا، وہ خاموشی سے صوفے پر جا بیٹھا۔

''آپ دوبارہ سگریٹ نہ پینا۔'' وہ اس کے قریب آئی، ازمیر شاہ بغور اس کو دیکھ رہا تھا۔

''وعدہ کریں۔'' اس نے اپنا ہاتھ آگے کیا، ازمیر شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑ لیا۔

''پرامس۔'' اس نے مسکراتے ہوئے اس کا ننھا ہاتھ تھام لیا، آج اتنے عرصے کے بعد اسے سموکنگ کرتے دیکھ کر وہ اسے اس کا وعدہ یاد دلا رہی تھی۔

''سوری میں دوبارہ اپنا وعدہ نہیں توڑوں گا۔'' اس نے گڑیا کے سنجیدہ چہرے کو دیکھا۔

''اگر دوبارہ سموکنگ کی تو میں ناراض ہو جاؤں گی۔'' اس نے دھمکی دی جو کہ کارگر ثابت ہوئی۔

☆☆☆

اس کا میٹرک کا رزلٹ آ گیا تھا، اس نے بورڈ میں دوسری پوزیشن لی تھی وہ اور ازمیر شاہ بہت خوش تھے، اس نے اسے بہت ساری شاپنگ اور باہر لنچ کروایا تھا۔

''تھینکس گڑیا! تم نے مجھے خوش کر دیا۔''

''آپ کا شکریہ شاہ جی! یہ سب آپ کی وجہ سے ممکن ہوا۔'' اس نے ممنون نظروں سے اسے دیکھا، اسے خوش، آسودہ اور کامیاب دیکھ کر ازمیر شاہ کو ڈھیروں طمانیت کا احساس ہوا تھا۔

☆☆☆

''شاہ جی!'' وہ ایک فائل دیکھنے میں مصروف تھا جب گڑیا اس کے پاس آئی۔

''ہوں۔'' اس نے فائل سے نظریں اٹھائے بغیر مصروف سے انداز میں جواب دیا۔

''وہ مجھے کچھ کہنا تھا آپ سے۔'' وہ انگلیاں مروڑتی، اضطراری انداز میں بار بار چہرے پر آنے والی لٹوں کو کان کے پیچھے اڑستی تھی۔

''کہو۔'' ازمیر شاہ نے ابھی بھی نظریں فائل پر ہی مرکوز رکھیں۔

''آپ یہ فائل تو بند کریں نا۔'' اس نے کچھ خفا ہوتے ہوئے کہا۔

''لو ہو گئی بند فائل۔'' ازمیر شاہ نے فوراً فائل بند کی۔

''مجھے ایک بات کی اجازت لینی تھی آپ سے۔'' اس نے کچھ ڈرتے ڈرتے ازمیر شاہ کی طرف دیکھا۔

''کس بات کی؟'' وہ پوری طرح اس کی جانب متوجہ ہوا تھا۔

''میری فرینڈ ماریہ کا برتھ ڈے ہے، اس نے مجھے انوائیٹ کیا ہے۔'' قصداً بات ادھوری چھوڑ کر وہ اس کی طرف دیکھنے لگی تھی۔

''تو؟'' اس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے استفہامیہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا تو وہ الجھ گئی۔

''مجھے جانا ہے اس کے گھر۔'' بالآخر اسے کہتے ہی بنی۔

''اس کی میں تمہیں اجازت نہیں دے سکتا۔'' اس نے دوبارہ فائل کھول لی جس کا مطلب تھا کہ وہ مزید کوئی بات نہیں کرنا چاہتا۔

''کیوں، کیا میں کوئی قیدی ہوں؟'' اس کا موڈ بری طرح آف ہوا تھا۔

''یہی قید میں بھی تو کاٹ رہا ہوں۔'' اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی رقم تھی اور پیشانی پر

تفکر کی لکیروں کا جال بچھا ہوا تھا۔

''تو ختم کر دیں اس قید کو، کس نے مجبور کیا ہے، کب تک ہم یوں تنہا چھپ چھپ کر جئیں گے، دم گھٹنے لگا ہے میرا۔'' وہ گویا پھٹ پڑی تھی اور ازمیر شاہ اردگرد خطرے کی گھنٹیاں بجنے لگی تھیں، اسی دن کا اسے ڈر تھا اور وہ دن آ پہنچا تھا۔

''تمہیں ہزار بار بتا چکا ہوں ہمارے جانی دشمن اسی ملک میں، ہمارے اردگرد موجود ہیں، ہم اگر لوگوں سے زیادہ میل ملاپ بڑھائیں گے تو یہ ہمارے لئے خطرہ ہوگا، سمجھنے کی کوشش کرو۔'' اس نے تحمل کے ساتھ اسے سمجھانے کی کوشش کی، مگر آج وہ اس کی بات ماننے کے موڈ میں نہ تھی۔

''اس طرح چھپ چھپ کر جینے سے بہتر ہے ایک ہی مرتبہ مر جائیں۔'' وہ اس سے دور ہٹ کر بیٹھ گئی تھی۔

''کون لوگ ہیں جو ہماری جان کے دشمن ہیں، ہم تو کبھی کسی سے ملے بھی نہیں۔'' وہ خفگی سے منہ پھلا کر بولی۔

''ہیں کچھ لوگ گڑیا، تم ابھی چھوٹی ہو، نہیں سمجھ سکتی۔'' اس نے نرمی سے کہا۔

''میں چھوٹی نہیں ہوں اب، آپ مجھے بچوں کی طرح ٹریٹ کرنا چھوڑ دیں اور مجھے گڑیا مت کہا کریں، میرا نام شفق شاہ ہے، اسی نام سے بلایا کریں۔'' غصے سے پاؤں مارتی وہ اندر چلی گئی تھی۔

''تم واقعی بڑی ہوگئی، میں نے غور ہی نہیں کیا۔'' اس نے فائل بند کی اور صوفے کی پشت سے ٹیک لگا کر آنکھیں موند لیں۔

''کیا یہ مجھ سے بدگمان ہو رہی ہے، اسے لگتا ہے میں نے اسے قید کر رکھا ہے، اگر ایسا سوچنے لگی ہے تو خود اس کے لئے اچھا نہیں ہے، اگر یہ احساس محرومی کا شکار ہو رہی ہے تو یہ بہت غلط ہوگا، میری ساری محنت، ریاضت رائیگاں جائے گی۔'' وہ سوچ کر تانے بانے بننے لگا، کچھ سمجھ نہ آ رہا تھا کیا کرے۔

''آ جاؤ، کھانا کھا لو۔'' وہ اٹھ کر اندر گیا، وہ پاؤں صوفے کے اوپر کیے منہ پھلائے بیٹھی تھی، ازمیر شاہ نے قصداً اس کو گڑیا کہنے سے پرہیز کیا۔

''مجھے نہیں کھانا، آپ کھا لیں۔'' اس کی طرف دیکھے بغیر اس نے جواب دیا تھا، وہ چلتا ہوا اس کے سامنے آ رکا۔

''اکیلا کیسے کھاؤں؟'' وہ سوال کر رہا تھا، اس نے نظریں اٹھا کر دیکھا اور چند ثانیے دیکھتی رہی اس کے دل کی حالت عجیب ہو رہی تھی، وہ تو سراپا محبت سراپا خلوص تھا، اس کا کتنا خیال رکھتا تھا۔

''اتنی محبت ہے تو میری بات مان لیں۔'' وہ ناسمجھی میں کہہ گئی، ازمیر شاہ ہنس دیا۔

''جہاں ثابت کرنا پڑے، وہاں سمجھو محبت ہے ہی نہیں، ہاں وقت خود ثابت کر دیتا ہے سب کچھ، میں کچھ بھی نہیں کہوں گا۔'' وہ ہنوز سنجیدہ تھا۔

''میں نے کبھی آپ سے ضد نہیں کی، آپ جو کہتے ہیں، میں مان لیتی ہوں۔'' وہ ایک ٹرائی اور کرنا چاہتی تھی۔

''ٹھیک ہے چلی جانا، اب تو آ جاؤ، کھانا کھا لیں۔'' وہ بہت خوش ہوگئی تھی۔

''تھینک یو! آپ بہت اچھے ہیں۔'' وہ اٹھ کھڑی ہوئی اس کا مرجھایا ہوا چہرہ کھل اٹھا تھا، کھانا کھانے کے دوران ازمیر شاہ غیر معمولی طور پر سنجیدہ تھا، لیکن وہ اتنی خوش تھی کہ اس نے غور ہی نہیں کیا۔

☆☆☆

ناشتے کے بعد وہ آفس کے لئے تیار ہو رہا تھا جب اس کی نظر گڑیا پر پڑی، وہ بے فکری سے بیڈ پر بیٹھی تھی۔

''آج کالج نہیں جانا؟'' وہ خود پر پرفیوم اسپرے کرتا ہوا مڑا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے لاپرواہی سے جواب دیا۔

''تمہارے ایگزام بہت قریب ہیں، اسٹڈی کا حرج نہیں ہوگا؟'' وہ اس کے پاس آ کھڑا ہوا تھا۔

''ایک دن نہ جانے سے کچھ نہیں ہوگا۔'' اس نے آرام سے کہہ دیا، بس خاموشی سے اسے دیکھے گیا۔

''ہوگا تو بہت کچھ بٹ اینی ویز، کس ٹائم جانا ہے، بتا دو، میں آ جاؤں گا تمہیں ڈراپ کر دوں گا۔'' وہ لیپ ٹاپ اٹھا کر بیگ میں ڈالتے ہوئے بولا۔

''شاہ جی!'' وہ باہر نکل رہا تھا جب پیچھے سے اس نے آواز دی، اس نے مڑ کر استفہامیہ نظروں سے اسے دیکھا۔

''میرے پاس کوئی فنکشنل ڈریس نہیں ہے، سب سمپل سے ہیں تو......'' اس نے بات ادھوری چھوڑ دی۔

''او کے، ڈونٹ وری میں لے آؤں گا۔''

وہ باہر نکل گیا، گڑیا بے حد خوش تھی، فنکشن شام کے وقت تھا، دوپہر ٹائم ازمیر شاہ اس کے لئے شاپنگ کر لایا تھا، کپڑے، جوتے، ہلکی پھلکی جیولری اور کچھ لپ اسٹکس۔

''ڈریس تو بہت سمپل ہے۔'' اس نے نا چاہتے ہوئے بھی کہہ دیا۔

''سالگرہ کے فنکشن کے لئے ٹھیک ہے، مجھے تو ایسا ہی لگا۔'' وہ سنجیدگی سے بولا۔

''آپ مجھے بھی ساتھ لے جاتے۔'' اس نے کچھ جھجکتے ہوئے کہا۔

''اگر تمہیں ساتھ جا کر شاپنگ کرنی تھی تو مجھے صبح بتاتی، میں تمہیں پک کر لیتا۔'' اس کے پریشان چہرے پر ایک نظر ڈال کر وہ بولا۔

''صبح آپ اتنی جلدی میں تھے، کوئی بات سنے بغیر ہی چلے گئے۔'' اس نے الٹا سارا قصور اس کا بنا ڈالا۔

ازمیر شاہ کچھ دیر خاموشی سے اسے دیکھتا رہا، پھر گاڑی کی چابی اٹھائی اور باہر کی جانب بڑھا۔

''آ جاؤ، ہم دوسرا ڈریس لے لیتے ہیں۔'' گڑیا خوش ہوگئی تھی، مگر اسے تھوڑا برا بھی لگا کہ وہ اتنی تھکاوٹ میں اس کے لئے شاپنگ کر کے لایا تھا اور اس نے صاف کہہ دیا کہ ڈریس سمپل ہے۔

''میں یہی پہن لوں گی۔'' اس نے جانے سے منع کیا۔

''یہ بھی بہت پیارا ہے۔'' اسے شرمندگی ہونے لگی۔

''کم آن، اب آ جاؤ، کچھ نہیں ہوتا، زیادہ ٹائم نہیں لگے گا، ہم جلدی واپس آ جائیں گے۔'' وہ اس کے پاس آیا تھا۔

''آپ تھکے ہوئے ہیں۔''

''اتنا زیادہ نہیں۔'' اس نے سنجیدگی سے کہا، تو وہ سوٹ کو اٹھا کر شاپنگ بیگ میں ڈالنے لگی۔

''اسے تو رہنے دو'' اس نے منع کیا۔

''یہ واپس نہیں کرنا؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے ازمیر شاہ کی جانب دیکھا۔

''نہیں، ایسے اچھا نہیں لگتا، یہ بھی رکھ لو، پھر کبھی پہن لینا۔'' وہ خاموشی سے اس کے ساتھ آ

گئی، ازمیر شاہ اسے بہت بڑی بوتیک پر لے آیا، اس نے اچھی طرح گھوم پھر کر ڈریسز دیکھے۔

''میم آپ کے فادر بلا رہے ہیں۔'' وہ ڈریسز دیکھ رہی تھی جب ازمیر شاہ نے اسے بلایا وہ سن نہ سکی تو سیلز بوائے اسے بتانے آ گیا، اس نے اسے کوئی جواب نہ دیا اور ازمیر شاہ کے پاس آ گئی، پھر اس نے اپنی پسند سے ڈریس، سینڈلز، میچنگ جیولری اور لپ اسٹک خریدی۔

وہ تیار ہو کر بہت اچھی لگ رہی تھی، اس حلیے میں ازمیر شاہ نے اسے پہلے کبھی نہ دیکھا تھا، آج اس کے دل کی حالت عجیب سی ہو رہی تھی، اسے ڈراپ کرنے گیا تو نظریں بار بار اس کے چہرے کے گرد بھٹک رہی تھیں۔

☆☆☆

''ماما یہ میری بیسٹ فرینڈ ہے۔'' ماریہ اس کا ہاتھ پکڑے اسے اپنی ماما کے پاس لے گئی تھی۔

''السلام علیکم آنٹی!'' اس نے سلام کیا، ساتھ ہی ماریہ کے پاپا بھی کھڑے تھے، دونوں اس سے بہت خوشدلی سے ملے۔

''جیتی رہو بیٹا۔'' ماما نے اسے گلے لگا کر پیار کیا، پاپا نے سر پر ہاتھ پھیر کر اسے جواب دیا۔

''انجوائے یور سیلف بیٹا۔'' ماریہ اسے ساتھ لئے آگے بڑھ گئی، اسے اپنی کزنز سے ملوا رہی تھی، سرخ اور سرمئی رنگ کے امتزاج کے سوٹ میں وہ بے حد حسین لگ رہی تھی، ہلکا ہلکا میک اپ اور ساتھ نفیس جیولری اس کے حسن کو دو آتشہ بنا رہا تھا، اسے اپنی ایک کزن کے پاس چھوڑ کر ماریہ ماما کے پاس گئی تھی۔

''سائرہ تمہیں پھپھو بلا رہی ہیں۔'' ایک لڑکا آیا اور اس کو وہاں سے ہٹا دیا۔

''السلام علیکم!'' اب وہ شفق شاہ سے مخاطب تھا۔

''وعلیکم السلام!'' اس کی گہری سیاہ آنکھوں میں کچھ تحیر تھا، وہ لڑکا بہت بے باک نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا۔

''میں ارسم آفندی ہوں، ماریہ کا بڑا بھائی۔'' اس نے خود ہی اپنا تعارف کروا دیا جبکہ شفق شاہ نے صرف مسکرانے پر اکتفا کیا۔

''اور آپ شفق شاہ ہیں، ایم آئی رائٹ؟'' اس کی طرف انگلی سے اشارہ کرتے ہوئے وہ مسکرا کر بولتا ہوا بلاشبہ بہت ہینڈسم لگ رہا تھا۔

''جی!'' اس نے مختصراً جواب دیا۔

''ماریہ مجھ سے ہر وقت آپ کی باتیں کرتی رہتی ہے، جب بھی گھر آتا ہوں بس آپ کی باتیں...... میں مکینیکل انجینئرنگ کر رہا ہوں۔'' اس نے مزید تعارف کروایا، اب شفق شاہ کو الجھن ہونے لگی، اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی ماریہ کہیں نظر نہیں آ رہی تھی۔

''ویسے آپ کہاں سے آئی ہیں؟'' وہ مزید گویا ہوا اور یہاں شفق شاہ کے صبر کا پیمانہ لبریز ہونے لگا۔

''اسی دنیا سے۔'' اس نے کافی سختی سے جواب دیا۔

''ہاہاہا'' وہ ڈھٹائی سے ہنس دیا۔

''مجھے لگا پرستان سے آئی ہیں۔'' وہ حظ اٹھاتے ہوئے بولا، سامنے سے ماریہ آ رہی تھی، اس کا رکا ہوا سانس بحال ہوا، وہ تیزی سے اس کے پاس گئی۔

''کہاں چلی گئی تھی تم؟'' وہ گھبراہٹ چھپاتے ہوئے بولی۔

''کچھ نہیں یار، بس وہ ماما نے بلایا تھا تو......'' وہ اس کا ہاتھ پکڑ کر آگے بڑھ گئی، کچھ ہی دیر میں کیک کٹ گیا، سارا ٹائم وہ پریشان رہی

تھے کیونکہ دو آنکھیں مسلسل اس کا تعاقب کر رہی تھیں۔

☆☆☆

اس نے کئی کالز کیں مگر ازمیر شاہ نے ریسو نہیں کی، اب تو اسے گھبراہٹ ہونے لگی تھی۔

''ماریہ تم مجھے گھر ڈراپ کر دو۔'' بالآخر اس نے پریشان ہو کر کہہ دیا۔

''او کے میں ڈرائیور سے کہتی ہوں۔'' وہ مڑنے لگی تو اس نے ہاتھ پکڑ کر روکا۔

''میں اکیلی نہیں جاؤں گی، تم ساتھ جاؤ گی میرے۔''

''او کے بابا، ڈونٹ وری۔'' وہ چلی گئی اور دو منٹ بعد جب واپس آئی تو اس کی روح فنا ہونے لگی کیونکہ اس کے ساتھ اس کا بھائی تھا۔

''ارسم بھائی تمہیں ڈراپ کر دیں گے۔'' وہ مسکراتی ہوئی نظروں سے اسے دیکھ رہا تھا، وہ خاموشی سے ان لوگوں کے ساتھ جا کر گاڑی میں بیٹھ گئی، سارا راستہ ارسم آفندی بیک ویو مرر کو ٹھیک کرتا رہا، گھر کے سامنے گاڑی رکتے ہی اس نے اندر کی طرف دوڑ لگا دی، مروتاً بھی انہیں اندر آنے کو نہیں کہا۔

''شاہ جی!'' وہ بیڈ روم میں آئی تو دیکھا وہ بے سدھ لیٹا ہوا تھا، وہ تیزی سے آگے بڑھی۔

''شاہ جی آنکھیں کھولیں۔'' وہ زور زور سے اسے ہلا رہی تھی۔

''کیا ہوا گڑیا، تم آ گئی، کیسے آئی؟'' اس نے آنکھیں کھول کر حیران ہوتے ہوئے اسے دیکھا۔

''میں نے آپ کو اتنی کالز کیں ماریہ کے گھر سے، آپ نے ریسو نہیں کی، میں بہت زیادہ پریشان ہو گئی تھی، اس لئے ماریہ کے ساتھ آئی ہوں۔'' ازمیر شاہ نے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگالی اور بغور اس کو دیکھنے لگا۔

''تم بہت خوبصورت لگ رہی ہو آج۔'' نا چاہتے ہوئے بھی وہ کہہ گیا۔

''ایسا لگ رہا ہے جیسے کوئی پری پرستان کا راستہ بھول کر انسانوں کی دنیا میں آ گئی ہو۔'' وہ تعریف تو اس کی ہمیشہ ہی کرتا تھا، مگر آج انداز الگ تھا، اس کی آنکھیں لو دے رہی تھیں، اب شفق شاہ اتنی بھی بچی نہ تھی، کئی سالوں کا ساتھ تھا، اس کی رگ رگ سے واقف تھی۔

''میں...... میں چینج کر کے آتی ہوں۔'' وہ اٹھنے لگی تو ازمیر شاہ نے اس کا ہاتھ پکڑا۔

''نہیں تم میرے سامنے بیٹھی رہو، میں تمہیں دیکھتے رہنا چاہتا ہوں، یہ یقین کرنا چاہتا ہوں کہ تم میرے پاس ہو، میرے سامنے ہو، تم صرف میری ہو، شفق شاہ میں بہت اکیلا ہوں، یہ تنہائی، یہ خوساختہ جلاوطنی صرف تمہاری خاطر کاٹ رہا ہوں، اپنے سب رشتے اپنا گھر، بوڑھی اور دکھی ماں کو چھوڑ کر یہ چوروں سی زندگی گزار رہا ہوں تو صرف......'' اس کی آنکھوں کے پیغام وہ بہت اچھی طرح سمجھ رہی تھی، اس کے لئے کی گمبھیرتا آج کوئی اور ہی کہانی سنا رہی تھی۔

''آپ کو کیا ہو گیا ہے شاہ جی، کیسی باتیں کر رہے ہیں۔'' وہ روہانسی ہونے لگی، وہ پہلے ہی ماریہ کے بھائی کی وجہ سے پریشان تھی اور گھر آتے ہی یہ سب اس کے لئے ناقابل یقین تھا۔

''مجھے معاف کر دینا، میں خود سے کیے تمام عہد بھلا بیٹھا ہوں، بہت کوشش کی خود کو روکنے کی، دل کو بہت سمجھایا، مگر مجھے پتا نہیں چلا اور میں......'' شفق شاہ نے اپنا ہاتھ چھڑانے کی کوشش کی مگر وہ سعی لاحاصل ثابت ہوا، اس کی گرفت کسی آہنی شکنجے کی طرح تھی۔

''میرا ہاتھ چھوڑیں، مجھے جانے دیں شاہ

جی۔'' وہ رودی۔

''میں تم سے بہت محبت کرنے لگا ہوں، بے پناہ محبت، تمہارے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کرسکتا، کبھی بھی مجھے دھوکہ مت دینا۔'' اسے اڑنے کا طریقہ سکھا کر آزاد فضاؤں کی سیر کرا کر اب وہ اسے پنجرے میں قید کررہا تھا، محبت کے خوبصورت پنجرے میں اور چاہت کا آہنی تالا باہر لگارہا تھا۔

''آپ کو کیا ہوگیا ہے شاہ جی! آپ ایسے تو نہ تھے، آپ تو میرے دوست تھے، میرے محافظ تھے، پھر آج مجھے......'' وہ پھوٹ پھوٹ کررونے لگی تھی۔

''اوہ مائی گاڈ!'' اسی وقت جیسے وہ ہوش میں آیا تھا۔

''یہ میں نے کیا کردیا، کیا بول دیا۔'' اس نے شفق شاہ کا ہاتھ چھوڑ دیا، وہ روئے جارہی تھی ازمیر شاہ کے دل کو کچھ ہونے لگا تھا، اس نے اسے چپ کروانا چاہا مگر الفاظ نے ساتھ چھوڑ دیا، چند ثانیے وہ کھڑا اسے دیکھتا رہا، پھر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

شہروز احمر شاہ کے گودام میں آگ لگی تو سارا مال جل کر راکھ ہوگیا، زندگی میں پہلی بار وہ کسی بات سے پریشان ہوئے تھے، انہیں بے بسی کا احساس ہوا تھا، انہیں پتا چلا تھا کہ زندگی میں ہمیشہ حکم نہیں چلایا جاتا، فیصلے نہیں سنائے جاتے بلکہ کبھی کبھی قسمت ان جیسوں کو بھی اپنا فیصلہ سنا کر خاموشی سے آگے بڑھ جاتی ہے اور وہ خاموشی سے کھڑے ہاتھ ملتے رہ جاتے ہیں۔

''مراد!'' وہ پرسوچ نگاہوں سے سامنے دیکھ رہے تھے، سب ملازم ہاتھ باندھے سامنے کھڑے تھے۔

''جی سرکار!'' مراد دو قدم آگے آیا، سر ہنوز جھکا ہوا تھا۔

''جلد از جلد پتا لگواؤ اس بدبخت کا، جس نے ہمیں نقصان پہنچانے کی کوشش کی ہے، ہم اسے اپنے ہاتھوں سے گولی ماریں گے۔'' رسی جل گئی تھی مگر بل نہ گئے تھے۔

''جی سرکار! جو حکم آپ کا۔'' اس نے اثبات میں سرہلایا۔

''اور ایک بات اور سنو۔'' ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

''یہ ارباز شاہ اور اس کے بندوں پر خاص نظر رکھو، میرا وجدان کہتا ہے یہ حرکت اسی کی ہے۔'' سامنے سے ایس پی کی گاڑی آرہی تھی۔

''تم سب جاؤ اب۔'' ان کا حکم پاتے ہی مراد کے علاوہ سب وہاں سے چلے گئے تھے۔

☆☆☆

رات ہوگئی تھی مگر وہ بے مقصد آوارہ سڑکوں پر گھوم رہا تھا، اس کا ضمیر اسے بار بار کچوکے لگارہا تھا۔

''کیوں ہوئی مجھ سے یہ غلطی، کیسے میں جذبات میں آکر بہک گیا، کیا اب وہ مجھ پر اعتبار کرلے گی؟ مجھے معاف کرے گی؟'' اس کے دماغ پر سوالوں کی یلغار ہورہی تھی، کچھ سمجھ نہ آرہا تھا کہ کیا کرے، مگر بالآخر اسے گھر تو جانا تھا۔

گاڑی پورچ میں کھڑی کرکے وہ بیڈ روم میں آیا تھا، اندر تاریکی کا راج تھا، آگے بڑھ کر اس نے لائٹس آن کردی تھیں، شفق شاہ کو وہ جہاں چھوڑ کر گیا تھا وہ وہیں بیٹھی تھی، اس نے سائیڈ ٹیبل پر گاڑی کی والٹ رکھا اور کنکھیوں سے اس کی طرف دیکھا، شدت گریہ سے اس کی آنکھیں سوج گئی تھیں، ناک سرخ ہوگئی تھی، چہرہ بے رونق لگ رہا تھا، وہ بے حد

مضمحل اور اداس دکھائی دے رہی تھی۔
''گڑیا!'' آج بہت دنوں کے بعد اس نے اسے گڑیا کہہ کر پکارا تھا، اس کے وجود میں کوئی جنبش نہ ہوئی۔
''کھانا کھا کر آئی تھی تم؟'' وہ اس کے قریب بیٹھ گیا اور اس کی طرف دیکھنے لگا، مگر جواب ندارد۔
''میں جانتا ہوں تم مجھ سے بہت خفا ہو، لیکن پلیز ایک دفعہ میری بات تو سن لو، میرا مقصد تمہیں......''
''آپ کا مقصد میں اچھی طرح سمجھ گئی ہوں، آپ مجھے یہ احساس دلانا چاہتے تھے کہ آپ میرے شوہر ہیں، تو لیجئے میں حاضر ہوں جو چاہیں ستم ڈھائیں۔'' اس کے منہ سے اتنی بڑی بات سن کر وہ اس سے نظریں ملانے کے قابل نہ رہا تھا۔
''میں نے ہمیشہ آپ کو بیسٹ فرینڈ سمجھا، اپنا محافظ اور گارڈ، رشتے صرف آپ نے نہیں میں نے بھی کھوئے ہیں، اپنی اماں کی یاد مجھے آج بھی ستاتی ہے، مگر کبھی آپ کو تنگ نہیں کیا، تنہائیوں کے عذاب تو میں بھی جھیل رہی ہوں، آپ تو میرا واحد سہارا تھے، خدا کے بعد صرف آپ ہی تو تھے میرے......'' اس کا لفظ ''تھے'' از میر شاہ کے سینے میں تیر کی طرح پیوست ہو رہا تھا۔
''مگر آج یہ آخری سہارا بھی چھن گیا، بہت سے رشتے آپ سے جڑے تھے، سب چھین لئے آپ نے، مجھے تنہا کر دیا آپ نے از میر شاہ صاحب۔'' اس کا طرز تخاطب از میر شاہ کے لئے جان لیوا ثابت ہو رہا تھا، وہ گنگ بیٹھا اسے دیکھ اور سن رہا تھا، آج پہلی مرتبہ اس نے اس کا نام لیا تھا، لمحوں میں وہ اس سے کتنی دور چلی گئی تھی۔

''تم غلط رنگ مت دو میری بات کو، میں نے تم سے محبت کا اظہار کیا ہے، کیونکہ تم جانتی ہو میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں، کیا تم مجھ سے محبت نہیں کرتی؟'' وہ بات کو ختم کرنا چاہتا تھا، مگر وہ بہت بڑھ گئی تھی۔
''آپ نے بات غلط نہیں کی، آپ کا انداز غلط تھا، آپ نے مجھے یہ احساس دلایا ہے کہ میں ایک کمزور اور بے بس لڑکی ہوں، آپ ایک مضبوط اور طاقتور مرد ہیں۔'' اس کی باتیں از میر شاہ کو حیران کر رہی تھیں۔
''ہمارا رشتہ عام لوگوں سے بہت مختلف ہے، اعتبار، محبت، وفا، احساس، خلوص اور مروت کے دھاگوں میں پرویا ہوا، تمہیں یاد ہے ابھی چند سال پہلے کی بات ہے، تم جب میری کسی بات سے خوش ہوتی میرا ہاتھ پکڑ کر چومتی اور آنکھوں سے لگاتی تھی۔'' وہ اسے کیا سمجھانا چاہ رہا تھا، وہ اچھی طرح سمجھ رہی تھی۔
''اسی بات کا دکھ ہے کہ ہمارا رشتہ تو عام لوگوں سے بہت مختلف تھا، پھر آپ نے ایسا کیوں کیا، میرا اعتبار کیوں توڑا، مجھے جب کوئی پریشانی ہوتی، کوئی مسئلہ ہوتا آپ فوراً اس کو حل کر دیتے، مجھے آپ پر بہت اعتبار تھا، ایسا لگتا تھا زندگی میں جتنی بھی بڑی مشکل یا پریشانی آ جائے آپ اس کو فوراً حل کر دیں گے، مگر کیا کروں، اس بار مجھے آپ نے رولایا، آپ نے پریشان کیا، مجھے کون چپ کروائے گا؟'' وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی تھی۔
''مجھے معاف کر دو گڑیا، میرا ایسا کوئی مقصد نہ تھا، پلیز مت رو۔'' اور اس کے چپ کروانے سے وہ اور زیادہ رونے لگی تھی۔
''آپ بے فکر ہو جائیں، مجھے یاد ہے آپ میرے شوہر ہیں، میں یہ بات کبھی نہیں بھولتی نہ

ہی آپ کو دھوکہ دیتی، آپ کو ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔'' اس کی بات سن کر وہ ششدر رہ گیا۔

''ایسا مت کرو میرے ساتھ۔'' اس نے اس کے دونوں ہاتھ نرمی سے تھامے تو اس نے فوراً ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ چھڑوا لئے۔

''آپ چلے جائیں یہاں سے۔'' وہ زور سے چلائی۔

''مجھے اب آپ کی ہمدردیوں کی ضرورت نہیں ہے۔''

''لیکن میں تمہیں......''

''اگر آپ نہ گئے تو میں چلی جاؤں گی۔'' وہ اس کی بات کاٹ کر غصے سے بولی، چند ثانیے وہ کھڑا اسے دیکھتا رہا پھر اٹھ کر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

''ماریہ!'' وہ ارسم بھائی کے ساتھ کالج جا رہی تھی جب راستے میں اس نے اسے دیکھتے ہوئے محتاط انداز میں بات کا آغاز کیا۔

''جی بھائی!''

''شفق شاہ تمہاری دوست کب سے ہے؟'' وہ ونڈ اسکرین کے پار دیکھ رہا تھا جبکہ ماریہ نے نظریں بھائی کے چہرے پر جما دیں۔

''فائیو کلاس میں دوستی ہوئی تھی۔'' اس نے جھٹ جواب دیا۔

''آپ کیوں پوچھ رہے ہیں؟''

''ویسے ہی۔'' اس نے مسکرا کر بہن کی طرف دیکھا۔

''اچھی لڑکی ہے۔'' وہ سرسری انداز میں کہہ کر ماریہ کے تاثرات جانچنے لگا۔

''ہاں اور بہت خوبصورت بھی، میں کبھی کبھی مذاق میں کہہ دیتی ہوں دل کرتا ہے تمہیں بھابھی بنا لوں۔'' وہ ہنس کر بتا رہی تھی۔

''اچھا تو وہ کیا کہتی ہے؟'' وہ اشتیاق سے پوچھنے لگا۔

''بہت خفا ہوتی ہے، اب میں نے کہنا چھوڑ دیا ہے۔'' وہ ہنس دی۔

''ویسے تم چاہو تو وہ تمہاری بھابھی بن سکتی ہے۔'' ارسم نے معنی خیزی سے اس کی طرف دیکھتے ہوئے کہا تو وہ کھل اٹھی۔

''رئیلی؟'' اسے یقین نہ آیا۔

''آپ کو شفق واقعی اچھی لگتی ہے؟'' وہ بہت ایکسائٹڈ ہوگئی تھی۔

''ہاں، مگر ابھی تم یہ بات اس سے یا ماما پاپا سے مت کہنا، ابھی صرف یہ معلوم کرو کہ کہیں وہ انگیجڈ وغیرہ تو نہیں۔''

''توبہ ہے بھائی آپ کو تو واقعی First sight love ہوگیا، میری دوست ہے ہی اتنی پیاری۔'' پھر دونوں ہنس دیئے تھے۔

☆☆☆

ازمیر شاہ نے رات لاؤنج میں صوفے پر بیٹھ کر گزاری تھی، نماز پڑھ کر وہ کچن میں چلا گیا تھا، ناشتہ بنا کر وہ ٹرے اٹھائے بیڈروم میں آیا تھا۔

''جاؤ، فریش ہو کر آجاؤ ناشتہ کرتے ہیں۔'' وہ اپنے ہمیشہ والے دوستانہ انداز میں بات کر رہا تھا، کل رات کی کسی بات کا شائبہ تک نہ تھا اس کے چہرے پر۔

''بھوک نہیں ہے۔'' وہ گہری سنجیدگی لہجے میں سموئے بولی تھی۔

''ناشتہ کرلو، کالج کا ٹائم ہو رہا ہے۔'' وہ اس کے سامنے بیٹھ گیا اور ٹرے درمیان میں رکھ دی۔

''مجھے کالج نہیں جانا۔'' اس کی آواز رونے کی وجہ سے بھاری ہو رہی تھی۔

''اوکے مت جاؤ، لیکن ابھی تمہیں مجھ سے بہت ساری لڑائی بھی کرنی ہے، تو اس کے لئے انرجی ہونا بہت ضروری ہے۔'' وہ بغور اس کے چہرے کو دیکھ رہا تھا، اس کا یہ شکستہ انداز، بے ترتیب حلیہ، سوجی ہوئی آنکھیں اور خفا خفا لہجہ از میر شاہ کو شرمندگی کے ساتھ ساتھ پچھتاوؤں کی دلدل میں پھینک رہا تھا۔

''مجھے لڑائی نہیں کرنی آپ سے از میر شاہ!'' وہ اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اجنبی انداز میں کاٹ دار لہجے میں بولی۔

''لڑائی تو اپنے جیسوں سے کی جاتی ہے، آپ تو بہت طاقتور ہیں اور میں ٹھہری کمزور اور بے بس لڑکی، کیا بگاڑ سکتی ہوں آپ کا؟'' وہ طنزیہ لہجے میں بولی۔

''کون سے ظلم کے پہاڑ توڑ دیئے ہیں میں نے تم پر جو اس طرح سے ری ایکٹ کر رہی ہو، اپنے لہجے الفاظ اور رویے پر غور کرو اور مجھے بتاؤ کیا تم ٹھیک کر رہی ہو میرے ساتھ؟''

وہ ایک میچور مرد تھا، مگر اس چھوٹی سی لڑکی نے اسے پریشان کر دیا تھا۔

''جو آپ نے کیا وہ ٹھیک تھا؟'' اس نے دوبدو سوال کر دیا۔

''میں نے کچھ غلط نہیں کیا۔'' اس نے اسے تپا دیا، مگر وہ غصہ دبا کر سنجیدگی سے بولا۔

''اونہہ۔'' اس نے سر جھٹکا۔

''مرد ہیں نا، بھلا کیوں غلطی مانیں گے۔''

وہ استہزائیہ انداز میں بولی اور اس سے دور ہو کر بیٹھ گئی۔

''میں نے کل دوپہر بھی کچھ نہیں کھایا تھا، رات بھی طبیعت ٹھیک محسوس نہیں ہو رہی تھی اس لئے کھانا کھائے بغیر یہاں آ کر لیٹ گیا تو آنکھ لگ گئی تھی، مجھے بھوک لگی ہے، جاؤ تم فریش ہو کر آؤ، چائے ٹھنڈی ہو رہی ہے۔'' وہ مصالحت آمیز انداز میں بولا۔

''آپ کھالیں، میری فکر مت کریں، مجھے جب بھوک لگی تو کھالوں گی، رات بہت کچھ کھالیا تھا، ابھی تو بھوک نہیں ہے۔'' وہ مسلسل طنز کے نشتر چھوڑ رہی تھی اور از میر شاہ صبر اور برداشت کے سوا کچھ نہ کر سکتا تھا، جانتا تھا اس پر اس وقت ذرا سی سختی اسے مزید اس سے دور کرے گی، وہ اور زیادہ بدگمان ہو جائے گی۔

''تو ٹھیک ہے جب تمہیں بھوک لگے گی مل کر کھالیں گے۔'' اس نے ٹرے اٹھا کر اس طرح کچن میں رکھ دیا تھا، اس کے بعد سارا دن دونوں نے کوئی بات نہ کی تھی۔

☆☆☆

شہروز احمر شاہ نے اپنے گودام میں لگنے والی آگ کا ذمہ دار ارباز شاہ کو ٹھہرایا اور اس کے خلاف رپورٹ درج کروادی۔

''سمجھتا کیا ہے خود کو، پہلے کیا کم نقصان کیے تھے میرے جو اب یہ کر دیا، چھوڑوں گا نہیں۔'' وہ بے چینی میں ادھر سے ادھر ٹہل رہے تھے، سعیدہ شاہ خاموش بیٹھیں تسبیح پڑھ رہی تھیں، ساتھ ہی گاہے بگاہے ان پر بھی نظر ڈال لیتیں۔

''مراد تم ابھی ڈیرے پر پہنچو میں بھی آ رہا ہوں۔'' وہ باہر کی جانب بڑھے ان کی آنکھوں میں عجیب سی چمک تھی۔

اس رات ارباز شاہ خواب خرگوش کے مزے لے رہا تھا اور اس کی تیار کھڑی فصلوں سے لپٹے آگ کے شعلے آسمان سے باتیں کر رہے تھے، رواجوں نے سب کچھ لوٹ لیا تھا، ریتیں جیت گئی تھیں اور بیٹیاں، نسلیں اور فصلیں جل رہی تھیں، راکھ ہو رہی تھیں۔

☆☆☆

پورا دن گزر گیا تھا، نہ ہی دونوں نے کچھ کھایا، نہ آپس میں بات کی، وہ باہر نہ نکل رہی تھی اور ازمیر شاہ کمرے میں نہیں آیا، وہ لان میں ٹہل رہا تھا، وہ جتنا شفق شاہ کے رویے پر غور کرتا الجھتا جاتا۔

''کیا کروں ایسا کہ وہ مجھ پر اعتبار کرنے لگے، مجھے معاف کر دے اور اگر اس نے مجھے معاف نہ کیا تو......'' اس سے آگے سوچتے ہوئے بھی اسے ڈر لگتا تھا۔

''کہیں میری ساری محنت اکارت نہ جائے، میں جو اسے پر اعتماد اور کامیاب لڑکی بنانا چاہتا تھا، کہیں میری وجہ سے ہی وہ بے اعتباری کا شکار نہ ہو جائے۔'' سر جھکائے وہ مسلسل ٹہل رہا تھا، شلوار قمیض میں وہ بہت اچھا لگ رہا تھا۔

شفق شاہ نے کپڑے چینج کیے اور کھڑکی میں آ کھڑی ہوئی، اس کی نظریں لان میں ٹہلتے ازمیر شاہ کے لمبے چوڑے سراپے سے الجھ گئیں، بلاشبہ وہ بہت گریس فل پرسنالٹی کا مالک تھا، اپنی عمر سے بھی کئی سال چھوٹا نظر آتا تھا۔

''آہ!'' اچانک اس کے منہ سے ایک سسکاری نکلی تھی، وہ آج پہلی بار اسے بہت غور سے دیکھ رہی تھی، یا شاید دیکھا تو بہت بار تھا مگر اس نظر سے نہیں، شانوں پر پھیلی چادر اسے بہت باوقار بنا رہی تھی، جو چیز اس کے چہرے پر بہت واضح ہوتی تھی ہمیشہ، وہ تھی نرم اور دوستانہ سا تاثر، جو اس وقت غائب تھا، اس کی جگہ پریشانی نے لے لی تھی۔

''کاش آپ ایسا نہ کرتے، رات جو ہوا وہ نہ ہوتا۔'' وہ پر ملول نگاہوں سے اسے دیکھ رہی تھی۔

''کتنا دور کر دیا آپ نے مجھ سے خود کو۔'' ٹہلتے ٹہلتے وہ یکدم رک گیا، دور سے بھی شفق شاہ دیکھ سکتی تھی کہ اس کا تنفس بہت تیز ہو رہا تھا۔

''انہیں کیا ہوا؟'' اسے تشویش ہونے لگی، اچانک اس نے دل پر ہاتھ رکھا، خود کو سنبھالنے کی کوشش میں ناکام وہ زمین پر گر چکا تھا۔

''شاہ جی!'' وہ اندھا دھند باہر کی طرف بھاگی۔

''شاہ جی کیا ہوا آپ کو؟'' چند سیکنڈز میں وہ اس کے پاس پہنچ گئی تھی۔

''میرے...... موبائل...... میں...... بہر...... رو......ز...... کا......'' اس سے آگے وہ کچھ نہ بول سکا اور بے ہوش ہو گیا۔

''شاہ جی آنکھیں کھولیں پلیز۔'' اس کا سر اٹھا کر اس نے گود میں رکھ لیا، وہ زارو قطار رو رہی تھی۔

''کیا کروں؟'' اس کے دماغ میں جھماکہ ہوا۔

''ماریہ۔'' وہ اسے وہیں چھوڑ کر اندر بھاگی، ازمیر شاہ کے موبائل میں مسڈ کالز نکالیں، رات وہ اس کے نمبر پر کال کرتی رہی تھی۔

''ہیلو ماریہ!'' وہ سسک اٹھی۔

''پلیز ہیلپ می میرے شاہ...... جی...... کو پتا نہیں کیا ہو گیا، انہیں ہاسپٹل لے جاؤ، پلیز میں اکیلی ہوں، کچھ نہیں کر سکتی۔'' وہ رو دی۔

''اوکے، ڈونٹ وری ہم آتے ہیں۔'' ماریہ کے بھائی نے جواب دیا، وہ موبائل وہیں رکھ کر بھاگ کر باہر آ گئی تھی۔

''میرا آپ کے سوا کوئی نہیں ہے، میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں، مجھے تنہا چھوڑ کر مت جایئے گا۔'' وہ اس کا سر گود میں رکھ کر مسلسل رو رہی تھی، دو منٹ میں دور سے ایمبولینس کی آواز آنے لگی تھی، گاڑی ان کے گھر کے سامنے رکی

تھی۔

''سائیڈ پر ہو جائیں محترمہ۔'' سبز یونیفارم پہنے ہوئے آدمی نے اسے کہا، وہ جلدی سے سائیڈ پر ہو گئی، وہ تین لڑکے تھے، انہوں نے از میر شاہ کو اٹھا کر اسٹریچر پر ڈالا۔

گاڑی میں بیٹھی وہ مسلسل آنسو بہا رہی تھی، جتنی دعائیں یاد تھیں پڑھ رہی تھی، نظر ایک لمحے کے لئے اس کے چہرے سے نہ ہٹا رہی تھی۔

☆☆☆

''کمینگی اور گھٹیا پن کی انتہا کر دی ہے شہروز شاہ نے۔'' ارباز شاہ کی ساری فصلیں جل کر راکھ ہو گئی تھیں، وہ طیش کے عالم میں اِدھر سے اُدھر چکر لگا رہے تھے۔

''آپ کو کیسے پتا کہ یہ کام ان کا ہی ہے۔'' زرمینہ نے ڈرتے ڈرتے سوال کیا۔

''کیونکہ میں تمہاری طرح کم عقل نہیں ہوں۔'' وہ غصے سے دھاڑے تو وہ سہم گئی۔

''مجھے یقین ہے یہ کام اس کے علاوہ کوئی اور نہیں کر سکتا۔'' ان کا بس نہ چل رہا تھا کہ اسی وقت جا کر شہروز شاہ کو گولی مار آئیں۔

''میں اسے اندر نہ کرواؤں تو میرا نام بھی ارباز شاہ نہیں۔'' وہ غصے سے پاؤں مارتے باہر نکل گئے۔

''یا اللہ رحم کر ہم کے کب تک یہ دشمنیاں نبھائیں گے، کیسے بے حس ہیں دونوں اولادوں کی جدائی بھی ان کا غرور نہ توڑ سکی، یا اللہ میری گڑیا کو اپنی حفظ و امان میں رکھنا۔'' وہ رب سے فریاد کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

ارسم ہاسپٹل کے گیٹ پر اس کا انتظار کر رہا تھا، جیسے ہی ایمبولینس پہنچی وہ تیزی سے اس کے قریب آیا، اسٹریچر اندر لے جایا جا رہا تھا، وہ دونوں بھی ساتھ تھے، ایمرجنسی کے دروازے سے اسے اندر نہیں جانے دیا۔

''میرے خدا!'' وہ دیوار کو ٹیک لگائے مسلسل رو رہی تھی۔

''کیا ہو گیا آپ کو شاہ جی؟'' اس کے آنسو تھمنے کا نام نہ لے رہے تھے۔

''ہمت سے کام لیں، انشاء اللہ، اللہ بہتری کرے گا، وہ ٹھیک ہو جائیں گے۔'' ارسم نے اسے تسلی دیتے ہوئے کہا۔

''اگر انہیں کچھ ہو گیا تو میں مر جاؤں گی، میرا ان کے سوا اور کوئی نہیں ہے۔'' اس نے جیسے خود کلامی انداز میں کہا تھا، ساتھ ہی اس کے آنسوؤں میں روانی آ گئی تھی، ارسم کو اس پر بہت ترس آیا تھا۔

''ڈونٹ وری وہ ٹھیک ہو جائیں گے اور آپ اکیلی نہیں ہیں، میں اور ماریہ بلکہ ماما پاپا بھی آپ کے ساتھ ہیں۔'' ارسم نے اس کی سوجی آنکھوں اور خوفزدہ چہرے کو بغور دیکھا، کچھ ہی دیر میں اندر سے ڈاکٹر نکلا تھا۔

''ایکسکیوزمی!'' وہ تیزی سے اس کے قریب گیا۔

''کیا ہوا ہے ہمارے پیشنٹ کو؟'' اس نے ڈاکٹر سے پوچھا۔

''شدید ٹینشن کی وجہ سے انجائنا کا اٹیک تھا۔'' اور یہ الفاظ شفق شاہ کے سینے میں تیر کی طرح پیوست ہو گئے تھے، اس کی دھڑکنیں تھم گئی تھیں۔

''ایسا نہیں ہو سکتا۔'' اس کے لبوں نے بے آواز جنبش کی، ارسم تیر کی سی تیزی سے اس کے قریب آیا تھا۔

''بلیو می انہیں کچھ نہیں ہو گا، آپ حوصلہ رکھیں۔'' اور وہ حوصلہ اور ہمت ہار بیٹھی تھی، جی بھر

کر روئی، تمام رات وہ اسے تسلیاں دیتا رہا، ماریہ سو رہی تھی اس لئے اس نے اسے جگانے میں وقت ضائع نہیں کیا اور اکیلا ہی چلا آیا۔
اگلے دن وہ ماریہ کو ساتھ لے آیا تھا، وہ اس کے گلے لگ کر خوب روئی تھی۔
''پاگل لڑکی کچھ نہیں ہوگا انکل کو۔'' اس نے پیار سے اسے ڈپٹا۔
''بھائی آپ گھر چلے جائیں۔'' ماریہ نے بھائی کے تھکن زدہ چہرے کو دیکھتے ہوئے کہا۔
''نہیں میں ٹھیک ہوں۔'' اس نے شفق شاہ کی طرف دیکھا۔
''میرا خیال ہے تم شفق کو گھر لے جاؤ، یہ ریسٹ کرلیں اور ناشتہ بھی، کچھ دیر بعد واپس آ جائیں۔'' اس نے شفق کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
''میں یہاں سے کبھی نہیں جاؤں گی۔'' اس نے فوراً سے پیشتر کہا۔
''جب تک وہ ٹھیک نہ ہو جائیں۔''
''اوکے، میں ناشتہ لا دیتا ہوں آپ......''
''نہیں، جب تک شاہ جی کو ہوش نہیں آتا، وہ ٹھیک نہیں ہو جاتے میں کیسے کچھ کھا سکتی ہوں، ویسے بھی میں ان کے بغیر نہیں کھاتی۔'' وہ مسلسل انکار کر رہی تھی، دو دن وہ ہاسپٹل میں رہے اور ماریہ نے حق دوستی خوب نبھایا اور ارسم بھی مسلسل ساتھ رہا، ماما اور پاپا بھی آئے اور اسے تسلی دی، ڈھارس بندھائی، وہ ماریہ اور اس کی فیملی کی بے حد ممنون تھی۔

☆☆☆

وہ ہاسپٹل سے ڈسچارج ہو گیا تھا، اس نے کال کر کے اپنے دوست بہروز خان کو بلایا تھا، دونوں اس وقت اس کے بیڈ روم میں تھے۔
''ہلکا سا ہارٹ اٹیک تھا بہروز، مگر اس نے مجھ ڈرا دیا ہے۔'' وہ چائے لے کر اندر آ رہی تھی۔
''تم اپنی صحت کا خیال رکھا کرو یار۔'' وہ اسے دیکھتے ہوئے فکر مندی سے بولا۔
''بہروز اگر مجھے کچھ ہو گیا تو شفق کا کیا بنے گا، بابا جان تو اس کی اور میری جان کے دشمن ہیں، مجھے یقین ہے وہ آج بھی ہمیں ڈھونڈ تے ہوں گے۔'' وہ ٹھٹک کر دروازے پر ہی رک گئی۔
''میں ڈرتا ہوں میرے بعد شفق ان کے ہاتھ نہ لگ جائے۔''
''ہو سکتا ہے اتنے سالوں میں تمہاری جدائی نے سوچ بدل ڈالی ہو۔'' اس نے اپنا خیال ظاہر کیا۔
''تم نہیں جانتے ہمارے خاندان کو جو سوچ صدیوں میں اتنے بڑے بڑے نقصان کروا کر نہیں بدلی وہ میری چند سالوں کی جدائی کیسے بدل سکتی ہے۔'' اس کی باتوں نے جہاں اسے الجھایا وہیں وہ سخت شرمندہ بھی ہوئی کہ وہ اس کے لئے اتنا فکر مند رہتا ہے اور اس نے اس پر کیسے الزام لگائے، اسے اتنا ہرٹ کیا، سوچ کر ہی اسے شرم آ رہی تھی۔
بہروز خان کچھ دیر بعد چلا گیا تھا، وہ کمرے میں آئی اور سیدھی وارڈ روب میں جا گھسی۔
''کیا آپ کا ہم سے پردہ چل رہا ہے؟'' وہ آواز سن کر مڑی اور دھیرے دھیرے چلتی ہوئی اس کے پاس آ بیٹھی۔
''میں آل ریڈی بہت شرمندہ ہوں، مجھے مزید شرمندہ مت کریں۔'' وہ نگاہیں جھکائے بیٹھی تھی۔
''میرا مقصد تمہیں شرمندہ کرنا نہیں تھا، آئی ایم سوری۔'' اس نے فوراً معافی مانگی تھی۔
''مجھے معاف کر دیں شاہ جی! میں نے آپ سے بہت بدتمیزی کی، دراصل میں پہلے ہی کچھ

پریشان تھی اوپر سے۔''
''تم نے واقعی مجھے ہرٹ کیا ہے، مگر میں تم کو معاف کرتا ہوں، کبھی بھی مجھ سے بدگمان ہونے سے پہلے یہ ضرور سوچ لینا کہ..... '' وہ پل بھر کو رکا تھا۔
''حوا نے غلطی کی تھی اور آدم کو جنت سے نکال دیا گیا، وہ جنت سے دور ہو گئے اور شفق شاہ میں بھی حوا کی ایک بیٹی کی خاطر اپنی جنت چھوڑ آیا ہوں، کبھی پلٹ کر نہیں دیکھا۔'' اس کی آواز بھرا گئی۔
''میری ماں بہت دکھی عورت ہے شفق شاہ، شاید حویلی کی ہر عورت ہی دکھی ہے، مجبور اور بے بس ہے، کبھی کبھی دل اتنا مچلتا ہے ان سے بات کرنے کو کہ رگیں ٹوٹنے لگتی ہیں، مگر جانتا ہوں ایک فون کال بھی تمہارے لئے موت کا پروانہ بن سکتی ہے، اس لئے خود پر جبر کیے ہوئے ہوں۔'' اس نے گمبھیر لہجے میں کہا۔
''میں جانتی ہوں میں نے بہت بدتمیزی کی ہے آپ سے، آپ بہت اچھے ہیں، میں بہت بری ہوں، مجھے ڈانٹیں، ایسے پیار سے بات نہ کریں۔'' اس کا ہاتھ پکڑ کر اس نے آنکھوں سے لگایا تو ازمیر شاہ کو اندر تک سکون اترتا ہوا محسوس ہوا تھا، اسے اس کی گڑیا واپس مل گئی تھی۔
''میری وجہ سے آپ کی اتنی طبیعت خراب ہوئی، اس بات کے لئے میں خود کو بھی معاف نہ کروں گی۔'' وہ اس سے نظریں نہ ملا پا رہی تھی۔
''میری طبیعت آل ریڈی خراب تھی، تم دل پر مت لو۔'' اس نے اسے ریلیکس کرنا چاہا۔
''آپ کے لئے سوپ بنایا ہے، میں لے کر آتی ہوں۔'' وہ کچن میں چلی گئی، کچھ ہی دیر میں اس کی واپسی ہوئی۔
''یا اللہ، آج معدے کی خیر نہیں، تمہارے ہاتھوں کا سوپ پینا ہے۔'' وہ شرارت آمیز سنجیدگی سے بولا۔
''ہاں تو کس نے کہا تھا مجھے بگاڑیں، کیوں نہیں سیکھنے دیئے مجھے کچن کے کام۔'' وہ بھی جواب میں شرارت سے بولی۔
''اب تو تم بگڑ چکی۔'' وہ لطف لیتے ہوئے بولا۔
''تو سنوار دیں نا۔'' وہ بھی کب پیچھے رہنے والی تھی۔
''تم اپنے لئے بھی چمچ لے آؤ۔'' اس نے ایک چمچ دیکھ کر اسے کہا۔
''مل کر پیتے ہیں۔''
''میرا موڈ نہیں ہے۔'' اس نے انکار کیا۔
''تو ٹھیک ہے، پھر رکھ دو ابھی، جب تمہارا موڈ ہوا میں بھی تب ہی پیوں گا۔'' اس نے چمچ واپس رکھا۔
''آپ ضدی ہوتے جا رہے ہیں۔'' اس نے آنکھیں نکالیں، وہ ہنس دیا۔
''تمہاری محبت کا اثر ہے۔'' وہ کچن سے چمچ اٹھا لائی اور اس کے ساتھ سوپ لینے لگی۔

☆☆☆

''ماریہ تمہیں نہیں لگتا کہ ہمیں شفق کے پاپا کی عیادت کے لئے جانا چاہیے؟'' ان کی فائنل ایگزیمز کی ڈیٹ شیٹ آ گئی تھی، ماریہ اپنے کمرے میں تھی اور پڑھ رہی تھی جب اس کے پاس آیا۔
''کچھ زیادہ ہی نہیں فکر ہو رہی آپ کو انکل کی؟'' وہ مسکراہٹ دبا کر بولی۔
''ہاں تو کیا حرج ہے۔'' وہ سر کھجانے لگا۔
''آخر کو ہونے والے سسر صاحب ہیں۔'' وہ اسے چھیڑ رہی تھی۔
''ماریہ تمہیں لگتا ہے کہ انکل ہمارے رشتے کے لئے مان جائیں گے؟'' وہ اس سے سوال کر

رہا تھا۔
''بظاہر انکار کی کوئی وجہ نظر تو نہیں آتی، ہم کس طرح بھی ان سے کم نہیں ہیں، مگر بھائی ایک بات ہے۔'' اس نے بک بند کی۔
''کیا؟'' اس نے استفہامیہ نظروں سے بہن کی طرف دیکھا۔
''کبھی کبھی شفق کا رویہ مجھے الجھ دیتا ہے۔'' وہ پین کو بک پر گھمانے لگی۔
''کیسے؟'' وہ بے صبری سے بولا۔
''شفق نے کبھی اپنے کسی رشتہ دار کی کوئی بات نہیں کی، نا ہی مجھے ایسا کبھی فیل ہوا کہ وہ لوگ کہیں آتے جاتے ہوں، یا کسی سے ملتے ہوں۔''
''تو اس میں عجیب کیا ہے، کچھ لوگ ہوتے ہیں ایسے، زیادہ سوشل نہیں ہوتے، Its not a big essue۔'' اس نے جھٹ سے کہا۔
''ہاں جی، آپ کے لئے ایشو ہیں ہے، آپ کا اس پر دل جو آ گیا ہے۔'' وہ اب پھر شرارت پر آمادہ تھی۔
''ہاں آگیا ہے دل، تمہیں کوئی اعتراض؟'' وہ ڈھٹائی سے ہنستے ہوئے بولا جواب میں وہ بھی ہنس دی۔
''مجھے بھلا کیوں اعتراض ہوگا، اللہ کرے کسی اور کو بھی نہ ہو، آپ دونوں ہی مجھے بہت عزیز ہیں۔'' اس نے محبت پاش نظروں سے اکلوتے بھائی کو دیکھا تھا۔
''تھینک یو سسٹر!'' اس نے اٹھتے ہوئے کہا اور چپت اس کے سر پر رسید کی۔
''ایسے ہی میرا ساتھ دیتی رہنا، اچھی بہنوں کی طرح۔'' وہ باہر کی جانب بڑھتا۔
''بہت خار دار راستے چن لئے ہیں آپ نے، میں ہمیشہ آپ کی دائمی خوشیوں کے لئے دعا گو رہوں گی۔'' اس نے فکر مندی سے بھائی کی طرف دیکھا۔
''اگر محبت سچی ہو تو انسان ہر مشکل کا مقابلہ کر لیتا ہے۔'' وہ مڑتے ہوئے بولا تھا۔
''آزمائشیں بھی سچی محبت کی راہ میں آتی ہیں، یار رکھیے گا۔'' وہ چند ثانیے اسے دیکھتا رہا پھر باہر نکل گیا۔

☆☆☆

بہروز خان اس کا گہرا دوست، راز دار اور وفا دار تھا، اسی نے حویلی چھوڑنے کے بعد اس کا بزنس سنبھالا، پھر اسے اسلام آباد ٹرانسفر کیا، ہر قدم پر اس نے ازمیر شاہ کا بھرپور ساتھ دیا۔
ازمیر شاہ آج کل آفس نہیں جا رہا تھا اور اس کی غیر موجودگی میں وہ ہی اس کے آفس کو سنبھال رہا تھا۔
''شاہ جی آپ نے کہا تھا انڈہ پانچ منٹ میں بوائل ہو جاتا ہے، مگر جب میں نے اسے چھیلا تو ابھی کچا تھا۔'' وہ روہانسی ہو رہی تھی، آج کل کھانا وہ بنا رہی تھی اور کچن کے ساتھ ساتھ ازمیر شاہ کے معدے کی بھی شامت آئی ہوئی تھی۔
''ہاہاہا۔'' وہ دل کھول کر ہنسا تھا۔
''تم نے انڈہ ٹھنڈے پانی میں ڈالا ہوگا۔'' وہ دلچسپ نظروں سے اس کی رونی صورت کو دیکھ رہا تھا۔
''جی!'' اس نے معصومیت سے کہا، جواب میں ازمیر شاہ کا قہقہہ جاندار تھا۔
''تو پھر تو یہی ہونا تھا نا، ڈونٹ وری میں بنا لیتا ہوں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولا۔
''نہیں آپ رہنے دیں۔'' اس نے فوراً منع کیا، مگر وہ اس کے ساتھ کچن میں آ گیا اور پھر اس نے اسے انڈہ بوائل اور فرائی کرنے کے ساتھ ساتھ چائے بنانا بھی سیکھائی۔

''میں تو بہت نکمی ہوں۔'' وہ برا سا منہ بنا رہی تھی۔

''نہیں آہستہ آہستہ سیکھ جاؤ گی۔'' ڈور بیل بجی تھی، ازمیر شاہ باہر دیکھنے چلا گیا۔

''تمہاری دوست آئی ہے۔'' اس نے کچن میں آکر اسے بتایا، شفق شاہ کی جان پر بن آئی۔

''ماریہ؟'' اس نے جھٹ پوچھا۔

''نام نہیں پوچھا، لاؤنج میں ہی بٹھا دیا ہے میں نے انہیں، تم جا کر مل لو۔'' وہ بمشکل وہاں آئی اور ماریہ کے ساتھ اس کے بھائی کو دیکھ کر اس پر گھبراہٹ طاری ہو گئی۔

''ہم لوگ انکل کی عیادت کے لئے آئے ہیں۔'' اس سے گلے ملتے ہوئے وہ بتانے لگی۔

''تھینک یو۔'' وہ بدقت تمام مسکرائی۔

''اب کیسی طبیعت ہے انکل کی؟'' ارسم نے سلام کے بعد پوچھا۔

''جی شکر ہے اللہ کا ٹھیک ہیں۔'' اس نے بتایا اور ماریہ کے ساتھ بیٹھ گئی۔

''انکل کو بلاؤ نا ہم ان سے ملنے آئے ہیں۔'' ماریہ نے کہا تو وہ اٹھ کر کچن میں آ گئی۔

''کیا بات ہے؟'' اس کی پیشانی عرق آلود ہو رہی تھی۔

''ایوری تھنگ از او کے؟'' اس نے بغور شفق شاہ کی گھبرائی ہوئی صورت دیکھی۔

''ماریہ اور اس کا بھائی آپ کی عیادت کے لئے آئے ہیں۔'' اس نے خشک لبوں پر زبان پھیری۔

''اوہ۔'' وہ معاملے کی تہہ تک پہنچ گیا۔

''ڈونٹ وری، میں انہیں ذرا سا بھی شک نہیں ہونے دوں گا کہ.....'' بات ادھوری چھوڑ کر وہ باہر نکل گیا، شفق شاہ ان کے لئے چائے ڈالنے لگی، وہ چاہتی تھی وہ دونوں جلد از جلد واپس چلے جائیں۔

چائے پی کر وہ لوگ فوراً جانے کے لئے تیار ہو گئے تھے۔

''نائیس ٹو میٹ یو انکل۔'' ارسم نے اس سے مصافحہ کیا تھا، ملز میر شاہ کی زیرک نگاہوں نے اسے شفق شاہ کو کنکھیوں سے دیکھتے دیکھا تھا۔

''Same here۔'' وہ بھی خوشدلی سے مسکرایا، ان کے جانے کے بعد شفق شاہ نے سکون کا سانس لیا تھا۔

☆☆☆

ان کے ایگزیمز شروع ہو گئے تھے، ہمیشہ کی طرح ازمیر شاہ رات دیر تک اس کے ساتھ جاگ کر اسے تیاری کرنے میں مدد دیتا، سونے سے پہلے زبردستی دودھ کا گلاس پلاتا۔

''بہت تھک گئی ہوں شاہ جی۔'' اس کی آنکھیں مسلسل جاگنے سے سرخ ہو رہی تھیں، اس نے کتاب بند کر دی۔

''تھوڑی سی رہ گئی ہے، پڑھ لو، پھر سو جانا۔'' ازمیر شاہ نے کتاب پکڑ کر دوبارہ کھول دی۔

''چکر آ رہے ہیں، اب نہیں پڑھا جاتا۔'' اس نے لیٹ کر آنکھیں موند لیں۔

''او کے تم لیٹی رہو، میں پڑھتا ہوں تم سنتی جاؤ۔'' اور پھر ازمیر شاہ بولتا گیا اور وہ سنتے سنتے سو گئی، اس نے مسکراتے ہوئے اس کی طرف دیکھا اور کتاب بند کر کے رکھ دی، کمبل اٹھا کر اس پر ڈالا اور نائیٹ بلب جلا کر لائٹس آف کر کے اس کے دوسری طرف کر آ کر لیٹ گیا، اس کی نظریں اس کے خوبصورت، دلکش سراپے سے الجھ کر رہ گئیں، وہ کسی منہ بند کلی کی طرح تھی۔

چل آ اک ایسی نظم کہوں

جو لفظ کہوں وہ ہو جائے
بس اشک کہوں تو اک آنسو
تیرے گورے گورے گال کو دھو جائے
میں آ لکھوں تو آ جائے
میں بیٹھ لکھوں تو آ بیٹھے
میرے شانے پر سر رکھے تو میں نیند کہوں
تو سو جائے
میں کاغذ پر تیرے ہونٹ لکھوں
تیرے ہونٹوں پر مسکان
میں دل لکھوں، تو دل تھامے
میں گم لکھوں، وہ کھو جائے
تیرے ہاتھ بناؤ پنسل سے
پھر ہاتھ پہ تیرے ہاتھ رکھوں
کچھ الٹا سیدھا فرض کروں
کچھ سیدھا الٹا ہو جائے
میں آہ لکھوں، تو ہائے کرے
بے چین لکھوں، بے چین ہو تو
پھر میں بے چین کا بے کاٹوں
تجھے چین ذرا سا ہو جائے
ابھی عین لکھوں تو سوچے مجھے
پھر شین لکھوں تری نیند اڑے
جب قاف لکھوں، تجھے کچھ کچھ ہو
میں عشق لکھوں، تجھے ہو جائے

ایک بازو سر کے نیچے دیے وہ گہری نیند سوئی ہوئی بہت معصوم اور خوبصورت لگ رہی تھی، ازمیر شاہ اسے دیکھے گیا، پھر رخ بدل کر چت لیٹا چھت کو گھورنے لگا۔

☆☆☆

آخری پہر دے کر آئی تو ایسا سوئی کہ پھر شام کو ہی آنکھ کھلی، کمرے میں ملگجا اندھیرا پھیلا ہوا تھا، چند ثانیے خاموش لیٹی وہ ماضی کی بھول بھلیوں میں کھوئی رہی۔

آج اسے اماں کی بہت یاد آ رہی تھی، وقت نے بہت سے ماضی کے نقوش دھندلا دیے تھے، مگر خون کے رشتوں میں دوریاں اور وقت حائل ہو بھی جائے پھر بھی محبت کم نہیں ہوتی۔

''آہ۔'' اس کے منہ سے ایک سرد آہ برآمد ہوئی تھی، وہ اٹھ کر باہر آ گئی، ازمیر شاہ کہیں نظر نہ آیا۔

وہ کچن میں آئی اس کی توقع کے عین مطابق وہ وہیں کھڑا تھا، وہ چوکھٹ سے سر ٹکائے، ہاتھ سینے پر لپیٹے خاموش کھڑی تھی۔

''گڈ ایوننگ۔'' وہ فوراً مڑا تھا، وہ خاموش رہی۔

''طبیعت ٹھیک ہے؟'' وہ اس کے قریب آیا۔

''جی!'' اس نے مختصر جواب دیا۔

''میں چائے بنا رہا ہوں، تھوڑی دیر پہلے میں اندر گیا تھا، مجھے لگ رہا تھا تم سو کر اٹھنے لگی تھی۔'' وہ اس کی طرف دیکھ کر مسکراتے ہوئے بولا۔

''پیو گی نا؟'' وہ دو قدم آگے آیا۔

''موڈ نہیں ہو رہا۔'' وہ واپس جا کر لاؤنج میں بیٹھ گئی، ازمیر شاہ اس کے پیچھے آیا تھا۔

''خیریت موڈ کو کیا ہوا؟'' وہ اس سے چند قدم کے فاصلے پر آ کر کھڑا ہو گیا۔

''پتا نہیں۔'' اس نے صوفے کی پشت سے ٹیک لگائی اور آنکھیں موند لیں، ازمیر شاہ کو تشویش ہونے لگی، وہ اس کے پاس آ کر بیٹھ گیا اور اس کا شانہ ہولے سے ہلایا اس نے جھٹ آنکھیں کھول دیں۔

''کیا ہو گیا گڑیا؟'' وہ خاموشی سے اس کی طرف دیکھ رہی تھی۔

''چلو باہر چلتے ہیں، آؤٹنگ سے تمہارا موڈ

اور طبیعت بہل جائے گی۔'' وہ اندر سے گاڑی کی چابی اٹھا لایا تھا، ہاتھ میں اس کا اوور کوٹ بھی تھا۔

''یہ پہن لو باہر سردی ہے۔'' وہ اس کے پاس آکر بولا، شفق شاہ بھی خاموشی سے اٹھ کر اس کے ساتھ آگئی تھی، کوٹ اس نے پہن لیا تھا۔

''آئسکریم کھاؤ گی؟'' وہ اسے پوچھ رہا تھا۔

''نہیں۔'' اس نے نفی میں سر ہلایا۔

''کھا لونا، میٹھی ہوتی ہے۔'' وہ مسکراہٹ دباتے ہوئے بولا، تو وہ بھی آہستگی سے مسکرا دی۔

مال روڈ پر اپنے لانگ کوٹ کی جیبوں میں ہاتھ ڈالے از میر شاہ کے ساتھ گھومتے ہوئے وہ بے حد اداس تھی۔

''مجھے اماں کے پاس جانا ہے شاہ جی!'' آج اتنے سالوں کے بعد آخر کار اس نے یہ کہنے کی ہمت کر ہی ڈالی تھی۔

''ابھی ایسا ممکن نہیں ہے۔'' اس نے بھی ہمیشہ کی طرح فوراً منع کیا تھا۔

''میں مزید انتظار اور صبر نہیں کر سکتی۔'' وہ اب ضد کرنے لگی تھی، از میر شاہ نے بغور اس کے چہرے کی طرف دیکھا تھا۔

''میں نے تمہیں سیر کروانے کا پروگرام بنایا ہے، سوات، کاغان اور ناران وغیرہ دیکھنے چلتے ہیں، میں کئی دفعہ گیا ہوں، تم جا کر دیکھو کیسی پیاری جگہیں ہیں۔'' وہ اسے بہلا رہا تھا۔

''اماں سے زیادہ پیارا کچھ نہیں ہوتا شاہ جی!'' وہ خفا ہوتے ہوئے بولی، از میر شاہ کو اندازہ ہو گیا تھا اب اسے سنبھالنا کافی مشکل ہے۔

☆☆☆

شہروز شاہ پر ارباز شاہ کی فصلوں کو آگ لگوانے کا جرم ثابت ہو گیا تھا، ساتھ ہی ان پر اپنے نوکر کے بیٹے کو زدوکوب کرنے کا الزام بھی تھا، ان کی برسوں کی عزت اور ساکھ کو شدید دھچکا لگا تھا، نیا ایس پی بہت سخت آیا تھا، نہ کسی کی بات سنتا تھا نہ رشوت لیتا۔

''ارباز شاہ نے اچھا نہیں کیا میرے ساتھ، اس کی وجہ سے میرے دونوں بچے مجھ سے دور ہو گئے، میرے گودام میں آگ بھی اسی نے لگوائی ہے، میں ثابت نہیں کر پایا، میرے ہاتھ کوئی ثبوت نہیں لگ رہا اور جس دن لگ گیا چھوڑوں گا تو میں بھی نہیں اسے۔'' انہوں نے پیشانی سے پسینہ صاف کیا، ان کے چہرے پر پھیلے اضطراب کو سعیدہ شاہ بغور پڑھ رہی تھیں۔

''نقصان ہر طرف میرا ہی ہوا، سارا خسارہ میرے حصے میں کیو آیا؟'' ان کی آواز لڑکھڑانے لگی، سعیدہ تیزی سے ان کے قریب آئیں۔

''مراد...... دلاور...... حنیفہ...... بھاگ کر آؤ، دیکھو شاہ جی کو کیا ہو گیا۔'' وہ زور زور سے ملازموں کو آوازیں دینے لگیں۔

☆☆☆

''ماریہ تم شفق کو بھی بلا لو فنکشن پر۔'' ارسم آفندی کی انجینئرنگ مکمل ہو گئی تھی، اس نے یونیورسٹی میں سیکنڈ پوزیشن لی تھی، ماما اور پاپا نے گرینڈ پارٹی کرنے کا فیصلہ کیا تھا، جس میں تمام فیملی اور فرینڈز کو مدعو کیا گیا تھا، اس پارٹی کا ایک مقصد ارسم آفندی کے لئے لڑکی دیکھنا بھی تھا۔

''ہاں میں اسے تو ضرور انوائیٹ کروں گی ڈونٹ وری۔'' وہ مسکراتے ہوئے بولی۔

''اور ساتھ میں انکل کو بھی لازمی آنا ہے، تم شفق سے کہہ دینا۔'' وہ اس کے پاس بیٹھا مسلسل اس سے شفق کی باتیں کر رہا تھا۔

''اوکے باس۔'' وہ دونوں باتوں میں

مصروف تھے، جب ماما بھی وہاں آئیں۔
''کیا ہو رہا ہے؟'' ان کے آنے سے ارسم تھوڑا محتاط ہو گیا۔
''مہمانوں کی لسٹ کے لئے ہم اپنے فرینڈز کے نام Decide کر رہے تھے۔'' جواب ماریہ نے دیا تھا۔
''ارسم میں تم سے کہنے آئی تھی کہ پارٹی میں تمہارے پاپا کے فرینڈ جنید کی بیٹی ضویا بھی آئے گی، ذرا اسے غور سے دیکھ لینا۔''
''خدا کو مانیں ماما، اتنا شریف اور معصوم آپ کا بیٹا ہے، یہ آپ کیسے مشورے دے رہی ہیں۔'' اس نے مسکراہٹ دباتے ہوئے کہا تو دونوں ماں بیٹی اس کی اس بات پر ہنس دیں۔
''جی ماما، بھائی واقعی بہت شریف ہیں۔'' ماریہ نے معنی خیزی سے کہتے ہوئے اس کی طرف دیکھا تو اس نے آنکھیں دکھائیں۔
''کوئی ضروری نہیں تم ضویا کو ہی دیکھو، اگر تمہیں کوئی اور پسند آجاتی ہے تو بھی کوئی مسئلہ نہیں، تم ہمیں بتا دینا۔'' ماما ان کے پاس بیٹھیں باتیں کرتی رہیں اور وہ دونوں مسلسل آپس میں ایک دوسرے کو تنگ کرتے رہے، ماما ان کی نوک جھونک سے لطف اندوز ہو رہی تھیں۔
''جی، جی ماما، آپ فکر ہی نہ کریں، میں ایک ایک لڑکی کو اچھی طرح گھور کر اور غور سے دیکھوں گا۔'' اس کی شرارت پر ماما ہنستی ہوئی اٹھ کر چلی گئیں۔
''بھائی میرا خیال ہے یہ موقع مناسب ہے ماما کو اب شفق کے متعلق بتانے کے لئے۔'' ماما کے جاتے ہی اس نے بھائی سے کہا۔
''ہاں، مگر پہلے تم شفق سے تو معلوم کر لو، وہ کیا کہتی ہے۔'' ارسم آفندی پرسوچ انداز میں بولا۔

''اسے اعتراض ہوگا، اتنا خوبصورت ہے میرا بھائی، ویل ایجوکیٹڈ اور کروڑوں کی جائیداد کا تنہا وارث، وہ بھلا کیوں انکار کرے گی۔'' ماریہ نے محبت سے بھائی کی طرف دیکھا تھا۔
''نہیں ماریہ پھر بھی، تم ایک دفعہ اس سے پوچھو تو سہی۔'' وہ پھر بھی تسلی چاہتا تھا۔
''اوکے پھر جب پارٹی میں آئے گی تو پوچھ لیں گے۔'' اس نے بھی فوراً حل پیش کیا، ارسم آفندی نے مزید کوئی بات نہ کی۔

☆☆☆

شہروز احمر شاہ کو فالج کا اٹیک ہوا تھا، مراد نہیں گاڑی میں فوراً اسپتال لے گیا تھا، بی بی جان دکھ سے نڈھال تھیں، وہ سب رستے کھو چکی تھیں، یہ ان کا آخری سہارا تھا، جیسے بھی تھے ان کے شوہر تھے، وہ بڑی سی چادر میں لپٹی ہاسپٹل میں بینچ پر بیٹھیں تھیں، انہوں نے ایک ساتھ اپنے دونوں بچوں کو کھویا تھا۔
''یا اللہ! میں تنہا بے بس عورت تجھ سے درخواست کرتی ہوں، رحم فرما، میری التجا قبول کر لے، ہمیشہ میں نے تجھ سے اپنے بچوں کی سلامتی کی دعائیں مانگیں، مگر میرے دونوں بچے مجھ سے بچھڑ گئے۔'' آنسو ایک تواتر سے ان کے گالوں پر بہنے لگے، وہ اردگرد سے بے نیاز سر جھکائے بیٹھیں اس شخص کے لئے دعا مانگ رہی تھیں، جس نے ان کے جگر کو چھلنی کیا تھا، ان کا سکون اور قرار لوٹا تھا، مگر وہ کیا کرتیں، ایک عورت تھیں، مشرقی عورت۔
''اپنے بیٹے سے بہت دور رہ لیا میں نے مجھ سے اب اور برداشت نہیں ہوتا، میرے صبر کو اور نہ آزما، میری ہمت جواب دے چکی ہے، میں اب اور برداشت نہیں کر سکتی اس کی جدائی، مجھے میرا بیٹا واپس لوٹا دے، میں اس وقت بہت اکیلی

ہوں میرے اللہ۔'' آج وہ جی بھر کر روئی تھیں، کئی سالوں کی کثافت تھی جو آج ڈھلی تھی۔

شہروز احمر شاہ کا بہت علاج ہوا، مگر وہ ٹھیک نہ ہو سکتے اور بستر سے جا لگے، سعیدہ شاہ ہر وقت ان کی پٹی سے لگی رہتیں، ان کی خدمت کرتیں، وہ تو ٹھیک سے بول بھی نہ سکتے تھے، بائیں سائیڈ پوری مفلوج ہو چکی تھی۔

☆☆☆

''ارے، ماریہ تم۔'' وہ اس کے گلے لگ گئی، از میر شاہ ابھی ابھی آفس گئے تھے، وہ بہت بور ہو رہی تھی، اچانک ماریہ کو سامنے دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئی تھی۔

''تم تو کبھی آتی نہیں میرے گھر، بے مروت لڑکی۔'' اس کی بات پر شفق شاہ ہنس دی تھی اور اسے ساتھ لے کر لاؤنج میں آ گئی۔

''میں تمہیں انوٹیشن دینے آئی تھی۔'' اس نے بیگ سے کارڈ نکالا۔

''اچھا کس چیز کا۔'' اس نے کارڈ اس کے ہاتھ سے لے لیا۔

''بھائی کی اسٹڈیز کمپلیٹ ہونے کی خوشی میں اور ساتھ میں لڑکی بھی دیکھنے کے لئے۔'' اس نے شفق شاہ کے چہرے کی طرف دیکھا، وہ اس کے تاثرات جانچنا چاہتی تھی۔

''گڈ! مگر ماریہ میں نہیں آ سکوں گی۔'' اس نے معذرت کی تھی۔

''کیوں؟'' اسے اچنبھا ہوا۔

''دراصل ہم لوگ کل سوات، کاغان اور ناران جا رہے ہیں، سیر کے لئے۔'' اس نے خوش ہو کر بتایا۔

''اوہ اچھا۔'' وہ لمحہ بھر کو خاموش ہو گئی۔

''شفق مجھے تم سے کچھ ضروری بات کرنی ہے۔'' وہ اردگرد دیکھتے ہوئے راز داری سے بولی۔

''باتیں بھی ہوتی رہیں گی مگر پہلے میں تمہارے لئے کچھ کھانے کو تو لے آؤں۔'' وہ اٹھتے ہوئے بولتی ماریہ نے اس کا ہاتھ پکڑ کر واپس بٹھا لیا۔

''کھانے کو چھوڑو، پہلے میری بات سنو۔'' اس کا راز درانہ انداز شفق کو بھی الجھا گیا، وہ واپس بیٹھ گئی۔

''شفق دراصل مجھے یہ کہنا تھا کہ ماما پاپا ارسم بھائی کے لئے لڑکی تلاش کر رہے ہیں، میں..... میں تمہیں بھابھی بنانا چاہتی ہوں۔'' شفق شاہ کو تو گویا سانپ سونگھ گیا، اس نے خوفزدہ نظروں سے اردگرد دیکھا اور پھر اپنا ہاتھ ماریہ کے ہاتھ سے چھڑا کر کھڑی ہو گئی۔

''یہ ممکن نہیں ہے۔'' وہ اس کی جانب سے رخ موڑے کھڑی تھی۔

''کیوں ممکن نہیں ہے؟ کیا کمی ہے میرے بھائی میں؟'' وہ اس کے سامنے آ کھڑی ہوئی تھی۔

''بتاؤ۔'' شفق شاہ کی آنکھوں میں وحشت ناچ رہی تھی۔

''ارسم بھائی تمہیں پسند کرتے ہیں، وہ بہت چاہتے ہیں تمہیں، پلیز ان کی محبت کی مت ٹھکرانا میرا بھائی ٹوٹ جائے گا۔'' وہ منت کر رہی تھی، شفق شاہ گنگ رہ گئی۔

''خاموش ہو جاؤ ماریہ۔'' بمشکل وہ بول پائی۔

''ایسا نہیں ہو سکتا، تم سمجھاؤ اپنے بھائی کو۔ پلیز۔'' وہ سختی سے بولی۔

''ہم انکل کو منا لیں گے۔'' وہ ایک مرتبہ پھر اس کے ہاتھ پکڑ کر لجاجت سے بولی۔

''تم جاؤ ماریہ، اس وقت میں کوئی بات نہیں

کر سکتی اور پلیز دوبارہ ایسی بات نہ کرنا، ورنہ۔" اس نے اپنے ہاتھ چھڑانے اور اندر بھاگ گئی، روم لاکڈ کرکے وہ بیڈ پر گری اور ضبط کے سارے بندھن ٹوٹ گئے۔

☆☆☆

"ازمیر بہت برا ہوا۔" وہ آفس میں بیٹھا تھا جب بہروز خان عجلت کے عالم میں اندر داخل ہوا تھا۔

"کیا ہوا، خیریت؟" اس نے لیپ ٹاپ سے نظریں ہٹا کر اس کے پریشان چہرے کو دیکھا۔

"تمہارے بابا پر فالج کا اٹیک ہوا ہے، ان کی حالت بہت خراب ہے۔" ازمیر شاہ کے تیزی سے کسی بورڈ پر چلتے ہاتھ رک گئے تھے، اس کا رنگ زرد پڑ گیا تھا، دل میں درد سا اٹھنے لگا تھا، وہ خاموش رہا، بالکل خاموش، اسے سمجھ نہ آ رہی تھی کیا کرے۔

"انہیں تمہاری ضرورت ہے، ان سے زیادہ بی بی جان کو۔" بہروز خان نے اپنا ہاتھ اس کے شانے پر رکھا۔

"کیا پتا!" اس نے خالی خالی نظروں سے اسے دیکھا۔

"میں جاؤں اور وہ مجھے گولی مروا دیں۔"

"اس ٹائم ایسی باتیں مت سوچو، صرف ان کے لئے دعا کرو، تم ان کے اکلوتے بیٹے ہو۔" وہ اسے سوچوں کے حوالے کرکے چلا گیا تھا، بہت سے پرانے زخموں سے کھرنڈ اترنے لگا تھا، یادیں اسے کے ارد گرد یلغار کرنے لگی تھیں۔

☆☆☆

اچانک ہی گالی گھٹا اٹھی اور ہر طرف جل تھل ہو گیا تھا، ارسم آفندی بہت رش ڈرائیونگ کرتا ہوا اس کے گھر پہنچا تھا، پورچ سے اندر پہنچتے پہنچتے وہ اچھا خاصا بھیگ چکا تھا۔

"شفق!" وہ اسے کہیں نظر نہ آئی تو اسے آوازیں دینے لگا۔

"شفق شاہ!" اس کی آواز میں بہت تڑپ تھی، وہ جلدی سے آنسو پونچھ کر اور منہ دھو کر باہر آئی تھی، وہ لاؤنج کے بیچوں بیچ کھڑا تھا، اسے سامنے دیکھ کر تیزی سے آگے بڑھا۔

چند ثانیے خاموشی سے کھڑا اسے دیکھتا رہا، وہ بھی بنا پلکیں جھپکائے اسی کو دیکھ رہی تھی، چھ فٹ سے نکلتا قد، گوری رنگت، ذہانت کے

باعث چمکتی روشن آنکھیں، وہ ہر طرح سے ایک مکمل اور شاندار پرسنالٹی رکھتا تھا، کسی بھی لڑکی کی آنکھوں کا خواب ہوسکتا تھا۔

''آپ نے مجھ سے شادی کرنے سے انکار کیا ہے؟'' وہ تصدیق چاہتا تھا۔

''جی!'' اس نے لہجے کو مضبوط بنا کر جواب دیا۔

''کیوں؟'' اس کے چہرے پر گہری سنجیدگی رقم تھی، ہمیشہ والی شوخی اور شرارت مفقود تھی۔

''یہ میں آپ کو بتانے کی پابند نہیں ہوں۔'' اس کے لہجے میں تختی در آئی تھی، باہر بارش زور پکڑنے لگی تھی۔

''ایسا مت کرو میرے ساتھ، میں جی نہیں پاؤں گا۔'' اس کے لہجے کا کرب وہ محسوس کرسکتی تھی۔

''کوئی نہیں مرتا کسی کے بغیر۔'' اس نے ایک طویل تھکی ہوئی سانس خارج کی۔

''کیا آپ کسی اور کو پسند کرتی ہیں؟'' اندیشے اس کے اندر سر اٹھانے لگے تھے، ایک حشر اس کے اندر بپا تھا۔

''پلیز آپ مجھ سے اس قسم کے سوالات مت کریں۔'' اس نے درشتی سے کہا اور لب بھینچ لئے۔

''آپ چلے جائیں یہاں سے۔'' اس نے بالآخر اسے جانے کے لئے کہہ دیا۔

''شفق شاہ کوئی سوالی دروازے پر آئے تو اسے خالی ہاتھ لوٹانے سے اللہ ناراض ہوجاتا ہے اور محبت کی بھیک مانگنے والوں کو تو کبھی نہیں دھتکارنا چاہیے، وہ تو بہت مجبور ہوتے ہیں، انہیں جس در سے بھیک چاہیے ہوتی ہے وہاں سے نہ ملے تو کہیں سے بھی نہیں ملتی، پلیز مجھے مت دھتکارو۔'' بادل زور سے گرجا تھا، شفق شاہ نے ڈر کر کھڑکی سے باہر دیکھا تھا۔

''محبت خیرات نہیں ہے کہ بھیک میں دی جائے یہ تو نصیب سے۔'' اور اگلا لفظ اس کے منہ میں رہ گیا، وہ پھٹی پھٹی نگاہوں سے لاؤنج کے ادھ کھلے دروازے میں کھڑے ازمیر شاہ کو دیکھ رہی تھی، جس کی آنکھوں میں تیرتے بے یقینی کے رنگ بہت واضح تھے، وہ بہت رنجیدہ دکھائی دے رہا تھا۔

''میں تم سے بے پناہ محبت کرتا ہوں، تمہارے بغیر جینے کا تصور نہیں کرتا، پلیز مجھے مت دھتکارو۔'' وہ دو قدم چلتا ہوا اس کے قریب آیا، شفق شاہ کے قدم زمین نے جکڑ لئے تھے، ارسم آفندی نے اس کی نظروں کے تعاقب میں دیکھا تو، پتھر کا ہوگیا، لمحہ بھر ازمیر شاہ کھڑا ان دونوں کو دیکھتا رہا پھر ان کے پاس سے گزر کر اندر چلا گیا۔

''آپ فکر مت کریں، میں آپ کے پاپا......''

''نہیں ہیں وہ میرے پاپا۔'' شفق شاہ زور سے چلائی۔

''وہ میرے شوہر ہیں۔'' الفاظ تھے یا سیسہ جو ارسم آفندی کے کانوں میں انڈیلا گیا تھا، بادل زور سے گرجا اور بجلی کڑک کے قریب کے کسی علاقے میں گری تھی۔

''شوہر!'' ارسم آفندی کے لبوں نے بے آواز جنبش کی تھی، ارسم آفندی کے اندر جھکڑ چلنے لگے تھے، طوفان آ گیا اور اک حشر بپا ہوگیا تھا، پھر بجلی زور سے لڑکی اور ارسم آفندی کے دل پر گری تھی، وہ مجرموں کی طرح سر جھکائے کھڑی تھی، جبکہ وہ بے یقینی سے اسے دیکھ رہا تھا۔

(باقی اگلے ماہ)

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماے راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

نئی صبح
تمثیلہ زاہد

وہ توے پر آخری روٹی سینک رہی تھی کہ ڈور بیل بجی۔

''حرا دیکھنا باہر یونین والا رسید دینے آیا ہو گا، صبح سے پیسے لے کر گیا ہے کہا بھی تھا ہاتھ کے ہاتھ رسید دے جایا کرو۔'' حسن رسید کے بغیر پیسے دینے سے سخت خفا ہو جایا کرتے تھے، اس نے بھی یونین والے کے اصرار پر جھٹ پیسے پکڑا دیئے۔

حسن کے غصے کا سوچ کر ہی دماغ شل ہونے لگا تھا، وہ روٹی سینکتے مستقل بڑبڑا رہی تھی۔

''پاپا آ گئے پاپا آ گئے۔'' لاؤنج میں حسن کے داخل ہوتے ہی حرا اور صبا نے شور مچانا شروع کر دیا۔

''کیوں شور مچا رکھا ہے، پاپا کو سانس تو لینے دو۔'' وہ کچن سے چیخی۔

''پاپا آپ میرا پنسل بکس لائے۔'' آٹھ سال کی حرا اپنی ایک ماہ پرانی فرمائشیں دہراتے ہوئے پاپا سے لپٹ گئی تھی۔

''پاپا میری کینڈی کہاں ہے؟'' پانچ سال کی صبا پاپا کے صوفے میں بیٹھتے ہی گلے میں جھول گئی۔

''چلو بیٹا پاپا کو فریش ہونے دو، کھانا دستر خوان پر لگا رہی ہوں آجاؤ شاباش۔''

''کیا ابھی تک بچوں نے کھانا نہیں کھایا۔'' انہوں نے غصے سے سر اٹھایا تھا۔

''گرم کپڑوں کا پلندا الماریوں سے نکال رہی تھی سردیاں کراچی میں مہمان بن کر ہی آتی ہیں، جانے کب سر پر آ جائے، نومبر کا مہینہ شروع ہو گیا ہے، بس اسی میں وقت بیت گیا اور روزمرہ کے معمول کے کام میں دیر سویر ہو گئی آج۔'' وہ صبا کو گود میں اٹھا کر حرا کی انگلی پکڑ کر بولی تھی۔

''اپنی سست مزاجی کو ایک اضافی کام پر الزام نہ دو۔'' وہ اپنے پیروں کو جوتوں سے آزاد کرتے ہوئے بولے، لہجہ خاص چبھتا ہوا تھا جو زرین کے دل کے آر پار ہو گیا۔

''میرے حصے میں ایک نہیں کئی اضافی کام ہیں، نوکرانی رکھنے کی حیثیت تو ہے نہیں، سارا دن خود ہی نوکرانی بنی پھرتی ہوں، لیکن فائدہ ایسے کاموں کا، جب نہ صلہ ملنے کی امید ہے نہ کسی توصیفی کلمے کو کہنے کی شوہر کو توفیق۔'' وہ تلخی سے کہہ کر بچوں کو ڈائننگ ٹیبل میں بٹھا کر کھانا کھلانے میں مشغول ہو گئی، تھوڑی دیر میں حسن بھی کھانے کی ٹیبل پر موجود تھا، وہ خاموشی سے حسن کو کھانا نکال کر دینے لگی، حسن دونوں بچیوں کی روٹین پوچھ رہا تھا، حسن کے سوال اور بچیوں کے معصوم جواب کے درمیان وہ کہیں موجود نہ تھی، اس نے ایک تیکھی نظر اپنے شوہر کے مسکراتے چہرے کی طرف ڈالی تھی، شادی کے ان نو سالوں میں اس کے شوہر نے نو بار بھی نہیں اس کی طرف مسکرا کر دیکھا تھا، اس نے نوالہ منہ میں ڈالا اور اپنی پلیٹ پر مکمل جھک کر کھانے لگی وہ اس بے حسی کی عادی تھی۔

☆☆☆

''دو ہزار کی بیسی ہے، پچاس ہزار بھی تو بڑی رقم ہے، کسی کام ہی آ جائیں گے۔'' رخسانہ آپا برابر والے فلیٹ میں رہتی تھیں، صبح آئے وہ اسے بیسی ڈالنے پر زور دے رہی تھیں۔

''دو ہزار اور پھر دو سال بھی تو ہیں، ہر ماہ دو ہزار روپے نکالنا بہت مشکل ہے آپا۔'' وہ چائے کی پیالی رخسانہ آپا کو پکڑاتے ہوئے نفی میں سر ہلاتے ہوئے بولی، دل للچا بھی رہا تھا۔

''آج دو ماہ دو دن کی طرح گزرتے ہیں، ان دو سالوں کی خبر بھی نہ ہو گی، کب سال شروع ہو کے ختم ہو جاتا ہے پتا بھی نہیں چلتا، تم یہ سوچو تمہارا دو بچیوں کا ساتھ ہے، پھر کوئی نہ کوئی ضرورت آ ہی پڑتی ہے۔'' وہ اسے کنوینس کر رہی تھیں۔

''بات تو آپ کی ٹھیک ہے، لیکن میں ہر ماہ

دو ہزار کی بچت نہیں کر پاؤں گی، میں حسن سے بات کر کے آپ کو بتاتی ہوں۔'' اس نے جیسے بات ختم کرنے کی کوشش کی۔

جانتی تھی آفس کے حالات کچھ ٹھیک نہیں چل رہے، قلیل تنخواہ میں بہ مشکل گزارہ ہو رہا تھا اب ایسے میں یہ اضافی رقم نکالنا ناممکن تھا، حسن کا نام لینا تو محض ایک بہانہ تھا، وہ حسن سے ایسی بات کا تصور بھی نہیں کر سکتی تھی، جانتی تھی کہ بیسی کا نام لیتے ہی وہ بدک جائیں گے، اخراجات کا رونا روئیں گے، بہتر ہے ایسی کوئی بات ہی نہ ہو۔

''سوچ لو میں کل پھر آؤں گی سارے ممبر کل ہی فائنل کرنے ہیں۔'' وہ چائے کا آخری گھونٹ حلق میں انڈیل کر کھڑی ہو گئی تھیں۔

''ضرور...... آپ آنے کی زحمت کیوں کرتی ہیں، میں خود ہی آپ کی طرف چکر لگا لوں گی، آپ کھڑی کیوں ہو گئیں بیٹھیں نہ۔'' وہ خوش دلی سے بولی جانتی تھی وہ براماں گئیں ہیں۔

''بس اب چلوں گی، دو چار گھروں میں اور جانا ہے، پھر بھی آؤں گی۔'' وہ عجلت میں جاتے ہوئے بولیں، ٹکا سا جواب سن کر ان کا منہ اتر گیا تھا۔

☆☆☆

''کیا بات ہے حسن بھائی کا کچھ موڈ آف سا لگ رہا ہے۔'' ثمینہ نے بڑی بہن کو کھانے پر آج مدعو کیا تھا، کھانے کے دوران بہنوئی کا کچھ اکھڑا اکھڑا سا موڈ کسی سے ڈھکا چھپا نہ تھا، کھانے کے بعد دونوں بہنیں کافی لے کر ٹیرس پر گپ شپ کرنے آ گئیں تھیں، مرد ٹی وی پر لگا میچ دیکھنے میں مصروف تھے اور بچوں کو اپنے کمرے میں ہلا گلا کا موقع مل گیا تھا، دونوں ایک دوسرے سے دو ماہ بعد مل رہی تھیں۔

''ان کا موڈ آن کب رہتا ہے ہمیشہ آف ہی رہتا ہے۔'' وہ کافی کا کڑوا گھونٹ لے کر تلخی سے بولی، حسن کتنا خوش مزاج ہے یہ اس کی بہن بھی بہ خوبی جانتی تھی۔

''زرین باجی بات کیا ہے؟'' ثمینہ بہن کے بجھے چہرے کو دیکھ کر بولی۔

''کچھ نہیں۔'' وہ مختصراً بولی۔

''کچھ تو ہے اب چھوٹی بہن سے بھی چھپائیں گی، ہمارا ایک دوسرے کے سوا کون ہے ماں باپ رہے نہیں بھائی کوئی ہے نہیں ہم دو بہنیں ہی ایک دوسرے کی دکھ سکھ میں شامل نہ ہوں تو کیا فائدہ۔'' ثمینہ نے بڑی بہن کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ دھیرے سے رکھا۔

''وقت گزرتا جا رہا ہے حرا اور صبا بڑی ہو رہی ہیں، اخراجات بڑھ رہے ہیں، مسائل میں اضافہ ہو رہا ہے، حسن کی پرائیوٹ جاب ہے گورنمنٹ ہوتی تو مشکل کا کچھ آسرا رہتا، یہاں تو نوکری ہی پکی نہیں، ہر لمحے ایک دھڑکا سا لگا رہتا ہے، کب کیا ہو جائے، مہینہ شروع ہوتا ہے اخراجات کی لمبی فہرست حاضر ہو جاتی ہے، مہینہ ختم ہونے سے ہفتہ بھر پہلے ہی ہاتھ خالی ہو جاتے ہیں، اکثر قرضہ لینے کی نوبت آ جاتی ہے، بچیوں کو اچھے اسکول میں پڑھا رہے ہیں او لیول کروانے کے شوق میں آدھی تنخواہ تو فیس کی نظر ہو جاتی ہے، اخراجات کے بوجھ تلے اب حسن گھبرانے لگے ہیں، بات بات پر چڑتے ہیں، کسی مسئلے پر بات بھی نہیں کرتے، میری سمجھ میں نہیں آتا کیا کروں، اس سال اسکول والوں نے اچھی خاصی فیس بڑھا دی ہے، اگلے ماہ ڈبل فیس جائیں گی، سوچ سوچ کر پریشان ہیں کہ کیا کریں، بس چڑے چڑے ہوئے ہیں، تمہارے ہاں بھی بچیوں نے ضد کی تو انہوں نے آنے کی حامی بھری، ورنہ یہ تو آنے کے لئے تیار ہی نہ تھے، اب دیکھو نہ بڑی بہن ہوں لیکن دو ماہ بعد تمہارے گھر آئی بھی تو خالی ہاتھ۔'' زرین آخری جملے پر سسک کر رونے لگی۔

''باجی کیسی باتیں کرتی ہیں، آپ اپنی بہن

کے گھر آئی ہیں اور پلیز رو کر خود کو ہلکان نہ کریں، پریشان نہ ہوں سب ٹھیک ہو جائے گا۔" چھوٹی بہن نے تسلی دی۔

"ہاتھ پر ہاتھ رکھنے سے کچھ ٹھیک نہ ہوگا۔" زرین کے لہجے میں مایوسی تھی۔

"یہی آپ کو سمجھانا چاہ رہی ہوں کہ ہاتھ پر ہاتھ رکھ دینے سے کچھ ٹھیک نہ ہوگا۔" ثمینہ نے بڑی بہن کی طرف کچھ سوچ کر جواب دیا۔

"کیا مطلب؟"

"باجی اپنے وقت کو کارآمد بنایئے، اپنے ہنر کو آزمایئے، آج کوئی عورت گھر بیٹھ کر خود کو ضائع نہیں کر رہی آپ فضول سوچ سوچ کر اپنا وقت بھی برباد کر رہی ہیں اور حاصل بھی کچھ نہیں ہو رہا۔" ثمینہ بڑی بہن سے سمجھ دار تھی اور اسے راہ دکھا رہی تھی۔

"کیسا ہنر..... کیا پہیلیاں بجھوا رہی ہو مجھ سے سیدھی سیدھی بات کرو۔"

"باجی آپ تو بہت اچھی بیکنگ کرتی ہیں آپ اسی ہنر کو کام میں لا کر گھریلو سطح پر اپنا کام شروع کر سکتی ہیں، اب تو لوگ باہر کی بیکری اور ریسٹورنٹ سے بہتر گھر کے تیار کردہ کیک اور بسکٹ میں دلچسپی لینے لگے ہیں، کیونکہ یہ صاف ستھرے اور اچھے ماحول میں تیار ہوتے ہیں، باہر طرح طرح کی گندگیاں، بڑے بڑے ہوٹلز کے کچن بھی اب بدنام ہو گئے ہیں، لوگ گھر بیٹھے آن لائن آرڈر بھی کرتے ہیں، تم شروع کرو تم دیکھنا کتنی جلدی تم کامیاب بن جاؤ گی۔"

"ثمینہ ہر بزنس کے لئے سرمایہ درکار ہوتا ہے اور میرے پاس ٹکا نہیں پھر میں یہ سب کیسے شروع کروں گی، تم جتنا آسان سمجھ رہی ہو اتنا ہے نہیں، میرے کسی سے بہت زیادہ تعلقات تو ہے نہیں پھر بیکنگ خاصا مہنگا شوق تھا جو میں نے شادی سے پہلے پال رکھا تھا اور واقعی اپنے بنائے کیک اور بسکٹ پر خوب داد وصول کرتی تھی، لیکن اب تو جیسے اخراجات نے سب کچھ بھلا دیا ہے، کیسا اور کہاں کا شوق، پیٹ بھر کھانا مل جائے غنیمت ہے ہمارے گھر تو ہفتہ میں ایک بار میٹھا بن جاتا ہے وہ بھی ٹرائفل۔" زرین کو ثمینہ کی بات سن کر حوصلہ ہوا تھا لیکن وہ دوسرے رخ پر بھی سوچ رہی تھی، اس کا اصل مسئلہ تو سرمایہ ہی تھا جو اس کے پاس نہ تھا۔

"باجی آپ بسم اللہ کریں پیسوں کی فکر نہ کریں مجھ سے قرض لے لیں معاملہ سیٹ ہو جائے تو آہستہ آہستہ کر کے قرض چکا دینا، ابھی یہ مت سوچیں کہ کیسے ہوگا، اعتماد کے ساتھ اپنا کام شروع کریں، لوگوں کو بتائیں کہ آپ ایک اچھی کوکنگ ایکسپرٹ ہیں، وہ آپ کے محلے کی ہیں نہ جو آپ کے برابر میں ہی رہتی ہیں آنٹی کیا نام تھا ہاں یاد آیا، رخسانہ آنٹی وہ سارے محلے کی خوب خبر بھی رکھتی ہیں اور آپ کے کام کے سلسلے میں کافی کارآمد ثابت ہوں گی، آپ شروع میں چھوٹے چھوٹے آرڈر سے سلسلہ شروع کریں، سالگرہ کا یا کسی پارٹی کے فنکشن کے لئے اپنی خدمات پیش کریں، محلے میں پہلے کپ کیک یا کوئی اور بیکری کا آئٹم بنا کر بانٹیں، ایک دفعہ مفت میں بانٹ گئی آپ کی چیز سب کو آپ کے ہاتھ کے ذائقے سے روشناس کروا دے گی پھر لوگ آپ کے پاس خود آئیں گے۔" ثمینہ پوری ترتیب کے ساتھ بہن کو سمجھا رہی تھی۔

"اچھا میں حسن سے بات کرتی ہوں۔" وہ سر ہلاتے ہوئے بولی بات مناسب بھی تھی۔

"کیسی بیوقوفوں والی باتیں کر رہی ہیں، ایسی باتیں بھلا شوہروں کو تھوڑی بتائی جاتی ہیں، جب آپ کا کام سیٹ ہو جائے گا ہاتھ میں رقم آنے لگے گی تو شوہر بھی آپ کے کام کو نہ صرف سراہیں گے بلکہ مدد بھی کریں گے لیکن ابھی کچھ کہنے کی حماقت مت کیجئے گا۔" ثمینہ کے ٹوکنے پر زرین نے سوچا کہ وہ بات صحیح کر رہی تھی، حسن

نے اس کی بات کو سننے سے پہلے ہی نظر انداز کر دینا تھا، ثمینہ نے نہ صرف اسے حوصلہ دیا بلکہ تجویز بھی اچھی دی، حسن نے چلنے کا اشارہ کیا کیونکہ اگلے روز آفس اور بچوں کا اسکول تھا۔

☆☆☆

حسن سے شادی کے بعد وہ خود کو مکمل فراموش کر کے اپنا تن من حسن کی خوشی کے حصول کی خاطر وار چکی تھی، وہ کیا تھی اور کیا ہو گئی ہے اسے کچھ خبر نہ تھی، دو بچیوں نے اس کی زندگی میں آ کر اسے مزید مصروف کر دیا تھا، وہ گھر کے مسائل میں الجھی اپنی پریشانیوں سے الجھتی تو رہتی لیکن ان کے حل کے متعلق بھی سوچا نہ تھا، حسن نے اسے ایسا اعتماد بخشا کب تھا، وہ بس اس کے لئے ایک مشین تھی، جیتی جاگتی مشین، ثمینہ کے جملوں نے اسے حوصلہ اور اعتماد بخشا تھا، اگلی صبح یقیناً اس کے لئے ایک نئی صبح تھی، بچوں اور شوہر کو صبح روانہ کرنے کے بعد وہ آج روزمرہ کی طرح صفائی اور کچن کے برتن سمیٹنے میں جت گئی، پھر اس نے کچھ ضروری چیزوں کی لسٹ ترتیب دی اور بازار کا رخ کیا، سپر اسٹور سے اسے اپنی تمام مطلوبہ چیزیں مل گئیں، کچن میں اس کے جہیز کا لایا اوون یونہی پڑا تھا، پھر ایک گھنٹے میں وہ تین درجن چاکلیٹ کپ کیک بنا چکی تھی، اب اسے محلے میں تقسیم کرنے کی باری تھی، اس نے دائیں بائیں اوپر نیچے تمام فلیٹس میں اپنے تیار کپ کیک کے سیمپل بانٹ کر اچھی خاصی تشہیر کر ڈالی تھی۔

چند دن میں اس کے گھر آرڈر آنے لگے، اس کے حلقہ احباب میں اضافہ ہونے لگا وہ یہ کام صبح کے وقت کرتی، گھر کے کاموں سے فارغ ہونے کے بعد وہ اپنے آرڈر کی تکمیل کے لئے جت جاتی تھی، گھر کے بنے ہوئے تازہ بسکٹ، کیک محلے میں جلد ہی مشہور ہو گئے تھے، لوگ اس کے گھر سے آرڈرز لے جاتے تھے، وہ بے حد خوش تھی، بچپن سے اسے بیکنگ کا خبط تھا جس سے وہ ماہر ہوتی چلی گئی آج یہی مہارت اس کے کام آ رہی تھی۔

☆☆☆

آفس سے آ کر حسن صوفے پر ڈھیلے سے انداز میں ریلیکس کرنے کی کوشش کرتے ہوئے دراز ہو گئے اور اپنی سلگتی درد سے بے حال کنپٹیاں سہلانے لگے۔

''یہ لیجئے پانی۔'' وہ پانی کا گلاس شوہر کی طرف بڑھاتے بول رہی تھی جسے وہ غٹاغٹ پی گیا، زرین نے چند لمحے شوہر کے سرخ اترے چہرے کو دیکھا پھر اپنی بند مٹھی ان کے سامنے کھول دی جس میں ہزار ہزار کے چند نوٹ نظر آ رہے تھے۔

''میں جانتی ہوں سائرہ آپی آپ کی ایک ہی بہن ہیں اور ان کی شادی میں دیئے جانے والے تحفے کے بارے میں آپ دن رات پریشان رہتے ہیں آپ پریشان مت ہوں۔'' زرین ٹھہر ٹھہر کر حیرت میں ڈوبے شوہر کو بتانے لگی، جو کبھی زرین کی آنکھوں میں جھانک رہا تھا اور کبھی اس کی بند مٹھی کے نوٹوں کو گھور رہا تھا، زرین نے پچھلے چار ماہ کی مشقت سب ہی کچھ سنا ڈالا تھا، زرین نے دیکھا جب وہ کہہ چکی تو اس کے شوہر کا سر جھکا ہوا تھا، چہرے پر خجالت تھی، زرین نے نم ہاتھوں سے اپنا ہاتھ ان کے مضبوط ہاتھوں پر رکھ دیا، حسن نے زرین کی طرف دیکھا اور فخر سے اپنا دوسرا ہاتھ زرین کے نازک ہاتھوں پر رکھ دیا، تاریک اندھیری رات میں آج حسن نے صحیح معنوں میں اپنی بیوی کو پہچانا تھا جو اس کی شریک حیات تھی، جس کی وہ ہمیشہ ہتک کرتا رہا، آج زرین کی ذات اس کے لئے سب سے معتبر بن گئی تھی، زرین نے آسمان کی طرف دیکھا جہاں اس کی طرح نئی صبح کی خوشی میں ستارہ مسکرا رہا تھا۔

☆☆☆

متاعِ جاں
سونیا چوہدری

سفینہ بیگم گاؤں آتے ہی اپنی سب بیماریاں بھول جاتی تھیں اور پہلے سے تندرست لگنے لگتی تھیں اور ایسا ہوتا بھی کیوں نہ یہ وہ گاؤں تھا جہاں انہوں نے اپنی زندگی بسر کی تھی، اس گاؤں کے بڑے چھوٹے ان کی بہت عزت کرتے تھے اور ان سے بہت محبت کرتے تھے، وہ گاؤں سے شہر رضا صاحب کے والد کی وفات کے بعد ہی گئیں تھیں کیونکہ ان کے بعد وہ کافی بیمار رہنے لگی تھیں اور رضا صاحب پھر ان کے اکیلے گاؤں رہنے کے حق میں بھی نہیں تھے اور نہ خود ان کے ساتھ آکر رہ سکتے تھے اس کی وجہ ان کا ملک اور ملک سے باہر پھیلا بزنس ہی تھا، اسی لیے نہ وہ اپنی ماں کو پھر اس حالت میں ملازموں کی نگرانی میں چھوڑ سکتے تھے سفینہ کے لاکھ منع کرنے کے بعد بھی رضا اور شمسہ زبردستی انہیں اپنے ساتھ لاہور لے آئے تھے جہاں پہلے پہل تو ان کا دل نہیں لگتا تھا لیکن پھر پوتیوں اور بہو کی بھرپور توجہ اور خدمت نے ان کا دل بدل دیا اور وہ آہستہ آہستہ گاؤں کو بھولنے لگیں لیکن اب بھی ان کا جب بھی دل چاہتا تو وہ گاؤں چلی آتیں، رضا صاحب چونکہ اپنی ماں کو جانتے تھے کہ جب تک وہ جا کر آئیں گی نہیں انہیں سکون نہیں ملے گا اسی لئے انہیں جانے سے منع بھی نہ کرتے جبکہ وہ زیادہ سفر نہیں کر سکتی تھیں۔

رضا اور ان کے بڑے بھائی جو دوبئی میں رہائش پذیر تھے ان کی پرورش سفینہ بیگم نے بچپن ہی سے ایسی کی تھی کہ وہ کبھی ان کے فیصلے کے سامنے کچھ بول ہی نہیں سکتے تھے اسی لئے وہ اپنی طبیعت کی بھی پرواہ کیے بنا گاؤں چلی آتی تھیں اور آکر سب گاؤں والوں سے ملتی بھی تھیں، رضا صاحب کہتے ہی رہ جاتے امی اتنی دیر مت بیٹھیے گا زیادہ مت چلیے گا دوائی وقت پر لے لیجیے گا آپ کو تھکن سے بخار بھی ہو سکتا ہے لیکن وہ فون پر بھی ان کی ایک نہ سنتیں۔

ابھی بھی وہ رضا صاحب کی کال سن کر ہی حویلی کے آنگن میں آکر بیٹھی تھیں جہاں گاؤں کی

مکمل ناول

بہت سی عورتیں ان کی آمد کا سنتے ہی ان سے ملنے چلی آئی تھیں، سفینہ بیگم باہر بیٹھیں عورتوں سے باتوں میں مگن تھیں اور وہ تینوں حویلی کے اندورنی حصے میں بیٹھے آرام کررہے تھے۔

''عامر جاؤ آج تم جا کر چائے بناؤ، ہم دونوں ہمیشہ تمہیں تمہاری فرمائش پر چائے پلاتی ہیں آج تم ہمیں پلاؤ، چلو اٹھو جاؤ شاباش انکار کرنے کا تو سوچنا بھی مت اس لئے آرام سے اٹھو اور چائے بنا کر لاؤ۔'' موبائل پہ حرکت کرتیں عامر کی انگلیاں تھم گئیں اس نے نظر اٹھا کر سامنے صوفے پر بیٹھی حیاء کو گہری نگاہوں سے دیکھا اور چند لمحے ٹھہر کر بولا۔

''میں تمہارا ملازم تو نہیں ہوں، جو تم مجھے یوں حکم دے رہی ہو۔''

''اچھا تو جب ہم تمہیں تمہاری فرمائش پر چائے بنا کر پلاتے ہیں تو اس کا مطلب ہے ہم تمہارے ملازم ہیں؟'' حیاء نے تنگ کر کہا۔

''تم لوگوں کا فرض ہے میں تم دونوں سے بڑا ہوں اور بڑوں کا کہنا ماننا چھوٹوں پر فرض ہوتا ہے۔'' عامر نے بے نیازی سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''اوہ اچھا تو چھوٹوں کی بات کا مان رکھنا ان سے محبت سے پیش آنا بڑوں پر فرض ہوتا ہے اسی لئے تم ہماری بات کا مان رکھنے کی خاطر چائے بنا کر لاؤ۔'' حیاء نے منہ بناتے ہوئے کہا تو عامر مسکرا کر بولا۔

''ایسا کرتے ہیں تینوں کچن میں چلتے ہیں اور مل کر چائے بناتے ہیں۔''

''عامر بھائی چائے بنانے کو کہا ہے آپی نے کوئی بریانی کی دیگ نہیں جو اتنے لوگوں کی ضرورت پیش آئے۔'' وشمہ ہنستی ہوئی بولی۔

''اوہو ڈیئر کزنز کیا آپ نے سنا نہیں آکسفورڈ یونیورسٹی سے لڑکیوں کو پرپوز کرنے کے طریقے سیکھنے کی ڈگریاں حاصل کررہا تھا اور ان ڈگریوں کے مل جانے کے بعد میں نے دوبئی میں لڑکیوں کو پرپوز کرنے کا بزنس شروع کردیا ہے۔'' عامر نے قہوے میں دودھ ڈالتے ہوئے سنجیدگی سے کہا تو حیاء مسکرادی۔

''نہیں میں نے ایسا کب کہا لیکن جس ماحول میں تم رہتے ہو اس کے بعد میں تم سے ایسے سوال کی توقع نہیں کرتی تھی اسی لئے مجھے ہنسی آگئی۔''

''لیکن اب جب میں یہ سوال کر چکا ہوں تو مجھے اس کا جواب مل سکتا ہے کہ نہیں؟'' عامر نے اس کی جانب مڑتے ہوئے کہا۔

''بھائی دادو کو چائے نہیں پینی وہ تو اپنی گاؤں کی دوستوں کے ساتھ باتوں میں اتنا مگن ہیں انہیں میری طرف دیکھنے کا بھی موقع نہیں ملا تو چائے پینے کا وقت کہاں ملے گا اسی لئے میں بنا پوچھے یونہی کھڑی ہو کر واپس پلٹ آئی۔'' وشمہ نے معصومیت سے کہا تو وہ دونوں ہی ہنس دیئے۔

''اچھا چلو دادو کو ان کی فرینڈز کے ساتھ انجوائے کرنے دو اور ہم یہاں عامر کے ہاتھ کی چائے کے مزے لوٹتے ہیں۔'' حیاء نے شیلف پر پڑا اپنا چائے کا کپ تھامتے ہوئے کہا۔

وشمہ کے آجانے سے ان کی بات ادھوری رہ گئی تھی، جسے عامر اور حیاء نے دوبارہ ڈسکس کرنا بھی ضروری نہیں سمجھا تھا۔

☆☆☆

میرے ویران کمرے میں، میں اکثر سوچتا ہوں کہ

اگر وہ لوٹ آئے اور مجھے دیکھے تو کیا ہو؟

میرے ہاتھوں میں سگریٹ ہو؟

میری آنکھوں میں جگنو ہوں میرے چہرے پہ

اتفاق میں برکت ہوتی ہے تو ہم سب مل کر چائے بنائیں گے تو تم لوگ دیکھنا کتنی برکت ہوگی۔'' عامر نے شرارت سے آنکھ دباتے کہا تو وہ دونوں بھی ہنس دیں۔

''چلیں چلتے ہیں، آج یا تو چائے بنا کر کچن سے باہر نکلیں گے یا پھر چائے کے نام پر کیا جانے والا کوئی نیا تجربہ۔'' وشمہ نے کھڑے ہوتے ہوئے مسکرا کر کہا تو وہ دونوں بھی اٹھ گئے اور کچن میں چلے آئے۔

''وشمہ جاؤ دادو سے پوچھ کر آؤ وہ چائے پئیں گی کہ نہیں۔'' حیاء نے وشمہ کو کہا تو وہ خاموشی سے باہر کی جانب بڑھ گئی، عامر نے قہوے کے لئے پانی چولہے پر رکھا اور خود حیاء کے قریب آ کر کھڑا ہو گیا۔

''حیاء ایک بات پوچھوں؟'' عامر نے فرش پر دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں پوچھو؟''

''اگر کسی کو پرپوز کرنا ہو تو کیسے کریں گے؟'' اس کے سوال پر حیاء کا جاندار قہقہہ کچن میں گونجا تھا، عامر نے اس کے یوں ہنسنے پر نظر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا۔

''ہنس کیوں رہی ہو؟'' عامر نے سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیونکہ مجھے یقین نہیں آ رہا لندن آکسفورڈ یونیورسٹی سے اپنی اسٹڈیز مکمل کرنے والا دوبئی کا رہائش پذیر ایک اچھے خاصے امیر شخص کا اکلوتا بیٹا اپنی معمولی سی کزن سے اتنا بے ڈھنگا سوال پوچھ رہا ہے کہ کسی کو پرپوز کرنا ہو تو کیسے کرتے ہیں تو مجھے اس کی اس معصومیت پر ہنسی نہیں تو کیا رونا آئے گا؟'' حیاء نے اپنی ہنسی پر قابو پاتے ہوئے کہا۔

''تو تمہارے خیال میں، میں لندن

سوچ کی لکیریں ہوں
میرے کمرے کی الماری کہ جس میں کچھ کتابیں ہوں
محبت کے فسانے ہوں کچھ زخمی سی تحریریں
کہ جن میں لفظ روتے ہوں جنہیں وہ پڑھنا چاہے
تو ہر اک لفظ کے لہجے سے نئے امکان ظاہر ہوں
مگر اے کاش!
اس لمحے وہ چپکے سے آ کر کہہ دے جو کہنا ہے
کہہ ڈالو مجھے تھوڑی سی فرصت ہے
تو میں دھیرے سے کہہ دوں گا کہنا ہے کچھ بھی تو
مجھے تم سے محبت ہے
مجھے تم سے محبت ہے

وہ آنکھیں موندے بیڈ پر لیٹا تھا اس کے سر میں شدید درد تھا جس کی وجہ سے وہ سو بھی نہیں پا رہا تھا، یا پھر اس نے کسی اور وجہ سے جاگنے کو سر درد کا نام دے دیا تھا۔

اس نے آنکھیں کھول کر سامنے وال کلاک پر نظر ڈالی تو رات کے پونے تین بج چکے تھے، وہ بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بیٹھ گیا اور اپنی انگلیوں سے ماتھے کو مسلنے لگا۔

آج سے پہلے اسے اتنا شدید درد کبھی نہیں ہوا تھا، اس نے اٹھ کر کمرے میں ٹہلنا شروع کر دیا۔

میڈیسن لینے کے باوجود سر درد میں کمی نہیں آئی تھی، اس نے بیڈ کی سائیڈ ٹیبل پر رکھا موبائل اٹھایا اور بنا سوچے سمجھے حیاء کا نمبر ڈائل کر دیا۔

رات کے تین بجنے کو تھے اور آج سے پہلے اس نے کبھی خود سے حیاء کو آفس ٹائم کے بعد کال نہیں کی تھی، لیکن آج شاید سر درد نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو دی تھی۔

بیل مسلسل جا رہی تھی لیکن دوسری جانب سے کوئی جواب موصول نہیں ہو رہا تھا، شاید وہ سو چکی تھی، ایک دو بار کال کرنے کے بعد جب حیاء نے فون نہیں اٹھایا تو اس نے اپنا موبائل بیڈ پر پٹخ دیا اور خود سگریٹ جلا کر لمبے لمبے کش لینے لگا۔

وہ نینا کے علاوہ کسی کے سامنے اسموکنگ نہیں کرتا تھا اور گھر میں تو وہ کبھی بھی سگریٹ نہیں پیتا تھا لیکن آج نہ جانے اسے کیا ہو گیا تھا کہ وہ آدھی رات کو سگریٹ پہ سگریٹ پھونک رہا تھا۔

اس نے اے سی فل اسپیڈ پر کر دیا لیکن پھر بھی جیسے اس کو گھٹن محسوس ہو رہی تھی، اس کا سانس پھول رہا تھا وہ نڈھال سا ہو کر بیڈ پر اوندھے منہ لیٹا ہی تھا جب اس کا موبائل وائبریٹ ہونے لگا۔

اس نے ہاتھ بڑھا کر موبائل تھاما تو حیاء کا نمبر چمک رہا تھا۔

مصطفیٰ نے جلدی سے کال ریسیو کر کے موبائل کان سے لگایا۔

''سر! آپ ٹھیک تو ہیں اس وقت کال کر رہے تھے سب ٹھیک ہے نا؟'' حیاء نے کال ریسیو ہوتے ہی فکرمندی سے پوچھا۔

''ہاں سب ٹھیک ہے۔'' مصطفیٰ نے بوجھل آواز میں کہا۔

''سر آپ کی آواز سے آپ کی طبیعت ٹھیک نہیں لگ رہی؟ مجھے بتائیں کیا ہوا ہے؟'' حیاء کا دل مچلنے لگا۔

''کچھ نہیں ہوا۔'' وہ اسی انداز میں بولا۔

''آپ نے آج سے پہلے کبھی مجھے اس طرح کال نہیں کی ضرور کچھ وجہ ہو گی تو آپ نے رات کے اس پہر مجھے فون کیا، بتائیں نا سر کیا بات ہے۔'' حیاء اس کے جوابوں سے مطمئن نہیں ہوئی تھی۔

''تم سو رہی تھی کیا؟'' مصطفیٰ نے اس کی

بات کونظر انداز کرتے ہوئے پوچھا۔

''جی لیٹے لیٹے کب سوگئی پتہ ہی نہیں چلا ابھی تو یونہی موبائل چیک کیا تو آپ کی تین مسڈ کالز تھیں اس لئے میں نے فوراً کال بیک کی کہ آپ کا اس وقت کال کرنا مجھے پریشان کر گیا تھا۔''

''میں نے ہمیشہ پریشان ہی تو کیا ہے پھر آج اتنا حیران ہونے والی کیا بات تھی؟'' مصطفیٰ نے سنجیدگی سے کہا تو حیاء کو اس کی باتوں سے کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔

''سر! آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' وہ بار بار بس ایک ہی سوال دہرا رہی تھی۔

''حیاء تم ہمیشہ مجھ سے کہتی ہو میں تمہیں اچھا لگتا ہوں لیکن تم نے کبھی یہ نہیں بتایا کہ تمہیں مجھ میں کیا کیا اچھا لگتا ہے؟'' مصطفیٰ کے اس سوال پر حیاء کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئیں، یہ آج مصطفیٰ نے کیسا موضوع چھیڑ دیا تھا جس سے وہ ہمیشہ چڑتا تھا اور حیاء سے کہتا تھا کہ پلیز اس سے اس ٹاپک پر بات مت کیا کریں۔

''آپ کی آنکھیں، میرا دل چاہتا ہے آپ کی ان گہری آنکھوں میں ہمیشہ کے لئے کھو جاؤں جہاں سے مجھے کبھی کوئی ڈھونڈ نہ سکے۔'' حیاء اپنے دل پر ہاتھ رکھتے ہوئے مدھم لہجے میں بولی۔

''اور؟'' مصطفیٰ نے اسے مزید سننا چاہا۔

''اور آپ کی آواز، جس میں اک انجانا سا سوز ہے، آپ نہیں جانتے آپ کی آواز میرے کانوں میں رس گھولتی ہے، آپ کا نرم میٹھا لہجہ مجھے پاگل کر دیتا ہے۔'' مصطفیٰ ہلکا سا مسکرایا۔

''اور؟'' وہ اسی لہجے میں بولا۔

''اور آپ کی وجیہہ شخصیت اور ہاں آپ کی ہائیٹ بھی مجھے بہت زیادہ اچھی لگتی ہے۔'' حیاء معصومیت سے پرجوش لہجے میں بولی تو ایک جاندار قہقہہ اس کی سماعتوں سے ٹکرایا اور اس کا کھلا ہوا چہرا اچانک ہی مرجھا گیا اسے لگا مصطفیٰ اس کا مذاق بنا رہا ہے، وہ خاموش ہوگئی جب مصطفیٰ کے اگلے سوال پر چونکی۔

''اور مجھ میں برا کیا لگتا ہے؟''

''یہ آپ کا میری بات پر یوں پاگلوں کی طرح ہنسنا مجھے برا نہیں بلکہ زہر لگتا ہے۔'' حیاء نے منہ بناتے ہوئے اک ادا سے کہا تو وہ پھر سے بے اختیار ہنس دیا۔

''کیا آپ کو میری فیلنگز کا مذاق بنا کر سکون ملتا ہے؟'' حیاء نے بھرائی ہوئی آواز میں پوچھا۔

''ہاں بے حد سکون، بلکہ یوں کہو دلی سکون ملتا ہے۔'' مصطفیٰ نے ڈھٹائی سے کہا۔

''سر آپ مجھے کب آزمانا چھوڑیں گے جب میں یہ دنیا چھوڑ دوں گی۔'' حیاء کی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔

''مجھے نیند آگئی ہے اور رات بھی کافی ہوگئی ہے اب سو جاؤ اور مجھے بھی سونے دو، میرے پاس تمہاری ان فضول باتوں کو سننے کا زیادہ وقت نہیں ہے۔'' وہ اچانک سے اپنی اسی ٹون میں بولنے لگا جس میں وہ ہمیشہ حیاء سے بات کرتا تھا۔

''لیکن کال آپ نے کی تھی اور مجھ سے سوال بھی آپ ہی کر رہے تھے جن کا میں بس جواب دے رہی تھی، اگر آپ کو یہ سب میری فضول باتیں لگتی ہیں تو آپ نے سننا ہی کیوں چاہیں۔'' وہ محسوس کر چکا تھا کہ وہ رو رہی ہے۔

''ٹائم پاس کے لئے، آج میرا وقت نہیں گزر رہا تھا اسی لئے لیکن اب مجھے نیند آرہی ہے اس لئے میں مزید تمہاری ان باتوں کو برداشت نہیں کر سکتا۔'' مصطفیٰ نے سرد لہجے میں کہا اور

حیاء کا جواب سنے بنا کال کاٹ دی، حیاء فون کو دیکھتی رہ گئی، جبکہ مصطفیٰ نے ایک گہرا سانس لیتے سائیڈ ٹیبل پر جلتا لیمپ بجھا دیا اور سونے کے لئے آنکھیں موند لیں۔

☆☆☆

اس کو مصطفیٰ سے بات کرنے کے بعد عجیب سی بے چینی نے آن گھیرا تھا، وہ اٹھ کر حویلی کے اس بڑے سے کمرے میں ٹہلنے لگی جہاں وہ مصطفیٰ سے بیٹھی بات کر رہی تھی، جب اس کا دل مزید بے چین ہونے لگا تو وہ چھت پر چلی آئی جہاں وہ پہلے چارپائی بچھائے لیٹی تھی، عامر اور حیاء وشمہ کی فرمائش پر آج کھلے آسمان کے نیچے سو رہے تھے جبکہ دادو اپنے اسی مخصوص کمرے میں تھیں، ان تینوں کی چارپائیاں ساتھ ساتھ ہی بچھی تھیں درمیان میں عامر اور دائیں بائیں حیاء اور وشمہ کی چارپائی تھی، کچھ دیر پہلے تک وہ ایک دوسرے سے پہیلیاں بوجھ رہے تھے اور اس کے بعد سب باری باری اپنی اپنی پسند کے گانے گا کر سناتے، وشمہ کی نیند آئی تو وہ سو گئی اور وشمہ کے سونے کے بعد عامر بھی جلدی ہی سو گیا تھا لیکن حیاء کی نیند نہ جانے کہاں کھو گئی تھی وہ کتنی دیر کروٹیں بدلتی رہی پھر کچھ لمحوں کے لئے اس کی آنکھ لگی ہی تھی کہ اسے پانی کی پیاس نے جگا دیا اور اسی لمحے اس نے ٹائم دیکھنے کے لئے اپنا موبائل چیک کیا تھا جہاں مصطفیٰ کی کالز دیکھنے کے بعد پہلے وہ چونکی تھی اور پھر پریشان ہو کر نیچے چلی آئی اس نے نیچے آتے ہی مصطفیٰ کا نمبر ڈائل کیا اور خوش قسمتی سے اس کی کال ریسیو کر لی گئی۔

لیکن اب اس سے بات کرنے کے بعد پتہ نہیں کیوں اسے محسوس ہو رہا تھا جیسے اس سے سب کچھ چھین رہا ہے جیسے کوئی اس سے بہت دور جا رہا ہے اور وہ چاہ کر بھی اسے روک نہیں پا رہی۔

وہ اوپر آ کر اپنی چارپائی پر لیٹ گئی اس نے ایک بازو اپنی آنکھوں پر اور دوسرا سر کے نیچے رکھا تھا وہ نہ جانے کن سوچوں میں گم تھی اور ان سوچوں میں گم اس کی آنکھوں سے جو آنسوؤں کی بارش ہو رہی تھی اس سے وہ خود بھی بے خبر تھی۔

''حیاء!'' اسے کسی نے آہستہ سی آواز میں پکارا لیکن اس نے سن کر بھی ان سنی کر دی۔

''حیاء سو رہی ہو؟'' دوبارہ سے مدھم لہجے میں مخاطب کیا۔

''نہیں۔'' حیاء نے عامر کی آواز کانوں میں پڑتے نہ چاہتے ہوئے بھی جواب دے دیا۔

''کیوں اب تک کیوں نہیں سوئی؟'' عامر نے پوچھا۔

''نیند نہیں آ رہی۔'' حیاء نے آنکھوں سے بازو ہٹاتے ہوئے جواب دیا۔

''اور نیند نہ آنے کی کیا وجہ ہے؟'' عامر نے اس کی جانب کروٹ لیتے ہوئے سنجیدگی سے پوچھا۔

''پتہ نہیں کیوں اب مجھے نیند نہیں آتی، میں بہت کوشش کرتی ہوں لیکن سو نہیں پاتی۔'' حیاء کو چاند کو دیکھتے ہوئے جواب دیا جو بالکل اس کے سامنے چمک رہا تھا۔

''تم پریشان ہو؟'' عامر نے چاند کی روشنی میں اس کے چاند جیسے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں تو میں پریشان نہیں ہوں۔'' حیاء نے جبراً لبوں پر مسکراہٹ سجاتے ہوئے جواب دیا۔

حیاء آسمان پر چمکتے ستاروں کو دیکھنے لگی جو افشاں کی صورت آسمان پر بکھرے ہوئے تھے اور ان کی چمک سے جیسے حیاء کا چہرہ بھی دمک رہا تھا۔

''کب تک اکیلی ضبط کرتی رہو گی؟'' حیاء عامر کی اس بات پر چونکی تھی لیکن اس نے کوئی ردعمل نہیں کیا تھا، اس لئے انجان بنتی ہوئی بولی۔

''ضبط، میں کہاں کچھ ضبط کر رہی ہوں، تم تو نہ جانے کیا کیا اندازے لگاتے رہتے ہو۔''

''حیاء تم جانتی ہو میں کوئی بھی بات ایسے نہیں کہہ دیتا، میری ہر بات کے پیچھے کوئی نہ کوئی اہم وجہ ضرور ہوتی ہے۔'' عامر نے بھی اب چاند کو دیکھ رہا تھا۔

''عامر!'' حیاء کی آواز میں تھکن تھی، ایسی تھکن جسے ہر انسان محسوس نہیں کر سکتا۔

''کہو حیاء کیا بات ہے؟'' عامر نے نرم لہجے میں کہا۔

''عامر مجھے وہ شخص پاگل کر دے گا، مجھے لگتا ہے کہ اس کے پاس کوئی جادو ہے جو وہ مجھ پر پڑھ کر پھونکتا ہے اور مجھے اپنے سحر میں جکڑ لیتا ہے اور میں چاہ کر بھی اس سے چھٹکارا حاصل نہیں کر سکتی۔'' حیاء کی آواز میں گہرا سوز تھا جو عامر محسوس کر رہا تھا۔

''کون ہے وہ شخص؟'' عامر نے مدھم آواز میں پوچھا۔

''عامر وہ جو بھی ہے لیکن سب سے الگ ہے اس جیسا اللہ نے شاید کوئی دوسرا بنایا ہی نہیں، یا پھر یوں سمجھو مجھے اس جیسا کوئی اور لگتا ہی نہیں۔'' حیاء نے دل چیر نے والی مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے کہا تو عامر خاموش ہو گیا۔

''عامر اگر مجھے وہ نہ مل سکا تو میں شاید جی نہیں پاؤں گی۔'' حیاء نے دکھ بھرے لہجے میں کہا۔

''میں تمہیں اتنی آسانی سے مرنے نہیں دوں گا۔'' عامر نے اس کا موڈ اچھا کرنے کی خاطر شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا تو حیاء نے اس کی جانب کروٹ بدل لی۔

''کیوں تمہیں تو سب سے زیادہ خوشی ہوگی نا میری موت پر کہ مجھ سے لڑنے والی مجھے ہر وقت گھر سے نکالنے والی مجھے تنگ کرنے والی مر گئی اب سکون سے چھٹیاں گزار کر جایا کروں گا۔'' حیاء نے نم آنکھوں سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''حیاء!'' عامر کا رخ حیاء کی جانب تھا۔

''ہوں۔''

''حیاء مجھے تمہاری آنکھوں میں آنسو نہیں بلکہ تمہارا وہ واٹر پروف کاجل ہی اچھا لگتا ہے۔'' عامر نے نرم لہجے میں ہنستے ہوئے کہا تو حیاء بھی ہنس دی۔

''اور جب تم مجھے خود تنگ کر کے رلاتے ہو تب تمہیں میرے واٹر پروف کاجل کا خیال نہیں رہتا؟'' حیاء نے جان بوجھ کر منہ بناتے ہوئے پوچھا۔

''نہیں میں نے کبھی تمہیں رلانا نہیں چاہا، میں تو ہمیشہ تمہیں خوش دیکھنا چاہتا ہوں۔''

''عامر تمہیں اگر وہ نہ ملی تو تم کیا کرو گے؟'' حیاء نے بغور اس کو دیکھتے ہوئے اس کی بات نظر انداز کر کے اپنا سوال پیش کیا۔

''میں بھی اس کے بغیر مر جاؤں گا۔'' عامر نے حیاء کی آنکھوں میں دیکھ کر جواب دیا۔

''تو پھر کیوں نہ ایک ساتھ ہی مر جائیں۔'' حیاء شرارت سے بولی۔

''نہیں مجھے اتنی جلدی بھی نہیں ہے۔'' عامر نے ہنس کر جواب دیا۔

''حیاء!'' عامر نے اس کا ہاتھ تھام لیا حیاء چونکی تھی۔

''حیاء تم بہت اچھی ہو بہت زیادہ، میں تمہاری خوشی کی خاطر اس انسان سے خود بات

کروں گا تم بس مجھے ایک بار اس کا نام بتا دو۔‘‘
حیاء اس کے اس انداز پر پہلے حیرت سے اسے دیکھتی رہی پھر مسکرا کر بولی۔
’’محبت میں سفارشیں نہیں چلتیں عامر، محبت میں صرف دل کی چلتی ہے جس سے کوئی زبردستی نہیں کرسکتا۔‘‘
’’انہیں مجھ سے محبت نہیں ہے تو اس میں نہ ان کا قصور ہے اور نہ کسی اور کا، مجھے ان سے محبت ہے تو ضروری نہیں انہیں بھی مجھ سے محبت ہو، لیکن عامر میں ان سے اپنے دل کے جذبات اس لئے نہیں چھپا پائی کیونکہ ان کو دیکھتے ہی میرا خود پر اختیار نہیں رہتا اور میں نہ چاہتے ہوئے بھی وہ سب کچھ بولتی چلی جاتی ہوں جو شاید وہ سننا بھی نہیں چاہتے۔‘‘ حیاء نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا۔
’’سو جاؤ اب مجھے بھی نیند آہی ہے۔‘‘ حیاء نے بات کا رخ بدلنا چاہا اور جان بوجھ کر آنکھیں بند کرلیں، عامر جانتا تھا وہ سو نہیں رہی سونے کی ایکٹنگ کررہی ہے۔
وہ اس کی بند آنکھوں سے لرزتی پلکوں کی جھالر کو چاند کی روشنی میں بھی دیکھ رہا تھا اور اسے دیکھتے دیکھتے وہ کب نیند کی وادیوں میں کھو گیا اسے خبر نہیں تھی۔

☆☆☆

میری دھڑکن کا اعتراف سنو
کیا میرا بولنا ضروری ہے

وہ سفیدے کے درخت کے نیچے کھڑا سیلفیاں لے رہا تھا جب وشمہ بھی اندر سے بھاگتی ہوئی اس کی جانب چلی آئی۔
’’بھائی چلیں میری بھی کچھ تصویریں بنائیں۔‘‘ وشمہ نے درخت کے ساتھ لگتے ہوئے پیارا سا پوز دیتے ہوئے کہا تو سامنے کرسی پر بیٹھی ہوئی حیاء ہنس دی، عامر نے مڑ کر اس کی جانب دیکھا، جو اس کے عقب میں بیٹھی تھی۔
’’ہنس کیوں رہی ہیں؟‘‘ وشمہ نے آبرو اچکا کر پوچھا۔
’’تمہارے پوز پر، جو کہ ہر بار ایک ہی ہوتا ہے۔‘‘ حیاء نے مسکرا کر جواب دیا۔
’’تو آپ کچھ نئے پوز بتا دیں پھر۔‘‘ عامر، وشمہ کی فرمائش پر مسکرایا تھا۔
’’مجھے تصاویر بنانے کا شوق نہیں تو پوز کیسے آئیں گے۔‘‘ حیاء نے بے نیازی سے جواب دیا۔
’’جیسے میرے پوز کو آپ نے تنقید کا نشانہ بنایا ویسے ہی میرے لئے اب آپ کو مجھے جیسے بھی کرکے نئے پوز بتانے پڑیں گے۔‘‘ وشمہ اس کے گلے پڑ گئی تھی، حیاء نے سوچا اس نے ویسے ہی اسے چھیڑ دیا۔
’’چھوڑو وشمہ میں تمہیں بتاتا ہوں تصویریں کیسے بناتے ہیں اس حیاء جیسی پینڈو لڑکی کو اب کیا پتہ بھلا ایسی باتوں کا۔‘‘ عامر نے حیاء کو چڑانے کی خاطر کہا اور وہ چڑ بھی گئی۔
’’ہاں بس ایک تم ہی شہری ہو، ہم سب تو ہیں ہی پینڈو سب کچھ تمہیں ہی تو آتا ہے۔‘‘ حیاء نے جل کر کہا تو وشمہ اور عامر دونوں کا جاندار قہقہہ فضا میں گونجا۔
’’آپی آپ جانتی ہیں عامر بھائی آپ کو تنگ کرنے کے لئے ایسا کرتے ہیں آپ پھر بھی کیوں ان کی باتوں پر غصہ کر جاتی ہیں۔‘‘ وشمہ نے اپنی ہنسی دباتے ہوئے کہا۔
’’تم تو ہو ہی اپنے کدو جیسی شکل والے بھائی کی چہیتی، اس کی سائیڈ لوگی نا۔‘‘ حیاء نے عامر کو دیکھ کر کہا تو وہ اپنے نئے نام پر پہلے حیران ہوا اور پھر بے ساختہ قہقہہ لگاتا ہوا ہنس دیا۔

''اب تم خود ہری مرچ ہو تو تمہیں باقی سب کے چہرے بھی سبزیوں جیسے ہی دیکھیں گے نا۔'' عامر کی بات نے اس کو مزید جلا کر رکھ دیا تو وہ بنا کچھ کہے پاؤں پٹختی ہوئی اندر سفینہ بیگم کے کمرے میں چلی آئی جہاں وہ ابھی ظہر کی نماز پڑھ رہی تھیں، حیاء ان کے پاس ہی زمین پر بیٹھ کر انہیں نماز پڑھتا دیکھنے لگی۔

وہ اپنی نماز میں اتنا مگن تھیں کہ انہیں حیاء کی آمد نے بھی متوجہ نہیں کیا تھا، جب وہ نماز پڑھ کر دعا کے بعد اٹھیں تو حیاء کے منہ پر پھونک مارتی ہوئی بیڈ پر آن بیٹھی۔

''دادو آپ اردگرد کے ماحول سے کتنی بے نیاز ہو کر نماز پڑھتی ہیں نا، میرا بھی بہت دل چاہتا ہے کہ جب میں نماز پڑھوں تو مجھے آس پاس کی اور اس دنیا کی کوئی چیز بھی اپنی جانب متوجہ نہ کر پائے اور میں پورے دل سے اللہ سے ہم کلام ہو سکوں، لیکن دادو نہ جانے کیوں مجھے نماز میں بہت وسوسے آنے لگتے ہیں، پھر میرا نماز میں ویسا دھیان نہیں رہتا جیسا ہونا چاہیے۔'' حیاء نے فکر مند ہوتے کہا، حیاء کی بات پر پہلے وہ ہلکا سا مسکرائیں اور پھر محبت سے نرم لہجے میں بولیں۔

''مکھیاں زیادہ تر ہمیشہ میٹھی چیز پر ہی بیٹھتی ہیں، چور ہمیشہ چوری مالدار جگہ پر کرتا ہے اور لوگ ہمیشہ پتھر شیشے کے گھروں میں پھینکتے ہیں تو ایسا کیسا ممکن ہے شیطان ایک مومن کے دل میں وسوسے ڈالنے سے باز رہے۔'' ان کی بات پر حیاء نے بغور ان کو دیکھا اور پھر مدھم لہجے میں بولی۔

''لیکن پھر بھی میں چاہتی ہوں میں جب اللہ سے رجوع کروں تو شیطان مجھے بالکل تنگ نہ کرے۔''

''تو پھر اللہ کا قرب پانے کی کوشش کرو، جتنا خود کو اللہ سے قریب کرو گی، شیطان اتنا اپنے ارادوں میں ناکام ہوگا۔'' انہوں نے تسبیح اٹھاتے ہوئے کہا۔

''ہوں، ٹھیک کہا آپ نے۔'' حیاء نے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

''اچھا آپ کی میڈیسن کا بھی وقت ہو گیا ہے میں آپ کے لئے دودھ لے کر آتی ہوں پھر میڈیسن کھا کر آپ کچھ دیر آرام کر لیں۔'' حیاء نے باہر کی جانب بڑھتے ہوئے کہا تو سفینہ بیگم بیڈ پر سیدھی ہو کر بیٹھ کر خاموشی سے اللہ کا ذکر کرنے لگیں۔

☆☆☆

''میں چاہتا ہوں اب جلد از جلد تمہاری منگنی کر دی جائے، جب لڑکی بھی دیکھی بھالی ہے اور رشتہ پہلے ہی سے طے ہے تو رسم بھی اب کر دینی چاہیے۔'' لان میں بیٹھے مصطفیٰ کی لیپ ٹاپ پر حرکت کرتی انگلیاں ایک لمحے کو تھم گئیں، اس نے اصغر صاحب کی بات پر نظر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا اور پھر سے لیپ ٹاپ کی جانب متوجہ ہو گیا۔

''میں آج ہی اس بارے میں تمہارے چاچو سے بات کرتا ہوں، اگر انہیں کوئی اعتراض نہیں ہے تو ہم کچھ دن میں ہی منگنی کی بھی تقریب رکھ لیتے ہیں، ویسے بھی صدف لندن سے آنے والی ہے اس کے ہوتے ہی رسم ادا کر لیں گے۔'' انہوں نے اپنی بڑی بیٹی کا نام لیتے ہوئے کہا جو شادی کے بعد لندن شفٹ ہو چکی تھی، مصطفیٰ بنا کوئی جواب دیئے خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔

''ہاں آپ بھائی صاحب سے بات کر لیں تو پھر کوئی سا بھی دن مقرر کر کے منگنی کی تقریب رکھ لیں۔'' مصطفیٰ کی والدہ شرمین جو پاس ہی بیٹھی تھیں مصطفیٰ کی جگہ جواب دیتے ہوئے

بولیں۔

''ہوں چلو آج ہی میں اجمل کو فون کر کے بات کرتا ہوں پھر کچھ سوچتے ہیں۔'' انہوں نے اپنے بھائی کا نام لیتے ہوئے اثبات میں سر ہلاتے ہوئے کہا۔

مصطفیٰ خاموشی سے اپنے والدین کی گفتگو سن کر اپنا کام کرتا رہا جب اسے اپنے سیل پر آنے والے میسج نے اپنی جانب متوجہ کیا۔

آج شدت سے دل چاہ رہا ہے
میں بند آنکھیں کھولوں
اور تم سامنے ہو

حیاء کا میسج پڑھنے کے بعد اس نے لیپ ٹاپ آف کیا اور اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا، کمرے میں آنے کے بعد اس نے حیاء کا نمبر ڈائل کیا۔

''کہاں ہو؟'' کال ریسیو ہوتے ہی اس نے سوال کیا۔

''ابھی تک تو گاؤں میں ہوں۔'' حیاء اس کے اس سوال پر الجھی تھی لیکن اس نے جواب دینے میں دیر نہیں کی۔

''کب تک واپس آ جاؤں گی؟'' مصطفیٰ نے عجیب انداز میں پوچھا۔

''ابھی دو چار دن مزید رکنے کا ارادہ ہے۔'' حیاء نے بتایا۔

''ہوں اوکے گاؤں کا ایڈریس میسج کر دو مجھے کچھ ضروری پیپرز پوسٹ کروانے ہیں جن کو کل تک تمہارا اسٹڈی کرنا بہت ضروری ہے۔''

''لیکن سر میں آ کر بھی تو آفس کا کام کر سکتی ہوں اب چھٹیوں میں بھی سر پر کام کا بوجھ لے کر گھوموں گی تو فائدہ ان چھٹیوں کا۔'' حیاء نے منہ بسورتے ہوئے کہا۔

''تم ایڈریس دے رہی ہو کہ نہیں؟'' مصطفیٰ مزید کچھ سننے کے موڈ میں نہیں لگ رہا۔

''اوکے میسج کر دیتی ہوں۔'' اس کے کہنے کی دیر تھی کہ مصطفیٰ نے کال کاٹ دی، حیاء کا دل چاہا موبائل سامنے دیوار پر دے مارے، لیکن وہ جانتی تھی ایسا کر کے کچھ حاصل نہیں ہوگا اسی لئے اس نے میسج میں ایڈریس ٹائپ کیا اور اسے سینڈ کر دیا۔

☆☆☆

آج موسم صبح ہی سے ابر آلود تھا شام سے بارش مسلسل ہوتی جا رہی تھی، دادو کی طبیعت آج کچھ ناساز تھی اس لئے وہ جلدی ہی سو گئی تھیں اور عامر اپنے کمرے میں تھا وشمہ دادو کے پاس تھی جب کہ حیاء لیپ ٹاپ پر جھکی اپنی میلز چیک کر رہی تھی جب اس کے موبائل پر آنے والی کال نے اسے چونکا دیا، حیاء نے جلدی سے کال ریسیو کی۔

''دروازہ کھولو۔'' حیاء نے سمجھا اسے سننے میں کچھ غلطی ہوئی ہے۔

''سر! آپ نے کیا کہا مجھے سنائی نہیں دیا۔'' حیاء نے ڈرتے ڈرتے کہا۔

''میں نے کہا باہر کا دروازہ کھولو۔'' حیاء کو لگا مصطفیٰ اس سے مذاق کر رہا ہے باہر رات کے گیارہ بجے طوفانی بارش میں بھلا وہ جا کر حویلی کا گیٹ کیوں کھولے اس لئے وہ منہ بناتی ہوئی بولی۔

''سر! آپ مجھے اتنا بھی پاگل مت سمجھیں کہ میں آپ کے کہنے پر رات کے گیارہ بجے بادلوں کی گرج چمک میں جا کر دروازہ کھول دوں گی۔''

''حیاء میں حویلی کے گیٹ پر کھڑا ہوں تم دروازہ کھولنے آ رہی ہو کہ میں رضا انکل سے کال کروا کر کہوں کہ دروازہ کھلوایا جائے۔'' مصطفیٰ

نے سنجیدگی سے کہا۔

حیاء کو ابھی بھی لگ رہا تھا وہ مذاق کرنے کے موڈ میں ہے لیکن حیاء نے کبھی مصطفیٰ کو مذاق کرتے نہیں دیکھا تھا اس لئے وہ ڈرتی ڈرتی اٹھی اور کمرے کے دروازے میں آ کر کھڑی ہو گئی۔

باہر ابھی بھی مسلسل بارش برس رہی تھی اور اس شدید بارش میں رات کے اس پہر مصطفیٰ کہہ رہا تھا وہ حویلی کے گیٹ پر کھڑا ہے یہ بات مذاق ہی تو لگنے والی تھی۔

''حیاء میں بارش میں بھیگ چکا ہوں دروازہ کھولو۔'' مصطفیٰ کی آواز پر وہ چونکی اور فون بند کرتی ہوئی بھاگ کر باہر کی جانب بڑھی، حویلی کی لائٹ اس وقت بند تھیں صرف راہداری میں جلتی کینڈل کی روشنی چارسو بکھری تھی۔

حویلی کے گیٹ تک پہنچتے وہ خود بھی تیز بارش کی وجہ سے پوری طرح بھیگ گئی، حیاء نے دروازہ کھولا تو وہ بیچ میں اس کے سامنے کھڑا تھا، مصطفیٰ نے نظر بھر کر سامنے کھڑی حیاء کو دیکھا، حیاء ساکت کھڑی اسے دیکھتی جا رہی تھی، جب مصطفیٰ کی آواز پر وہ چونکی۔

''کیا میں اندر آ سکتا ہوں؟'' حیاء جلدی سے اسے راستہ دیتی ہوئی گیٹ سے ہٹ گئی اور وہ قدم بڑھاتا ہوا حویلی کے اندرونی حصے میں چلا آیا۔

حیاء بھی بے ترتیب دھڑکنوں کو قابو کرنے کی کوشش میں تیز تیز قدم بڑھاتی ہوئی اس کے پیچھے بھاگی، وہ کینڈل کی زرد روشنی میں کھڑا اپنے کپڑوں کو جھاڑنے لگا جو پوری طرح گیلے ہو چکے تھے۔

''سر! آپ اس وقت یہاں؟'' حیاء نے اپنی حیرت کو چھپاتے ہوئے خود کو نارمل ظاہر کرتے پوچھا، مصطفیٰ نے نظر اٹھا کر سامنے کھڑی اس نازک گڑیا کو دیکھا، جس کے چہرے پر بھی بارش کی بوندیں بکھری ہوئی تھیں اور چہرہ نکھرا نکھرا لگ رہا تھا جیسے پھولوں پر شبنم کے قطرے چمک رہے ہوں۔

''ہوں بس کچھ ضروری کام تھا بلکہ یوں سمجھو بہت ضروری کام جو آج ہر حال میں ہو جانا ضروری تھا۔'' مصطفیٰ نے اس کی جانب بڑھتے ہوئے کہا تو حیاء کو لگا وہ کوئی خواب دیکھ رہی ہے۔

''حیاء!'' مصطفیٰ نے دو قدم کے فاصلے پر کھڑی حیاء کو مدھم لہجے میں پکارا مگر وہ جواب میں چاہ کر بھی جی نہیں بول پائی اور خاموشی سے اس کو دیکھتی رہی، کچھ تھا آج جو اس میں نیا تھا جو آج سے پہلے حیاء محسوس نہیں کر پائی تھی۔

''تم مجھ سے کتنی محبت کرتی ہو حیاء؟'' اب ان دونوں میں صرف ایک قدم کا فاصلہ باقی تھا، حیاء کو اپنی سانسیں تھمتی ہوئی محسوس ہونے لگیں، مصطفیٰ کے اس وقت اس پوزیشن میں کیے جانے والے سوال نے اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کھو دی تھی، وہ بت بنی اسے دیکھتی رہی۔

''بتاؤ حیاء میں تم سے کچھ پوچھ رہا ہوں؟'' مصطفیٰ نے پہلے کی نسبت ذرا بلند آواز میں پوچھا تو وہ سکتے سے باہر آئی اور چند ثانیے بعد بولی۔

''میں نہیں جانتی مجھے آپ سے کتنی محبت ہے سر لیکن میں اتنا ضرور جانتی ہوں میں آپ کے بغیر جی نہیں پاؤں گی۔'' حیاء نے نظریں جھکائے ہوئے کہا۔

''اور اگر میں کہوں کے تمہیں ہر حال میں میرے بغیر جینا ہے اور یہ میرا حکم ہے تو؟'' وہ کینڈل کی زرد ہلکی ہوتی روشنی میں بھی حیاء کے چہرے کا جائزہ لے سکتا تھا، جہاں اس وقت عجیب سی بے چینی تھی۔

''آپ کا حکم سر آنکھوں پر لیکن حکم کے نام پر مجھے محبت کرنے کی غلطی کی سزا مت سنائیں، میں مر جاؤں گی سر میں آج تک اسی آس پر زندہ ہوں کہ کبھی تو آپ کا دل بھی نرم ہوگا کبھی تو آپ بھی موم ہوں گے ہی، لیکن اب مجھے محسوس ہو رہا ہے سچ میں آپ کے سینے میں دل نہیں بلکہ دل کی جگہ کوئی پتھر ہے جو شاید کبھی نہیں پگھل سکتا، آپ اتنے ظالم ہیں کہ آپ کے سامنے میں تڑپ تڑپ کر مر بھی جاؤں گی تو آپ جھوٹ ہی سہی مگر کبھی یہ نہیں کہیں گے حیاء مجھے تم سے محبت ہے۔'' حیاء کی آنکھوں سے بہتے اشک اس کے گالوں پر بکھرنے لگے۔

اس کی بات پر مصطفیٰ نے ایک جھٹکے سے اس کی کلائی کو اپنی گرفت میں تھاما اور اس کو دیوار سے لگاتے ہوئے سخت لہجے میں بولا۔

''چپ کر جاؤ۔'' اس نے حیاء کے ہونٹوں پر اپنی شہادت کی انگلی رکھتے ہوئے کہا تو حیاء سہم کر خاموش ہوگئی، مصطفیٰ کی گرفت اتنی مضبوط تھی کہ اس کی نازک کلائی دکھ رہی تھی لیکن وہ چاہ کر بھی اس تکلیف پر آہ نہیں کرنا چاہتی تھی، وہ اس کے قریب تھا بہت قریب۔

''آج میں بولوں گا اور تم چپ چاپ مجھے سنو گی۔'' اچانک بادل گرجے تو حیاء خود میں ہی سمٹ گئی۔

''تم اتنی بے وقوف کیوں ہو حیاء یا پھر میں یوں کہوں کے تم اتنی معصوم کیوں ہو، تمہیں مجھ سے محبت ہے اس بات کا تم اعلان کرتے نہیں تھکتی لیکن میرے دل میں تمہارے لئے کیا ہے یہ تم خود کیوں نہیں سمجھتی، کیوں ہر بار مجھے یہی کہتی رہی کہ میں ظالم ہوں بے رحم ہوں پتھر دل انسان ہوں جو کبھی کسی سے محبت نہیں کر سکتا۔'' اس کی کلائی ابھی بھی مصطفیٰ کی گرفت میں تھی لیکن اب اس نے ہاتھ ڈھیلا چھوڑ دیا۔

''حیاء ضروری نہیں جو اپنی محبت کا اظہار نہیں کرتے وہ پتھر دل انسان ہوں۔'' اس کا سخت لہجہ اچانک دھیما ہو گیا۔

''کچھ لوگ مجبور بھی تو ہو سکتے ہیں، مجبوریاں انسان کو سخت بے حس اور ظالم سب کچھ بنا دیتی ہیں۔'' حیاء خاموشی سے اس کو سنتی جا رہی تھی۔

''حیاء تم بہت اچھی لڑکی ہو، تم وہ واحد لڑکی ہو جس کو میں کبھی کسی تکلیف میں نہیں دیکھنا چاہتا، جس کو میں نے ہمیشہ عزت کی نگاہ سے دیکھا ہے اور تم ہی وہ واحد لڑکی ہو جس سے میں ہمیشہ دور بھاگتا رہا ہوں، جس کو میں نے ہرٹ کرنے میں کبھی بھی کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا، جس کو میں کبھی اپنے جذبات اپنی دل کی باتیں نہیں بتانا چاہتا تھا لیکن آج......''

''آج میرے صبر کا پیمانہ ٹوٹ گیا ہے حیاء آج میں اس بات کا تمہارے سامنے اعتراف کر لینا چاہتا ہوں جس کو میں تنہائی میں بھی ماننے سے ڈرتا تھا۔''

''حیاء مجھے تم سے محبت ہے، بے پناہ محبت......'' کہتے کہتے مصطفیٰ نے اپنا سر اس کے ماتھے سے ٹکا دیا، کینڈل کی زرد روشنی اچانک بجھ گئی، حیاء کی آنکھوں سے آنسو کسی سیلاب کی صورت بہہ رہے تھے اور مصطفیٰ کی آنکھوں کی نمی اسے اس کی بھرائی ہوئی آواز سے محسوس ہو رہی تھی۔

''حیاء جیسے تم میرے بنا نہیں رہ پاؤ گی ویسے میں بھی تم بن مر جاؤں گا۔'' اندھیرا چار سو بکھر گیا ہر چیز جیسے تھم سی گئی تھی، مصطفیٰ اس کے کندھے پر سر رکھے بوجھل آواز میں بولتا جا رہا تھا اس کی آنکھوں کی نمی حیاء کے وجود کو اندر تک سلگا

رہی تھی، اسے لگ رہا تھا یہ سب ایک سیراب ہے۔

وہ انسان جس کو اس نے کبھی کھل کر ہنستے نہیں دیکھا تھا جس کو کبھی اس نے بنا کسی کام کے فضول بولتے نہیں دیکھا تھا وہ شخص جس کی آنکھوں میں ہر وقت عجیب سی مغروریت نظر آتی تھی وہ انسان آج اس کے کندھے پر سر جھکائے یوں نڈھال سا ہو کر نم آنکھوں سے اپنی محبت کا اظہار کر رہا تھا۔

وہ خاموش ہو گیا، حیاء اسی پوزیشن میں ساکت کھڑی رہی، ہر طرف گہری خاموشی تھی جیسے اس خاموشی کے بعد بہت بڑا طوفان آنے والا تھا، ایسا طوفان جس کی لپیٹ میں آ کر کچھ لوگ جان سے بھی گزر سکتے تھے۔

باہر بارش تھم چکی تھی لیکن اندر بارش اب برسنا شروع ہوئی تھی۔

☆☆☆

تو پارہ پارہ ہو گیا ہے
مفت میں استخارہ ہو گیا ہے
تھا میسر تو دوسروں کا تھا
جاتے جاتے ہمارا ہو گیا ہے
ہم کیا ہوئے ذرا خفا تم سے
جس کو دیکھو تمہارا ہو گیا ہے
ایک طرف سے میں رد کیا گیا ہوں
ایک طرف سے اشارہ ہو گیا ہے
کب تھا اتنا حسین حجاب میں وہ
جتنا چھونے سے پیارا ہو گیا ہے

''رات کافی ہو گئی ہے آپ کو میں روم دکھا دیتی ہوں آپ جا کر آرام کر لیں اور روم میں الماری میں عامر کے کپڑے بھی ہوں گے آپ تبدیل کر لیجیے گا بھیگے ہوئے کپڑوں میں سو گئے تو بیمار ہو جائیں گے۔'' حیاء نے نظریں جھکائے کمرے کی جانب بڑھتے ہوئے کہا تو مصطفیٰ بھی خاموشی سے اس کے پیچھے چلتا کمرے تک آ گیا۔

حیاء نے کمرے کا دروازہ کھول کر اسے اندر جانے کا راستہ دیا اور خود دروازے سے ہی واپس پلٹنے لگی تو مصطفیٰ نے اس کا ہاتھ تھام کر اسے روک لیا، حیاء نے نظر اٹھا کر اس کی آنکھوں میں دیکھا جہاں اس لمحے ویرانی کے سوا کچھ بھی نہیں تھا۔

''میں تم سے بہت محبت کرتا ہوں حیاء!''

''میں نے تمہیں ہمیشہ تکلیف دی ہے لیکن اب میں چاہتا ہوں تم خوش رہو ہنسو کھیلو اور اپنی لائف کو انجوائے کرو حیاء۔'' وہ سانس لینے کو رکا تو حیاء کو لگا وہ جو کہنا چاہتا ہے وہ سن نہیں پائے گی۔

''حیاء تم بہت اچھی ہو میں تمہارے قابل نہیں ہوں، میں نے کبھی تمہاری محبت کی قدر نہیں کی، تم مجھے بھول جانا کوئی برا خواب سمجھ کر۔''

''سر!'' حیاء کو لگا کسی نے اس سے جینے کی امید چھین لی ہو وہ اسی لئے اس کے پاس نہیں

رکنا چاہتی تھی، وہ جانتی تھی اسے کسی غیر معمولی پن کا احساس ہو رہا تھا کہ وہ ضرور کچھ ایسا کہے گا جو حیاء نہیں سننا چاہتی اور اس نے وہی کہا تھا جو وہ سچ میں نہیں سننا چاہتی تھی، حیاء کو سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اس کے اظہار محبت پر خوش ہو یا پھر اس کے سنائے جانے والے فیصلے پر روئے۔

''حیاء میں تم سے محبت کرتا ہوں لیکن میں اپنی خوشی کے لئے والدین کو کبھی دھوکہ نہیں دے سکتا جنہوں نے آج مجھے اس مقام پر پہنچایا ہے، مجھے پڑھا لکھا کر ایک کامیاب انسان بنایا ہے، حیاء میرے والدین جتنے ہی آزادانہ ماحول میں کیوں نا رہتے ہوں لیکن میرے پاؤں میں زنجیر آج بھی وہی پرانے رسموں رواج ہی ہیں، مجبور صرف بیٹیاں ہی نہیں بیٹے بھی ہوتے ہیں۔''

''حیاء میں نے کبھی تم سے کوئی وعدہ نہیں کیا، میں نے کبھی تمہیں کوئی خواب نہیں دکھائے کیونکہ حیاء میں نے خود بھی کبھی خواب نہیں دیکھے میں نہیں جانتا خوابوں کی دنیا کیسی ہوتی ہے لیکن میں اتنا ضرور جانتا ہوں کہ حقیقت میں جینے والے بھی کم تکلیف سے نہیں گزرتے، خواب ٹوٹنے پر انسان بکھر جاتا ہے، لیکن کچھ حقیقتوں کو مانتے مانتے انسان جان سے گزر جاتا ہے، میں نہیں جانتا کہ کیا ہوگا لیکن حیاء جو بھی ہو جائے تم کبھی حوصلہ مت ہارنا، تم بہت باہمت لڑکی ہو، میں تمہیں زندگی میں ہمیشہ کامیاب دیکھنا چاہتا ہوں۔'' وہ نہ جانے کیا کچھ بول رہا تھا حیاء کو کچھ سمجھ نہیں آ رہا تھا وہ اس کی باتوں کے جواب میں کیا کہے۔

وہ یہ بھی سمجھنے سے قاصر تھی کہ وہ جب اس سے محبت کرتا تھا تو اس سے دور جانے کی باتیں کیوں کر رہا تھا، جب وہ اس کے دل میں بستی تھی تو اس کی زندگی میں کیوں نہیں رہ سکتی تھی، جب اس کے خیالوں میں حیاء تھی تو حقیقت میں اس کا شریک سفر کون تھا، اس کا ذہن ماؤف ہو چکا تھا، مصطفیٰ بھی بولتے بولتے چپ ہو گیا اور بغور اسے دیکھنے لگا، کچھ لمحوں کی خاموشی کے بعد وہ کھوئے کھوئے سے انداز میں بولی۔

''میں نے کبھی ایسی شرط نہیں رکھ کہ مجھے آپ سے محبت ہے تو بدلے میں آپ بھی مجھ سے محبت کریں، کیونکہ میں جانتی ہوں یہ دل کا معاملہ ہے جس میں زبردستی نہیں کی جا سکتی، ہم اپنی زندگی کے ساتھ سمجھوتا تو کر سکتے ہیں مگر دل کے ساتھ زبردستی نہیں کر سکتے۔'' وہ مدھم لہجے میں بولی تھی۔

''مجھے سمجھ نہیں آ رہا کہ آج کی رات مجھے رونا چاہیے یا پھر آپ کے اظہار محبت پر جشن منانا چاہیے، میں نہیں سمجھ پا رہی کہ آپ مجھے کیا سمجھانا چاہ رہے ہیں لیکن میں اتنا ضرور کہنا چاہتی ہوں کہ خود کو کبھی میری محبت کا پابند مت سمجھئے گا، لیکن ہاں میں خود کو آپ کی پابند ضرور کر چکی ہوں اس لئے مجھ سے کبھی یہ مت کہیئے گا کہ میں آپ سے ہٹ کر بھی کچھ سوچوں، میری محبت کا سفر لاحاصل ہو سکتا ہے لیکن سر اس لاحاصل کے سفر میں اپنے ساتھ میں کسی دوسرے کی زندگی عذاب بھی نہیں بناؤں گی۔''

مصطفیٰ اس کی بات کے جواب میں کچھ بول نہیں سکا اور وہ چند ثانیے خاموش کھڑی فرش کو دیکھتی رہی اور پھر بنا کچھ کہے اپنے کمرے میں چلی آئی۔

☆☆☆

پوری رات اس نے جاگ کر بتائی تھی ایک لمحے کو بھی وہ رات سو نہیں سکی تھی، صبح کے نو بجے تو وہ منہ ہاتھ دھو کر کچن میں چلی آئی جہاں عامر پہلے سے کھڑا اپنے لئے چائے بنا رہا تھا۔

اس نے حیاء کو دیکھا تو بس دیکھتا ہی چلا گیا، حیاء اس کی نظروں کے حصار سے بچنے کی خاطر دوسری جانب رخ کر کے پانی پینے لگی۔

''تمہاری آنکھو سے لگ رہا ہے کہ تم رات روتی رہی ہو۔'' عامر کی آواز پر وہ پلٹی نہیں اور نہ ہی جواب میں کچھ بولی۔

''کیا بات ہے طبیعت تو ٹھیک ہے نا؟'' عامر نے اس کے سامنے آ کر پوچھا تو وہ نظریں جھکا کر اثبات میں سر ہلاتے ہوئے باہر کی جانب بڑھنے ہی لگی کہ عامر نے اس کا راستہ روک لیا۔

''رات کو کون آیا تھا؟'' عامر نے اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''سر مصطفیٰ! ان کو کل یہیں گاؤں کے قریب ہی کوئی کام تھا تو واپسی پر دیر ہو گئی اس لئے وہ جانتے تھے ہم لوگ حویلی آئے ہوئے ہیں تو وہ چلے آئے ویسے بھی رات کو کافی بارش تھی تو انہوں نے اتنی بارش میں واپس لاہور جانا مناسب نہیں سمجھا۔'' حیاء نے صفائی سے جھوٹ بولا تھا، جبکہ کل مصطفیٰ کسی کام کی خاطر نہیں صرف اس کی خاطر گاؤں آیا تھا۔

''ہوں صحیح۔'' عامر نے سرد لہجے میں کہا۔

''دادو اٹھ گئی ہوں گی تم چلو میں ناشتہ بنا کر لاتی ہوں سب کے لئے، تب تک سر بھی جاگ جائیں گے اور ہاں دادو کو بھی سر کے آنے کی خبر دے دینا۔'' اس نے عامر کو باہر کی جانب جاتا دیکھ کر بولا تو اس نے اثبات میں سر ہلا دیا اور خود سب کے لئے ناشتہ بنانے لگی، ناشتہ بنا کر کچن سے باہر آئی تو سب لوگ ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھے تھے سوائے مصطفیٰ کے، حیاء نے اس کے کمرے کی جانب قدم بڑھائے اور دروازہ کھلا دیکھ کر بنا دستک دیئے اندر چلی آئی کمرہ خالی تھا اور واش روم کا دروازہ بھی کھلا تھا۔

''سر کہاں گئے؟'' حیاء نے کمرے کے وسط میں کھڑے سوچا اور قدم بڑھاتی ہوئی باہر کی جانب ہی آ رہی تھی کہ عامر سے ٹکراتی بچی۔

''تم نے سر کو کہیں دیکھا؟'' حیاء نے بے چینی سے پوچھا۔

''وہ تو جا چکے ہیں۔'' عامر نے کندھے اچکا کر جواب دیا۔

''جا چکے ہیں مطلب! اتنی صبح وہ کہاں جا سکتے ہیں۔'' حیاء نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے اضطرابی سے پوچھا۔

''دادو تو بتا رہی تھیں وہ جب فجر کی نماز کے لئے جاگی تھیں تو انہوں نے اس وقت مصطفیٰ کو باہر گاڑی کی جانب جاتے دیکھا تھا جب انہوں نے اسے روکا تو اس نے بتایا کہ اسے بہت ضروری کام ہے اس لئے وہ رک نہیں سکتا اور رات کا کافی بارش تھی اس لئے وہ یہاں ٹھہر گیا، ورنہ وہ رات ہی کام نمٹا کر واپس لاہور جانے والا تھا۔'' عامر نے مزید بتایا، حیاء کے چہرے پر چھائی اداسی عامر محسوس کر چکا تھا۔

''ناشتہ ٹھنڈا ہو رہا ہے دادو تمہارا انتظار کر رہی ہیں اب جلدی آ جاؤ۔'' عامر کہتا ہوا پلٹ گیا تو حیاء کا دل چاہا چیخ چیخ کر رو دے۔

مصطفیٰ بھی کیا شخص تھا صرف اپنی من مرضیا کرنے والا، جب دل چاہا آ گیا جب دل چاہا چلا گیا، جب دل چاہا بات کر لی، جب دل چاہا نظر انداز کر دیا، جب دل چاہا اسے سر آنکھوں پر بٹھا لیا اور جب دل چاہا اسے آسمان سے لا کر زمین پر پٹخ دیا، آخر وہ کیوں ایسا کرتا تھا، حیاء کھڑی کھڑی بے بسی سے رو رہی تھی، اس کا ناشتہ کرنے کا بھی دل نہیں چاہ رہا تھا، لیکن دادو کی خاطر مجبوراً اس نے واش روم میں جا کر، پہلے اپنا آنسوؤں میں

بھیگا چہرہ صاف کر کے خود کو نارمل کیا اور پھر باہر چلی آئی جہاں دادو کے ساتھ ساتھ عامر اور وشمہ بھی اس کے منتظر تھے۔

☆☆☆

میں نے رنج و عالم کے سوا آج تک کیا یاد ہے تمہیں
اور تم ہو کہ پھر بھی بھلاتے نہیں چھوڑ جاتے نہیں
مجھ سے کہتی ہے تو خود اس کی آنکھیں چھلکنے پے آ جاتی ہیں
اپنی آنکھوں کے کونے میں ٹھہری ہوئی بارشوں کو مکمل چھپاتے ہوئے مسکراتے ہوئے
اپنے رسموں رواجوں میں جھلکی کبھی دیکھی وحشت کے قصے سناتے ہوئے
اس کے لہجے میں صحرا سمٹ آتا تھا
جب وہ کہتی محبت جدائی کا ہی دوسرا نام ہے
اس کی آواز اس کے گلے میں ہی راستہ بھٹک جاتی تھی
اپنی آنکھوں میں آنسو چھپاتے ہوئے مسکراتے ہوئے
جب وہ کہتی بچھڑنا حقیقی محبت کی معراج ہے
میری آنکھوں میں پھیلے ہجر کی وسعتیں دیکھتی
میری ٹوٹی سمٹتی بکھرتی ہوئی چاہتیں دیکھتی
میرے چہرے پر پھیلے ہوئے کرب کو دیکھ کر
مجھ سے اکثر وہ پاگل کہا کرتی تھی
یاد رکھنا!!!
یاد رکھنا ہی محبت نہیں
بھول جانا بھی تو ایک اعزاز ہے
یہ محبت ہے لاحاصلی کا سفر
کیا یہ بہتر نہیں ہے پلٹ جائیں ہم
جانتے ہو جدائی لکھی جا چکی ہے
کیا یہ اچھا نہیں ہے
کسی موڑ پر ہاتھ ہلاتے ہوئے ہی بچھڑ جائیں ہم

آج اس کی منگنی کی تقریب تھی، سب تیاریاں مکمل ہو چکیں تھیں لیکن پھر بھی کہیں کچھ ادھورا پن محسوس ہو رہا تھا، وہ میرون کرتا شلوار میں ملبوس ہمیشہ کی طرح بے حد پیارا لگ رہا تھا۔

''ارے واہ آج تو چاند سے بھی زیادہ پیارا لگ رہا ہے ہمارا بھائی۔'' صدف جو کل ہی کی فلائٹ سے لاہور پہنچی تھی مصطفیٰ کو تیار ہوتا دیکھ کر خوشدلی سے بولی۔

''شکریہ ویسے میں ہمیشہ ہی بہت پیارا لگتا ہوں۔'' مصطفیٰ نے ہنس کر کہا تو وہ خوشدلی سے مسکرائی۔

''ہاں وہ تو ہے لیکن ایمان بھی کچھ کم پیاری نہیں اس لئے تم اس پر اپنی خوبصورتی کا روعب کبھی نہیں جھاڑ سکتے۔'' صدف نے ہنستے ہوئے اپنی چچازاد کزن کا نام لیا جواب اس کی بھابھی بننے جا رہی تھی، مصطفیٰ نے نظر اٹھا کر صدف کو بغور دیکھا اور عجیب سے لہجے میں بولا۔

''میں نے کبھی اسے اتنے غور سے دیکھا نہیں کہ میں اس کی خوبصورتی پر کچھ تبصرہ کر سکوں اور نہ ہی مجھے اس کے حسن میں کوئی خاص دلچسپی ہے، جیسی بھی ہے ابوامی کے پسند کی ہے اس لئے خوبصورت نہ بھی ہوتی تو مجھے قبول کرنا ہی پڑتا۔''

''ایسا کیوں بول رہے ہو مصطفیٰ؟'' صدف نے اس کے قریب آ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

''کیونکہ آپ سب نے ہمیشہ میری زندگی کا فیصلہ اپنی پسند سے اپنی مرضی سے کیا ہے اس لئے ایمان اگر پیاری نہ بھی ہوتی تو مجھے کوئی شکوہ نہیں تھا، آپ سب سے۔'' مصطفیٰ نے سرد لہجے میں جواب دیا اور پرفیوم پکڑ کر خود پر چھڑ کنے لگا۔

''کیا تمہیں ایمان پسند نہیں؟'' صدف نے ڈرتے ہوئے یہ سوال پوچھا کہ اس کا جواب نہ میں مت ہو۔

''پسند ہے۔'' مصطفیٰ نے اس کی جانب دیکھے بغیر کہا تو اس نے سکون کا گہرا سانس لیا۔

''ہم سب تم سے بہت پیار کرتے ہیں، تم ہمارے اکلوتے لاڈلے بھائی اور امی ابو کے چہیتے بیٹے ہو، اس لئے کبھی ایسا مت سوچنا کہ ہم کبھی تمہارے لئے کچھ غلط فیصلہ کریں گے۔''

''کاش میں آپ کا لاڈلا بھائی اور امی کا چہیتا بیٹا نہ ہوتا۔'' مصطفیٰ نے دل ہی دل میں سوچا۔

''ابو کو تم پر بہت مان ہے مصطفیٰ، پورے خاندان کے لوگ فخر کرتے ہیں ابو پر کہ اصغر کا بیٹا اپنے والدین کا بہت فرمانبردار ہے کبھی ماں باپ کے فیصلے پر اف بھی نہیں کرتا، سب کہتے ہیں ایک ہے لیکن دس کے برابر ہے، اصغر جو فیصلہ کر لے مصطفیٰ کبھی اس میں نہیں بولتا۔''

''کاش آپ سب میرے بولے بنا میری خاموشی کو سمجھ پاتے، جان پاتے کے میں اب بڑا ہو چکا ہوں کوئی دس برس کا بچہ نہیں رہا جو اپنی زندگی کے فیصلے بھی خود نہ کر پائے، لیکن ابو نے تو میری زندگی کے فیصلے میرے پیدا ہوتے ہی کر دیئے تھے، میں کس سکول جاؤں گا میں کس یونی میں کون سے جیکٹس پڑھوں گا، میں کیا بزنس کروں گا میں کیسے دوست بناؤں گا اور سب سے اہم فیصلہ میں کس سے شادی کروں گا۔'' اس کی سوچ کی پورش اسے نہ جانے کہاں سے کہاں لے گئی تھی کہ اسے اندازہ بھی نہیں تھا صدف اس کے کمرے سے جا چکی تھی، اس نے ایک نظر خود کو آئینے میں دیکھا اور باہر چلا آیا جہاں سب مہمان اس کی آمد کے منتظر تھے، کیونکہ آج کی محفل کی جان وہ تھا جو خود اندر سے بے جان ہونے جا رہا تھا، وہ سیڑھیاں اتر رہا تھا جب اس کی نظر ہال میں داخل ہوتے رضا صاحب اور شمسہ بیگم پر پڑی۔

مصطفیٰ نے شدت سے اللہ کے حضور دعا مانگی کے ان کے ہمراہ حیاء نہ ہو اور وہ دعا قبول ہوئی تھی حیاء نہیں تھی، وہ ہوتی بھی کیسے وہ تو گاؤں تھی اس کیا خبر تھی یہاں کیا ہونے جا رہا تھا، مصطفیٰ نے آگے بڑھ کر رضا صاحب اور شمسہ بیگم کو ویلکم کیا اور پھر دوسرے مہمانوں کی جانب متوجہ ہو گیا، کچھ ہی دیر بعد منگنی کی رسم بھی ادا کر دی گئی، مصطفیٰ کی انگلی میں ایمان کے نام کی انگوٹھی نے ڈیرہ جما لیا اور ایمان کی انگلی میں مصطفیٰ کے نام کی انگوٹھی چمکنے لگی، مصطفیٰ سافٹ ڈرنک کا گلاس تھامے کھڑا تھا جب کسی کی آواز پر پلٹا۔

''آخر کار تم نے ثابت کر ہی دیا کہ تم ایک بزدل مرد ہو جس میں اپنی زندگی کا اتنا اہم فیصلہ لینے کی بھی ہمت نہیں، جو اپنے باپ کے سامنے یہ نہیں بول سکا کہ میں کسی سے محبت کرتا ہوں اور اسی کو اپنی شریک حیات بنانا چاہتا ہوں۔'' نینا نے طنزیہ مسکراہٹ لبوں پر سجاتے ہوئے کہا تو مصطفیٰ چند ثانیے اس کو دیکھنے کے بعد بولا۔

''میں نے بزدلی کا نہیں فرمانبرداری کا ثبوت دیا ہے میں اپنے والدین کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتا۔'' مصطفیٰ نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

''اوہ پلیز یہ فرمانبرداری کا رونا میرے سامنے مت رو، تم نہ جانے کس صدی میں جی رہے جو ایسی ٹیپکل باتیں کرتے ہو۔''

''نینا انسان جس بھی صدی میں جی رہا وہ بولتا اور کرتا وہی ہے جو شروع سے اسے سکھایا جائے۔'' مصطفیٰ نے نظریں چرا کر جواب دیا۔

''مجھے تم سے ایسی بے وقوفوں جیسی امید ہرگز نہیں تھی، سیاست میں آ کر بھی تم سیاست کھیلنا نہیں سیکھے۔'' نینا نے غصہ قابو کرتے ہوئے پھر

سے طنزیہ مسکراہٹ سے کہا۔
''رشتوں میں سیاست نہیں جذبوں کا کھیل کھیلا جاتا ہے جن میں، میں ہمیشہ ہار جاتا ہوں مجھے کبھی اپنے دل کی باتیں کسی سے کہنی نہیں آئیں، میں کبھی کسی کو نہیں بتا سکا کہ میں کب کیا چاہتا ہوں کیا سوچتا ہوں، میری اپنی بھی کوئی مرضی ہے، میرے بھی کوئی جذبات ہیں۔'' مصطفیٰ نے الجھے ہوئے لہجے میں کہا۔
''مصطفیٰ تمہیں ایک بار صرف ایک ضرور انکل سے حیاء کے بارے میں بات کرنی چاہیے تھی وہ تمہارے بنا مر جائے گی مصطفیٰ!'' نینا نے اس کو سمجھانا چاہا۔
''نینا، ابو نے مجھ سے میری زندگی کا اتنا اہم فیصلہ کرتے وقت ایک بار بھی نہیں پوچھا بس مجھے کہا اب تمہاری منگنی کی تقریب طے کر دی گئی ہے تو مطلب کر دی گئی ہے۔''
''میرا اور ایمان کا رشتہ تو انہوں نے بچپن میں ہی طے کر دیا تھا، اگر میں اب انکار کرتا تو خاندان میں ایمان کو بھی بہت سی ناگوار باتوں کا سامنا کرنا پڑتا اور چاچو ابو سے ہمیشہ کے لئے رشتہ ختم کر لیتے اور ان کے ایسا کرنے کی وجہ سے ابو مجھے کبھی معاف نہ کرتے، میں ان کا اکلوتا بیٹا ہوں ان کی ساری امیدیں مجھ ہی سے ہیں لیکن نینا مجھے ان سے بہت سی شکایتیں ہیں، انہوں نے مجھے بچپن سے اب تک ہر آسائش دی اچھے سکول میں پڑھایا اچھے کالج یونی سے تعلیم دلوائی اچھا کھانے کو دیا اور اچھا پہننے کو، لیکن نینا وہ مجھے کچھ بھی نہ دیتے بس ایک بار کہہ دیتے مصطفیٰ تم جب چاہو اپنی زندگی کا کوئی بھی اہم فیصلہ لے سکتے ہو تو نینا میں اپنی زندگی میں کبھی ان کے فیصلے کے خلاف نہ جاتا لیکن اپنی زندگی کا ایک فیصلہ تو اپنی مرضی سے کر سکتا۔'' نینا کو لگا اس کی مسکراتی آنکھوں میں نمی اترنے لگی۔
''حیاء میرے دل میں رہتی ہے جہاں اسے میں نے اپنی مرضی سے بسایا ہے لیکن ایمان میری زندگی میں آئی ہے جہاں میرے والدین کی چلتی ہے، اس لئے اسے بھی میرے نہیں ہمیشہ میرے والدین کے طور طریقوں کے مطابق چلنا ہوگا۔''
''حیاء سے مجھے محبت ہے نینا لیکن ایمان میری مجبوری اور مجبوریوں کے اس سفر میں محبت ہمیشہ ہار جاتی ہے۔'' مصطفیٰ کی آواز میں گہرائی تھی۔
نینا کو سمجھ نہیں آیا وہ اب جواب میں کیا کہے، اس نے لڑکیوں کو تو ماں باپ کے سامنے مجبور ہوتے دیکھا تھا لیکن کسی لڑکے کو یوں ان حالات میں پہلی بار دیکھ رہی تھی۔
اسے پہلی بار مصطفیٰ جیسا بارعب شخصیت کا مالک مرد اتنا کمزور اور زندگی سے ہارا ہوا انسان لگ رہا تھا، اسے اس کی اس بے بسی پر رحم بھی آ رہا تھا اور غصہ بھی لیکن وہ کیا کر سکتی جب کچھ کرنے والا خود کچھ کرنا نہیں چاہتا تھا۔
''جو بھی ہے تمہیں اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرنا چاہیے تھا۔'' نینا سے رہا نہ گیا تو بول دی۔
''میری زندگی میں مجھے سب کچھ سکھایا گیا سوائے خود فیصلے کرنے کے۔'' مصطفیٰ کی آواز میں عجیب سی بے چینی تھی جسے وہ سب سے چھپا رہا تھا، لیکن نینا پھر بھی اس کی کیفیت کو بھانپ رہی تھی۔
''اوکے اب میں چلتی ہوں اپنا خیال رکھنا۔'' وہ کہتی ہوئی کھڑی ہوگئی۔
''کھانا کھا کر جانا۔'' مصطفیٰ نے اسے روکنا چاہا۔
''تم پریشان ہو تو مجھے بھوک کیسے لگ سکتی

ہے۔'' نینا نے پھیکی سی مسکان لبوں پر سجا کر کہا تو مصطفیٰ نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھا اور اے سی آف کرنے کے لئے باہر تک آیا۔

''تم نے حیاء کے بارے میں سوچا کہ جب اسے تمہاری منگنی کی خبر ہو گی تو اس کا کیا ردعمل ہو گا۔'' نینا نے چلتے چلتے پوچھا۔

''میں اسے سمجھانے کی کوشش کروں گا تو وہ ضرور سمجھ جائے گی۔'' مصطفیٰ نے یقین سے کہا۔

''بس ایک یہ ہی تو اس کی خامی ہے وہ ہر بات پیار سے سمجھ جاتی ہے اور پیار پیار میں لوگ اس کو چوٹ پہنچا جاتے ہیں۔'' نینا کے انداز میں چھپا طنز مصطفیٰ محسوس کر چکا تھا لیکن اس نے کوئی جواب نہیں دیا اور نینا کے گاڑی میں بیٹھتے ہی خود بھی واپس اندر چلا آیا جہاں اس کے دوست اور کزنز اس کے ساتھ تصویریں بنانے کے منتظر تھے۔

☆☆☆

آج وہ گاؤں سے واپس لوٹے تھے لیکن حیاء کا موڈ کل ہی کی طرح آج بھی گم صم ہی تھا جو عامر اچھی طرح محسوس کر چکا تھا اس نے اس کا موڈ بہتر کرنے کی کوشش بھی کی مگر ناکام رہا۔

وہ جان گیا تھا حیاء کی زندگی میں آنے والا مرد کوئی اور نہیں مصطفیٰ ہی ہے، اسے آج سے پہلے کبھی مصطفیٰ سے جیلسی فیل نہیں ہوئی تھی وہ جب بھی اس سے ملتا تھا بہت اچھی طرح ملتا تھا۔

پرسوں رات جب حیاء کمرے سے روتی ہوئی نکلی تھی تو عامر اس کی آنکھوں کے بھیگے کونے دیکھ چکا تھا اس نے کمرے میں موجود شخص کو دیکھا اور وہیں سے واپس پلٹ گیا اور اسے پہلی بار مصطفیٰ پر بے حد رشک بھی محسوس ہوا اور اسے جلن بھی۔

کیونکہ حیاء ہی تو وہ لڑکی تھی جسے عامر نے ہمیشہ سے چاہا تھا، بچپن سے اب تک اسی کے خواب دیکھے تھے، لیکن حیاء کی پسند جاننے کے بعد عامر نے اپنے دل کو سمجھا لیا تھا جو بھی ہو جائے وہ حیاء کی خوشی کی خاطر خاموش رہے گا اور حیاء کو اس کی محبت دلانے کی ہر ممکن کوشش کرے گا، مصطفیٰ اور حیاء کی فیملی کے چونکہ کافی پرانے اور اچھے تعلقات تھے اس لئے دونوں فیملیز ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتی بھی تھیں۔

☆☆☆

اصغر اور رضا صاحب اپنے کالج وقت کے دوست تھے اور پھر بعد میں کافی عرصہ دونوں نے ایک ساتھ مل کر بزنس بھی کیا تھا، اصغر صاحب کی کامیابیوں کے پیچھے بہت بڑا ہاتھ رضا صاحب کا بھی تھا، لیکن چونکہ اصغر صاحب کو سیاست میں زیادہ دلچسپی تھی اس لئے مصطفیٰ کی اسٹڈیز مکمل ہوتے ہی انہوں نے سارا بزنس اس کے حوالے کیا اور خود سیاست میں آ گئے مصطفیٰ نے پہلے پہل رضا صاحب کے ساتھ کام کیا اور جب اسے بھی بزنس کے طور طریقے سمجھ میں آنے لگے تو اس کا شمار بھی رضا صاحب کی طرح بہت جلد کامیاب بزنس مینز میں ہونے لگا، رضا صاحب کی چونکہ دو ہی بیٹیاں تھیں اور بیٹا کوئی نہیں تھا اس لئے ان کی خواہش تھی کہ حیاء ان کا بزنس سنبھالے لیکن اس سے پہلے اس نے رضا صاحب کے کہنے پر چند ماہ مصطفیٰ کے ساتھ اس کے آفس میں کام کرنا تھا تا کہ وہ بزنس کے طور طریقے اور اصولوں کو اچھی طرح سمجھ جائے۔

حیاء، مصطفیٰ کو اس کے آفس جوائن کرنے کے بعد نہیں بلکہ اس وقت سے چاہتی تھی جب اس نے پہلی بار مصطفیٰ کو اپنے گھر میں دیکھا تھا، وہ لندن سے لوٹا تھا اور اپنے والدین کے ہمراہ ان کے گھر آیا تھا اس سے پہلے حیاء نے مصطفیٰ کا

صرف ذکر سن رکھا تھا لیکن دیکھنے کے بعد تو وہ بس اسی کی ہو گئی تھی کچی عمر میں کی جانے والی محبت اب بہت پکی ہو چکی تھی، حیاء میٹرک کی اسٹوڈنٹ تھی اور مصطفیٰ گریجویشن کر چکا تھا، اس کے بعد وہ جب کبھی بھی ان کے گھر آتا تو وہ بس اسے دیکھ کر مسکرایا کرتی اور خاموشی سے اسے دیکھتی رہتی۔

مصطفیٰ کو اس کا یوں اپنی جانب مائل ہونا کبھی متوجہ نہیں کر سکا تھا کیونکہ وہ ایک میچور شخص تھا جبکہ حیاء اس وقت کافی امیچور تھی، سولہ برس میں کی جانے والی محبت اکیس برس میں آنے تک بہت پختہ ہو چکی تھی، سولہ برس کی لڑکی اتنی بھی امیچور نہیں ہوتی کہ اپنے اندر اٹھنے والے جذبوں کے طوفان سے انجان رہے، کچی عمر کی محبتیں کبھی کبھار بہت پکی ہو جاتی ہیں اور اس کی محبت بھی بہت پکی ہو چکی تھی، دن گزرنے کے ساتھ مصطفیٰ کے لئے اس کی محبت میں اضافہ ہوتا چلا جارہا تھا، اس کی محبت خون کی طرح اس کے وجود میں گردش کرتی تھی۔

سولہ سال کی بچی اور اکیس سال کی لڑکی کی سوچ میں فرق تو آجاتا ہے مگر جذبات وہی رہتے ہیں، اسے کل بھی مصطفیٰ سے بے پناہ محبت تھی جب وہ محض سولہ برس کی تھی اور اسے آج بھی مصطفیٰ سے دیوانوں سی چاہت تھی جب اس کی عمر اکیس برس ہو گئی تھی۔

عورت ذات اپنے جذبات چھپا تو سکتی ہے مگر ہار نہیں سکتی، مصطفیٰ کی محبت کے نام کا بویا گیا بیج اب تناور درخت بن چکا تھا جس کو وہ کاٹ بھی دیتی تو اس کی مضبوط جڑیں پھر بھی اس میں باقی رہ جاتیں، محبت شے ہی ایسی ہے جب ایک بار دل میں جنم لے لے تو پھر اس کو ختم کرنا مشکل ہی نہیں ناممکن بھی ہو جاتا ہے، انسان جان سے چلا جاتا ہے مگر یہ محبت دل سے کبھی نہیں جاتی، اس لئے اس کو دل کے دروازے سے ہی واپس بھیج دینا چاہیے کیونکہ ہر کوئی اس قدر بہادر نہیں ہوتا کہ اس درد دل کو زندگی بھر روگ بنا کر جی سکے۔

☆☆☆

ناشتے کے لئے وہ ڈائننگ ٹیبل پر پہنچی تو رضا صاحب اور شمسہ بیگم پہلے سے وہاں موجود تھے، حیاء نے کرسی پر بیٹھتے ہوئے انہیں سلام کیا اور اپنے لئے گلاس میں جوس انڈیلنے لگی۔

''آج ریسٹ کر لیتی تو کل سے آفس چلی جاتی۔'' شمسہ بیگم نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے کہا۔

''پہلے ہی کافی چھٹیاں ہو چکی ہیں اور میں کون سا وہاں سے تھک کر آئی ہوں سارا دن آرام ہی کیا کرتی تھی۔'' حیاء نے گلاس لبوں سے لگاتے ہوئے کہا۔

''ہوں مصطفیٰ کی منگنی کی تقریب میں بھی سب تمہارا پوچھ رہے تھے کہ حیاء کیوں نہیں آئی۔'' شمسہ نے اپنا چائے کا کپ تھامتے ہوئے کہا تو حیاء کے ہاتھ سے گلاس چھوٹتے چھوٹتے بچا، اسے لگا کسی نے اس کے سر پر بم بلاسٹ کیا ہو، اس کے کانوں میں سائیں سائیں کی آوازیں گونجنے لگیں، اسے لگا وہ اپنی جگہ پر برف کی مانند جم گئی ہے اور اب یہاں سے کبھی ہل نہیں سکے گی، دل اچانک کسی ایسے بوجھ تلے آن دبا تھا جس کا وزن اس کی برداشت سے کئی گناہ زیادہ تھا۔

اس کا کھلا چہرہ دفعتاً زرد پڑ گیا تھا جیسے وہ صدیوں سے بیمار ہی ہو، اس کے سوچنے سمجھنے کی صلاحیت کام نہیں کر رہی تھی وہ غائب دماغی سے سامنے بیٹھی شمسہ بیگم کو دیکھ رہی تھیں لیکن وہ کیا کہہ رہی تھیں اسے کچھ سنائی نہیں دے رہا تھا۔

''کیا ہوا؟'' شمسہ بیگم اسے یوں بنا پلک

جھکیے ساکت بیٹھ دیکھ کر کچھ پریشان ہوگئیں۔
''کک...... کچھ...... نہیں...... میں...... چلتی ہوں۔'' وہ جلدی سے وہاں سے اٹھ کر باہر اپنی گاڑی میں آبیٹھی وہ جانتی تھی وہ مزید وہاں رکتی تو خود پر قابو نہیں رکھ پاتی، گاڑی میں بیٹھتے ہی اس کی آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے جنہیں اس نے بے رحمی سے انگلیوں کی پوروں سے رگڑ کر صاف کیا اور گاڑی اسٹارٹ کر کے آفس کے لئے نکل گئی، سارا راستہ وہ روتی رہی تھی لیکن آفس کے سامنے پہنچتے ہی اس نے اپنے آپ پر قابو پایا اور سیدھا مصطفیٰ کے آفس میں چلی آئی وہ دستک دیئے بنا اندر داخل ہوئی تو مصطفیٰ سامنے کرسی کی پشت سے ٹیک لگائے بیٹھا سگریٹ کے لمبے لمبے کش لے رہا تھا، حیاء نے پہلی بار اس کے ہاتھوں میں سگریٹ دیکھا تھا وہ حیاء کو دیکھتا ہی سیدھا ہوگیا، مصطفیٰ کی آنکھوں میں سنجیدگی تھی اور اس کی آنکھوں میں نمی، مصطفیٰ نے اسے مخاطب کیئے بنا سگریٹ پاس پڑی ایش ٹرے میں بجھا دیا، وہ قدم قدم چلتی اس کے روبرو آن کھڑی ہوئی۔

''سر!'' حیاء نے مدھم آواز میں پکارا۔
''ہوں۔'' مصطفیٰ نے ٹیبل پر بازو پھیلائے ہوئے ہنکارا بھرا۔
''آپ مجھے اتنے اچھے کیوں لگتے ہیں؟'' حیاء نے نم آنکھوں سے مصطفیٰ کو دیکھتے ہوئے کہا تھا مصطفیٰ کا دل چاہا آج وہ خود بھی اس کی اور اپنی بے بسی پر جی بھر کر روئے۔
''آپ کی غلطیاں آپ کی خامیاں آپ میں برائیاں کچھ بھی ایسا نہیں جو مجھے آپ سے نفرت کرنے پر مجبور کر سکے، میں چاہ کر بھی آپ سے ناراض نہیں ہو پاتی میں چاہ کر بھی آپ کو آپ کی غلطیوں کی کبھی سزا نہیں دے پاتی لیکن سر شاید آپ نے بھی مجھے آخری حد تک آزمانے کی قسم کھا رکھی ہے، آپ جب محبت مجھ سے کرتے ہیں تو آپ نے منگنی کسی اور سے کیوں کی میں اس بارے میں آپ سے کبھی کوئی سوال نہیں کروں گی، کیونکہ میں جانتی ہوں آپ انکل سے بہت محبت کرتے ہیں کبھی ان کے فیصلے کے خلاف نہیں جا سکتے لیکن سر کیا میری محبت اتنی بے مول ہے کہ آپ نے مجھے کبھی اپنے دل کی باتیں کھل کر بتانا بھی گوارہ نہیں کیا۔''
''میرا دل چاہتا ہے آپ سے جھگڑا کروں بہت زیادہ غصہ کروں اور آپ سے ناراض ہو جاؤں لیکن سر میں جانتی ہوں اگر میں آپ سے ناراض ہوگئی تو آپ مجھے منانے کی بھی کوشش نہیں کریں گے، سر آج آپ نے میری امید کو ہمیشہ کے لئے توڑ دیا ہے، میں سمجھتی تھی میری محبت میں اتنی طاقت تو ہوگی ہی کہ آپ میری نہیں تو اپنی خاطر ضرور دنیا والوں سے ٹکرا جائیں گے، لیکن سر میری محبت بھی میری طرح کمزور اور بے بس ہی نکلی۔'' بولتے بولتے اس کی آواز بھر آئی، مصطفیٰ کو لگا آج وہ لڑکی اس کے ضبط کو توڑ ڈالے گی، وہ سمجھ رہا تھا وہ اس وقت کس درد سے گزر رہی ہے لیکن وہ حیاء کے سامنے کمزور نہیں پڑنا چاہتا تھا۔
''سر آپ کو بہت سکون ملتا ہے نا مجھے یوں روتا دیکھ؟'' حیاء نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نم آنکھوں سے پوچھا۔
''ہاں بے حد دلی سکون ملتا ہے۔'' مصطفیٰ نے جان بوجھ کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔
''سر پلیز مجھے ہمیشہ کے لئے خود سے دور کر کے مجھ پر اتنا بڑا ظلم مت کریں ورنہ میں مر جاؤں گی۔'' حیاء اس کا ہاتھ مضبوطی سے تھام کر رو پڑی تو مصطفیٰ کو لگا اس کو سانس لینے میں مشکل ہو رہی

ہے، کوئی اس کی سانس روک رہا ہے، مصطفیٰ نے ایک جھٹکے سے اپنا ہاتھ اس کی گرفت سے آزاد کیا۔

''ابھی تم چلی جاؤ یہاں سے۔''

''میں نہیں جاؤں گی۔''

''تو میں زبردستی چھوڑ آؤں گا۔''

''آپ مجھ سے زبردستی نہیں کر سکتے۔''

''میں سب کچھ کر سکتا ہوں، سمجھی۔''

''جی مجھ سے محبت کے علاوہ مجھے ہمیشہ اپنے ساتھ رکھنے کے علاوہ آپ سب کچھ کر سکتے ہیں۔'' حیاء کی آواز میں چھپا طنز وہ محسوس کرتے ہوئے اسے گھورنے لگا، وہ نہ پیار سے سمجھنے والی تھی نہ غصے سے۔

''اچھی لڑکیاں یوں ضد نہیں کرتیں اس لئے ابھی یہاں سے چلی جاؤ۔''

''اور اچھے لڑکے بھی اس طرح کسی کو دکھ نہیں دیتے۔''

''آخر تم چاہتی کیا ہو حیاء؟'' مصطفیٰ کے صبر کا پیمانہ جواب دے رہا تھا۔

''حیاء صرف اور صرف مصطفیٰ کی محبت اور اس کا ساتھ چاہتی ہے۔'' حیاء کے منہ سے مصطفیٰ کا نام خوب جچا تھا، حیاء نے پہلی بار اس کا نام لیا تھا، مصطفیٰ نے ٹیبل پر رکھی سگریٹ کی ڈبی سے سگریٹ نکالا اور وال گلاس کے سامنے کھڑا سگریٹ سلگانے لگا، حیاء اس کو خاموشی سے دیکھنے لگی۔

''حیاء خود کو بار بار یوں میرے سامنے بے بسوں کی طرح مت لایا کرو تم نہیں جانتی مجھے تمہیں اس حالت میں دیکھ کر کتنی تکلیف پہنچتی ہے، روتی تم ہو دل میرا تڑپتا ہے۔'' مصطفیٰ نے گلاس وال سے باہر جھانکتے ہوئے اس کو دیکھے بغیر سوز بھری آواز میں کہا۔

''آج کے بعد نہیں روؤں گی۔'' حیاء نے جلدی سے اپنے آنسو صاف کیے۔

''میں کبھی کچھ ایسا نہیں کروں گی جس سے آپ کو تکلیف پہنچے۔''

''تو پھر مجھ سے محبت کرنا بھی چھوڑ دو حیاء، تم جب مجھ سے محبت کا اظہار کرتی ہو میں تب تب اندر سے بے بس ہونے لگتا ہوں اور میں کمزور پڑنا نہیں چاہتا۔'' مصطفیٰ نے گہرا سانس خارج کرتے ہوئے کہا۔

''آپ سے محبت کرنا نہ کرنا میرے بس میں نہیں لیکن آج کے بعد میں آپ کے سامنے اپنی محبت کا اظہار بھی نہیں کروں گی، آپ جیسے چاہتے ہیں میں ویسا ہی کروں گی۔'' حیاء درد بھری مسکراہٹ لبوں پر سجائے ہوئے بولی تو مصطفیٰ کو اس پر ٹوٹ کر پیار آیا، اس کا دل چاہا آج وہ اپنی فرمانبردار محبت کے سامنے اپنے باپ کی نافرمانی کر جائے، لیکن وہ خاموشی سے اسے دیکھتا رہا۔

''منگنی مبارک ہو، اللہ آپ کو ہمیشہ خوش رکھے، میں ہمیشہ آپ کے لئے دعا گو رہوں گی۔'' حیاء نے قصداً مسکرا کر کہا اور پھر مزید وہاں رکے بنا واپس پلٹ گئی، مصطفیٰ کے آفس سے نکل کر آج وہ اپنے کیبن میں نہیں بلکہ سیدھا اپنی گاڑی میں چلی آئی تھی اور بے مقصد سڑکوں پر گاڑی دوڑانے لگی، نہ وہ گھر جانا چاہتی تھی اور نہ واپس آفس، آج وہ کسی ایسی جگہ جانا چاہتی تھی جہاں صرف خاموشی ہو سکون ہو، لیکن اس دنیا میں کوئی ایسا ٹھکانہ نہیں جہاں سکون مل سکے سوائے اللہ کی یاد کے۔

مصطفیٰ نے اسے آفس سے باہر جاتا دیکھا تھا لیکن اس نے اس وقت اسے روکنا نہیں چاہا، کیونکہ وہ جانتا تھا اس لمحے اسے روکنے کا کوئی

فائدہ نہیں اسی لئے خاموشی سے کرسی پر بیٹھتے ہوئے اس نے اپنا سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں بند کر لیں اور سوچنے لگا کہ لڑکیاں ہی نہیں لڑکے بھی کئی بار کتنے مجبور ہوتے ہیں، جنہیں اکثر لوگ بزدل کہتے ہیں۔

وہ ساحرہ تھی
وہ جب بھی کالج کو جانے لگتی تو ایسا لگتا
ہوا کے رتھ پر سوار ہو کر
گلابی خوشبو کے نرم جھونکے
اسی بدن کے طواف میں ہوں
سہیلیوں کے حصار روشن میں جب نکلتی
تو ایسے لگتا
کہ شہزادی کنیزی ٹولے میں سیر کرنے کو آ رہی ہو
ہزاروں دیے جلاتی وہ سحر زادی
سفید موسم سیاہ کر کے
اداس پلکوں کی چلمنوں میں سسکتے
آنسو پرو گئی ہے
اے زمانے تیرے ہجوم میں کل
وہ ہم سے عجلت میں کھو گئی ہے

مصطفیٰ نے حیاء کو کھو دیا تھا یا ابھی کیا کچھ کھونا باقی تھا اس کا فیصلہ ابھی کرنا مشکل تھا، کیا آج کے بعد وہ کبھی اس آفس میں آئے گی؟ کیا دوبارہ میں اس کو دیکھ پاؤں گا؟ کیا وہ اب کی طرح آئندہ آنے والے وقت میں بھی مجھ سے کہے گی کہ میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں میں آپ کے بنا مر جاؤں گی

''سر آپ مجھے اتنے اچھے کیوں لگتے ہیں؟'' یہ ایسا سوال تھا جس کے جواب میں مصطفیٰ نظر بھر کر اس کو دیکھتا اور پھر مسکرا کر بات بدل جاتا کیونکہ اس سوال کا جواب شاید وہ کبھی نہیں دے سکتا تھا، وہ خود بھی نہیں جانتا تھا کہ آخر وہ اس کو اتنا اچھا کیوں لگتا ہے۔

☆☆☆

وہ صبح سے شام بنا مقصد کے گاڑی میں کبھی کہیں اور کبھی کہیں خوار ہوتی رہی تھی رات کے آٹھ بجے تو موبائل سکرین پر گھر کا نمبر چمکنے لگا، اس نے کال ریسیو کی۔

''آپی آپ ابھی تک گھر نہیں پہنچی اور آپ کا نمبر بھی کب سے ٹرائی کر رہی ہوں آف جا رہا تھا، آپ ٹھیک تو ہیں نا؟'' وشمہ نے فکر مندی سے پوچھا۔

''ہاں میں ٹھیک ہوں بس آفس سے واپسی پر ایک دوست مل گئی تھی اسی کو کافی پلانے لے گئی تھی باتوں باتوں میں اتنا وقت گزر گیا اندازہ ہی نہیں ہو سکا۔'' حیاء نے وشمہ سے تفصیل میں جھوٹ اس لئے بولا تھا کہ اس کے گھر پہنچنے سے پہلے وہ گھر والوں کو اس کی دیر ہونے کی وجہ بتا دے تو دوبارہ اس سے کوئی سوال نہ کر پائے۔

''اچھا فون رکھو میں بس گھر ہی آ رہی ہوں۔'' حیاء نے فون بند کر کے تھکے ہارے انداز میں سر سیٹ کی پشت سے ٹکا دیا۔

لاہور کی سڑکوں پر لوگوں کی خوب گہما گہمی تھی گاڑی کے اندر بیٹھی حیاء کی زندگی جیسے کسی ویران سڑک کی مسافر بن چکی تھی، اس کا دل چاہا وہ واپس مصطفیٰ کے پاس جائے اس سے لپٹ کر خوب آنسو بہائے اسے برا بھلا کہے اس سے شکوے شکایتیں کرے مگر وہ ایسا کرنا نہیں چاہتی تھی وہ خود کو مصطفیٰ کی طرح مضبوط بنانا چاہتی تھی، جو اپنے چہرے سے اپنے اندر کی حالت کسی پر کھلنے نہیں دیتا تھا۔

اس نے دوسری سیٹ پر پڑا اپنا موبائل اٹھایا اور ایک شعر ٹائپ کیا اور مصطفیٰ کے نمبر پر سینڈ کرنے کے بعد اپنا موبائل آف کر کے گھر کی جانب روانہ ہو گئی۔

کس طرح سے صدا لگاؤں کہ وہ

میرے کاسے میں ڈال دے تم کو

☆☆☆

دل نہ چاہنے کے باوجود بھی اس نے خود کو نارمل رکھنے کی کوشش میں گھر والوں کے ساتھ مل کر رات کا کھانا کھایا اور کچھ دیر دادو سے باتیں کرنے کے بعد اپنے کمرے میں چلی آئی، عامر اپنے کچھ دوستوں کے ہمراہ آج شہر سے باہر گیا تھا، وہ پاکستان آتا ہی گھومنے پھرنے تھا اور حیاء نے دل سے شکر کیا تھا کہ آج وہ گھر پر نہیں تھا، کیونکہ کوئی اس کے دل کی کیفیت سمجھ سکتا یا نہیں لیکن عامر ایک نظر میں اس کا حال دل جان لیتا تھا اور اس کی آنکھیں پڑھ لیتا تھا۔

رات گہری ہو رہی تھی سب لوگ اپنے اپنے کمروں میں سو چکے تھے۔

چاند اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ آسمان پر راج کر رہا تھا، چاند کی ٹھنڈی میٹھی روشنی میں دسمبر کی سرد شام رات میں ہوا سے جھولتی درختوں کی شاخیں بہت بھلی لگ رہی تھیں، وہ بالکونی میں جھولے میں لیٹی آسمان پر چمکتی چاند کو گھور رہی تھی۔

آج اس کے پاس چاند سے باتیں کرنے کو بھی کچھ نہیں تھا، وہ بس خاموشی سے چاند کو دیکھ رہی تھی جب کوئی ہوا کا جھونکا آتا تو دروازے پر لٹکا ونڈ چائم اپنے دلکش انداز میں رقص کرتا گنگنانے لگتا اور حیاء کی نظر چاند سے ہٹ کر سامنے دروازے پر لٹکے ونڈ چائم پر ٹھہر جاتی، اس طرف بھی جاگ کر رات گزاری جا رہی تھی اور دوسری جانب مصطفیٰ بھی کروٹیں بدلتے بدلتے تھک ہار کر وہ ٹیرس پر چلا آیا تھا۔

اس کے آخری میسج کے بعد اس نے حیاء کا نمبر کافی بار ٹرائی کیا تھا مگر مسلسل بند جا رہا تھا وہ بس اس کا حال جاننا چاہتا تھا جو اس وقت بے حال ہو چکی تھی۔

یہ محبت بھی عجب شے ہوتی ہے ہر وقت کسی نہ کسی فکر میں مبتلا کیے رکھتی ہے۔

کبھی کسی کے روٹھ جانے کی فکر کبھی کہیں کسی کے جدا ہو جانے کا ڈر، وہ ہمیشہ سے جانتا تھا اس کی زندگی میں اگر کوئی لڑکی آئے گی تو وہ صرف ایمان ہو گی لیکن اس کے باوجود وہ بھی اس سے محبت نہیں کر پایا تھا۔

اس نے کبھی اپنی منگیتر سے تنہائی یا محفل میں بھی بات نہیں کی تھی، وہ پیاری تھی پڑھی لکھی تھی، معصوم اور سلجھی ہوئی بھی لیکن وہ حیاء نہیں تھی، جس سے وہ محبت کر بیٹھا تھا، ایمان اس کے دماغ میں تھی اور حیاء اس کے دل میں اور اس نے دل اور دماغ میں سے دماغ کے فیصلے کو سنا تھا اور چپ چاپ اپنے والدین کے فیصلے کے آگے سر جھکا دیا تھا۔

وہ ہمیشہ محبت سے بھاگتا رہا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا اسے ہر طرح کی آزادی دی گئی ہے لیکن اس کے پاؤں کی زنجیر آج کے دور میں بھی پرانے رسموں اور رواجوں کی طرح بچپن کا اپنی کزن سے طے شدہ رشتہ تھا، جسے توڑ تو سکتا تھا لیکن توڑ کر دو بھائیوں کے درمیان اختلافات نہیں ڈالنا چاہتا تھا، پھر کوئی اسے بے وفا سمجھتا یا بزدل اس بارے میں وہ سوچنا نہیں چاہتا تھا کیونکہ جب جب وہ حیاء اور اپنے بارے میں سوچتا تھا وہ بے بس ہونے لگتا تھا اور اس کا دل چاہتا تھا سب کچھ بھول بھال کر حیاء کو ہمیشہ کے لئے اپنی زندگی میں شامل کر لے، لیکن مچلتے دل کو وہ سختی سے ڈانٹ ڈپٹ کر خاموش کروا دیتا اور خود گم صم سا بیٹھا نہ جانے کیا کچھ سوچتا رہتا۔

☆☆☆

حیاء کو ایک ہفتے سے شدید بخار تھا اس کی

حالت اتنی بگڑی ہوئی تھی کہ وہ کمزوری کی وجہ سے خود چلنے سے بھی قاصر تھی، رضا صاحب اور شمسہ بیگم تو اپنی بیٹی کو اس حالت میں دیکھ کر خود نڈھال ہوئے جا رہے تھے جبکہ عامر بھی پریشان سا پوری پوری رات اس کے سرہانے بیٹھا اس کی تیمار داری کرتا رہتا، ابھی کچھ دیر پہلے ہی ڈاکٹر اس کا چیک اپ کرنے کے بعد اس کی میڈیسن چینج کر کے گیا تھا کیونکہ پہلے والی دوائیوں سے اس کی طبیعت میں کوئی بہتری نہیں آ رہی تھی، سب لوگ حیاء کے کمرے میں اس کے اردگرد بیٹھے تھے جب عامر اس کی میڈیسن لے آیا۔

''چاچو جان آپ چچی کو ان کے کمرے میں لے جائیں صبح سے وہ یہاں اسی پوزیشن میں بیٹھی ہیں کچھ دیر آرام کر لیں گی تو بہتر رہے گا ورنہ ان کی بھی طبیعت خراب ہو جائے گی۔'' عامر نے نرم لہجے میں کہا تو رضا صاحب اثبات میں سر ہلاتے ہوئے شمسہ کو زبردستی ان کے کمرے میں لے گئے اور عامر کو تاکید کر گئے کہ وہ جاگ رہے ہیں کوئی بھی پریشانی ہو تو انہیں بلا لے۔

وشمہ دادو کو ان کے کمرے میں چھوڑ کر واپس حیاء کے پاس چلی آئی تھی۔

اب حیاء کے پاس عامر اور وشمہ کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا، وشمہ نے پہلی بار حیاء کو اتنا بیمار دیکھا تھا اس لئے وہ اسے اس حالت میں دیکھ کر خود بھی رو دی۔

''وشمہ کیا ہوا؟'' عامر نے اس کی جانب دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''عامر بھائی آپی کو اچانک کیا ہو گیا ہے نہ کسی سے بات کرتی ہیں نہ کچھ کھاتی پیتی ہیں ہر وقت بخار میں نیم بے ہوش پڑی رہتی ہیں، ڈاکٹرز کہتے ہیں ان کو اندر ہی اندر کوئی پریشانی کھائے جا رہی ہے لیکن کوئی یہ نہیں جانتا آپی کو کیا پریشانی ہے، عامر بھائی کیا آپ جانتے ہیں کہ آپی کیوں پریشان ہیں جو وہ اتنی بیمار ہو گئی ہیں۔'' وشمہ نے معصومیت سے اپنے آنسو صاف کرتے ہوئے پوچھا تو عامر گہری سوچ میں ڈوب گیا۔

عامر کو بھی مصطفیٰ کی منگنی کی خبر مل چکی تھی لیکن اسے اندازہ نہیں تھا کہ حیاء اس بات کا اتنا گہرا اثر لے گی۔

''وشمہ!'' حیاء نے ہولے سے آنکھیں کھول کر پاس بیٹھی وشمہ کو پکارا، وشمہ فوراً سے اس کی جانب متوجہ ہوئی۔

''آپی کیا ہوا آپ ٹھیک تو ہیں نا؟ کسی چیز کی ضرورت ہے کیا؟''

''پا...... پانی پلاؤ۔'' کمزوری کی وجہ سے اس بولا بھی نہیں جا رہا تھا، وشمہ سے پہلے عامر پانی کے جگ کی جانب بڑھا اور گلاس میں پانی انڈیل کر وشمہ کی مدد سے اسے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر بٹھا کر پانی پلایا۔

وشمہ نے اسے دوبارہ لیٹنے کو کہا تو حیاء نے نفی میں سر ہلا کر منع کر دیا، وہ غائب دماغی سے کمرے کی چھت کو گھورنے لگی، اس کی آنکھوں کے نیچے سیاہ ہلکے چند ہی دنوں میں اتنے گہرے ہو گئے تھے کہ جیسے وہ صدیوں سے بیمار رہی ہو۔

اس کی زرد رنگت گواہی دے رہی تھی کہ محبت نے اس کی زندگی سے باقی سارے رنگ چھین لئے تھے، حیاء نے آنکھیں موند لیں عامر گہری نگاہوں سے سامنے بیٹھا اس کی حالت کا جائزہ لیتا رہا۔

حیاء کی آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے تو عامر کا دل چاہا مصطفیٰ کو جا کر جان سے مار ڈالے اسے بتائے کہ وہ کتنا بدنصیب ہے جو اتنی خالص محبت کو ٹھکرا رہا ہے لیکن وہ بھی تو حیاء سے محبت کرتا تھا اس لئے محبوب ہو تو عاشق پر اس چیز کی

عزت و احترام کرنا فرض ہو جاتا ہے، اس پر بھی مصطفیٰ کا احترام لازم ہو چکا تھا۔

''وشمہ جاؤ حیاء کے لئے کچھ کھانے کے لئے لاؤ۔'' عامر نے پاس بیٹھی وشمہ سے کہا تو وہ کچھ کہے بنا کچن میں چلی آئی۔

عامر، حیاء کے قریب جا کر بیٹھ گیا، حیاء کی آنکھیں ابھی بھی بند تھیں، عامر نے حیاء کے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھتے ہوئے اسے جیسے تسلی دینی چاہی اسے احساس کروانا چاہا کہ وہ پریشان مت ہو وہ اس کے ہر دکھ درد میں اس کے ساتھ برابر کا شریک ہے، حیاء نے اپنے ہاتھوں پر اس کے لمس کو محسوس کر کے آنکھیں کھول دیں۔

''عامر وہ بے وفا نہیں ہے۔'' حیاء نے جیسے عامر کی آنکھوں میں مصطفیٰ کے لئے غصہ محسوس کرتے ہوئے اس کی صفائی میں بولنا چاہا۔

''لیکن وفا بھی تو نہیں۔'' عامر نے عجیب سے انداز میں جواب دیا۔

''حیاء تم اتنی خود غرض کب سے ہوگئی؟ تم نے اپنی ایسی حالت کرنے سے پہلے ایک بار بھی چاچو جان، چچی جان، دادو اور وشمہ کے بارے میں سوچا کہ وہ تمہیں اس حالت میں دیکھ کر کتنا پریشان ہوں گے، چچی جان نے دو دن سے کچھ نہیں کھایا اور چاچو وہ تو آفس سے لوٹنے کے بعد سیدھا تمہارے پاس چلے آتے ہیں اور گھنٹوں تمہارے پاس بیٹھے رہتے ہیں، دادو تو نہ جانے تمہاری طبیعت کی بہتری کے لئے تم پر کیا کیا پڑھ کر پھونکتی رہتی ہیں۔'' عامر نے نرم لہجے میں اسے سمجھانا چاہا کہ وہ خود کو سنبھالے، پورے گھر کی رونق ان دونوں بہنوں سے ہی تھی لیکن جب سے حیاء بیمار ہوئی تھی وشمہ نے بھی چپ کا روزہ رکھ لیا تھا۔

''عامر میں خود جان بوجھ کر کچھ نہیں کر رہی۔'' حیاء کی آواز میں بے بسی رچی تھی۔

''تم تو سب کی بہت بہادر حیاء ہو نا، تم تو کبھی ہار مان کر یوں نڈھال نہیں پڑتی چاہے کچھ بھی ہو جائے تم ہنسنا مسکرانا نہیں چھوڑتی اس لئے اب بھی خود کو سنبھالو، اپنی خاطر نہیں تو اپنے گھر والوں کی خاطر ہی سہی اور اگر تم نے اب میری بات نہ مانی تو میں کل پہلی فلائٹ سے واپس چلا جاؤں گا۔'' عامر نے جان بوجھ کر اس کا موڈ بدلنے کی خاطر کہا۔

''صبح کیوں تم ابھی نکلو۔'' حیاء نے زبردستی مسکرا کر کہا تو عامر کے دل کو جیسے قرار آ گیا۔

وشمہ، حیاء کے لئے فروٹ اور فریش جوس کا گلاس بنا کر لے آئی، حیاء کا دل نہ چاہنے کے باوجود وشمہ اور عامر نے زبردستی اسے کھلایا اور بعد میں میڈیسن دے کر اسے لٹا دیا، وشمہ بھی بیڈ کی دوسری جانب لیٹ گئی جبکہ عامر سامنے صوفے پر بیٹھا حیاء کو دیکھ رہا تھا اس کی آنکھیں بند تھیں شاید میڈیسن کے اثر سے نیند جلدی آ جاتی تھی، حیاء سوئی تو وہ بھی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلا آیا۔

☆☆☆

تمہیں بے وفا کہوں اتنی جرأت تو نہیں میری
تمہیں بس اتنا کہنا ہے وفائیں یوں نہیں ہوتیں

آج پورے ایک ہفتے بعد اس نے اپنی شکل آئینے میں دیکھی تو خود کو پہچان نہ سکی اس کا چہرہ کسی مرجھائی کلی کی مانند لگ رہا تھا اور آنکھوں کے گرد سیاہ ہلکے بتا رہے تھے کہ وہ کتنی تکلیف سے گزری ہے، اس نے پانی کے چھینٹے منہ پہ مارے اور واش روم سے باہر نکل کر ڈریسنگ ٹیبل کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔

وہ بغور اپنے چہرے کو گھور رہی تھی، جب اسے آئینے میں اپنے ساتھ مصطفیٰ کا عکس دکھائی

دیا اس نے اضطرابی سے اپنے عقب میں مڑ کر دیکھا تو کوئی بھی نہیں تھا، اس نے دونوں ہاتھوں میں اپنا چہرہ چھپالیا اور کارپٹ پر بیٹھ کر رونے لگی وہ اس کو جتنا بھولنا چاہتی تھی وہ اس کو اتنا یاد آتا تھا اور یہ ہی بات اسے سکون نہیں لینے دے رہی تھی وہ اسے بھول جانا چاہتی تھی آنکھوں میں سجے کسی خواب کے بکھرے تنکے کی طرح جو اکثر نیند کھلنے پر ٹوٹ جاتا ہے لیکن یہ خواب نہیں حقیقت تھی جس کو جھٹلانا اس کے لئے بہت مشکل تھا وہ مصطفیٰ سے محبت کرتی تھی ایسی محبت جس میں محبت سے بڑھ کر عزت بھی مان تھا، وہ روتے روتے بچوں کی طرح بلکنے لگی جیسے کوئی ضدی بچہ والدین سے ضد کر کے اپنا من پسند کھلونا مانگ رہا ہو اور وہ اسے بہلا رہے ہوں کہ وہ اسے اس کی پسند سے بھی اچھا کھلونا دلائیں گے، لیکن اسے تو صرف وہی چاہیے تھا، وہ پھر سے رو رو کر اپنی طبیعت بگاڑنے لگی تو دروازے پر کھڑے شخص نے اسے پکارا۔

''حیاء!'' حیاء نے آنکھیں کھول کر سامنے کھڑے عامر کو دیکھا اور سیدھی ہو کر بیٹھ گئی، اس کی آنکھیں سرخ ہو رہی تھیں، عامر اس کے قریب کارپٹ پر ہی بیٹھ گیا۔

''حیاء تم کیوں اپنی جان کی دشمن بن رہی ہو تمہیں کیوں اپنے علاوہ کوئی دکھائی نہیں دے رہا، تم کیوں نہیں سمجھ رہی کے کسی کی جدائی میں کوئی مر نہیں جاتا۔'' عامر نے ہلکی سی خفگی سے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

''لیکن میں مر جاؤں گی عامر، میں مر جاؤں گی۔'' وہ پھر سے رونے لگی، عامر نے بے بسی سے اسے دیکھا۔

''تمہیں مصطفیٰ چاہیے؟'' عامر کے سوال پر اس کے آنسو تھم گئے اس نے نظر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا۔

''ہاں مجھے وہ چاہیے کیا مجھے تم وہ لا دو گے؟'' حیاء کی آواز میں بچوں کی سی معصومیت تھی۔

''کیا تم کسی باپ سے اس کا بیٹا الگ کر کے خوش رہ پاؤ گی؟ کیا تم کسی ایک لڑکی سے اس کا منگیتر چھین کر خوش رہ پاؤ گی جس نے بچپن سے اپنے نام کے ساتھ صرف مصطفیٰ کا نام سنا ہو؟ کیا تم ایک ماں سے اس کا بیٹا چھین کر سکون میں رہو گی؟ جس نے اس کو پال پوس کر اتنا بڑا کیا اور اسے ایک کامیاب اچھا انسان بنایا؟''

''حیاء محبت خود غرضی کا نام نہیں ہے، محبت تو کسی پر قربان ہو جانے کا نام ہے اور کیا تم مصطفیٰ کے لئے اتنی سی قربانی نہیں دے سکتی کہ وہ تم سے الگ رہ کر ساری زندگی اپنے والدین کی خدمت میں گزارے ان کو خوش رکھے اپنی منگیتر کو عزت و مان سے اپنا لے، حیاء محبت قربانی کا نام ہے اور قربانی دینا تمہارے نصیب میں لکھ دیا گیا ہے اس لئے اللہ سے ضد مت کرو صبر سے کام لو۔'' عامر نرم لہجے میں بول رہا تھا۔

''چھ سال، عامر چھ سال میں نے صبر ہی تو کیا تھا اس لئے نہیں کہ آخر میں میرے ہی ہاتھ خالی رہ جائیں، بلکہ اس لئے کے مجھے صبر کا پھل مل سکے، تم جانتے ہو عامر میں نے اگر کبھی خواب دیکھیں ہیں تو ان خوابوں میں اپنے ساتھ صرف سر کو تصور کیا ہے اور اب تم کہتے ہو، میں اپنے ہی ہاتھوں اپنے ٹوٹے خوابوں کی کرچیاں چن کر انہیں کسی اور کی جھولی میں ڈال کر خود کسی اور کے سنگ چلی جاؤں، نہیں ایسا کبھی نہیں ہوگا میرے خوابوں میں میرے خیالوں میں پچھلے چھ برس سے صرف اور صرف ایک ہی شخص کا راج چلتا آیا ہے اور میں اس کی جگہ کسی اور کو نہیں دے سکتی نہ

خواب میں ان وہ ہی حقیقت میں۔'' حیاء نے گہری نگاہوں سے اسے دیکھتے ہوئے کہا۔

''ہاں مگر آج کے بعد میں روؤں گی نہیں، میں اللہ سے ضد نہیں کروں گی، میں کسی کے والدین سے ان کا بیٹا نہیں چھینوں گی میں کسی کی منگیتر سے اس کا ہونے والا شریک حیات الگ نہیں کروں گی کیونکہ میں ایسا کر ہی نہیں سکتی، میری تربیت ایسی کی ہی نہیں گئی کے دوسروں کی خوشیاں چھین کر اپنی جھولی میں ڈال لی جائیں لیکن عامر میں خود پر کب تک ظلم کرتی رہوں کب تک میں ہنس ہنس کر دنیا والوں کو یہ شو آف کرنے کی کوشش کرتی رہوں کہ مجھ سے زیادہ شاید ہی کوئی خوش ہو سکتا ہے، عامر میں تھک رہی ہوں اور مجھے لگتا ہے عنقریب یہ تھکن میری جان لے لے گی اور پھر یہ لا حاصلی کا سفر تمام ہو جائے گا اور میں برسوں بعد ہمیشہ کے لئے سکون کی نیند سو جاؤں گی۔'' حیاء کی آواز میں لرزش تھی عامر کو اس کی باتوں سے خوف آنے لگا تھا ایک انجانا سا خوف۔

''بس بھی کرو ایسی فضول باتوں میں مجھے بتانا بھول گیا میں تو تمہیں ایک گڈ نیوز دینے آیا تھا کل مما پاپا پاکستان آ رہے ہیں۔'' عامر نے اس کا موڈ بدلنے کی خاطر موضوع ہی بدل ڈالا۔

''کیا کل بڑے بابا آ رہے ہیں؟'' حیاء نے جبراً مسکرا کر کہا۔

''جی اور اگر ان کے سامنے بھی یوں روتی بسورتی شکل بناؤ گی تو تم جانتی ہو پاپا تم سے پہلے ہم سب کی کلاس لیں گے ہم نے ان کی لاڈلی کی کیا حالت بنا رکھی ہے۔'' عامر نے شرارت سے مسکراتے ہوئے کہا۔

''تم فکر مت کرو اب کسی کو بھی میری حالت سے اندازہ نہیں ہوگا کہ میں کن حالات سے گزر رہی ہوں۔'' حیاء نے کھڑے ہو کر اپنے بال بناتے ہوئے کہا تو جس سے عامر کو اطمینان سا ہو گیا۔

''اور ہاں آج اس کمرے کی جان چھوڑ کر آ کر سب کے ساتھ ناشتہ کرو چاچو تمہیں دیکھ کر خوش ہوں گے۔''

''تم چلو میں بس آ رہی ہوں۔'' حیاء نے نرمی سے جواب دیا تو عامر اک نظر اسے دیکھتا ہوا باہر کی جانب بڑھ گیا۔

حیاء نے اپنی حالت درست کی اور خود کو ہشاش بشاش ظاہر کرتی ہوئی کمرے سے نکل کر ڈائننگ ٹیبل پر چلی آئی، سب نے کھانا چھوڑ کر اس کی جانب نظریں گھمائیں۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں، بھوک لگی ہے مجھے جلدی سے اچھا سا ناشتہ کروائیں، اتنے دنوں سے مریضوں والا کھانا کھا کھا کر تو میں اکتا ہی گئی ہوں۔'' حیاء نے خوشگوار لہجے میں کہا تو سب نے مسکرا کر ایک دوسرے کو دیکھا اور اللہ کا شکر ادا کیا کہ اب وہ ٹھیک ہے، لیکن وہ ٹھیک نہیں تھی۔

انسان بھی بڑا فنکار ہوتا ہے اپنے اندر کے جذبوں کو چھپانے پر آئے تو جنم دینے والی ماں بھی اندازہ نہیں لگا سکتی کہ اس کی اولاد اس وقت کس کٹھن وقت سے گزر رہی ہے۔

''اب طبیعت کیسی ہے میری گڑیا کی؟'' رضا صاحب نے محبت سے اس کو دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''ایک دم فٹ اینڈ فائن۔'' حیاء نے پر جوش انداز میں جواب دیا تو وہ مسکرا کر دوبارہ ناشتہ کرنے لگے۔

''ڈیڈ مجھے آپ سے ایک ضروری بات کرنی تھی۔'' حیاء نے جوس کا گھونٹ بھرتے ہوئے کہا۔

''ہاں بولو بچے کیا بات ہے؟'' وہ نرم لہجے میں کہتے ہوئے اس کی جانب متوجہ ہوئے۔

''میں اب آپ کے ساتھ آپ کے آفس ہی جایا کروں گی جتنا کام سیکھنا تھا مجھے سر نے سیکھا دیا، سب اب مجھے اپنے آفس میں آپ کے ساتھ کام کرنا ہے اگر مجھے کوئی مشکل ہوئی تو میں آپ سے پوچھ لوں گی۔'' حیاء نے نارمل انداز میں کہا۔

''ہوں، لیکن اگر تم دو تین ماہ مزید مصطفیٰ کے ساتھ کام کر لیتی تو زیادہ بہتر طریقے سے بزنس کے معاملات کے بارے میں جان لیتی، میں تو اس لئے اپنے ساتھ نہیں رکھتا کہ شروع شروع میں اکثر انسان سے بہت سے کام غلط بھی ہو جاتے ہیں اور اگر تم اپنے آفس میں کسی کام میں گڑبڑ کرتی تو کس میں اتنی جرأت تھی کہ کوئی تمہیں کچھ کہہ سکتا یا میں تمہیں ڈانٹ کر سمجھا سکتا کہ آئندہ یہ کام ایسا نہیں ہونا چاہیے، بس اور تو کوئی وجہ نہیں تھی تمہیں مصطفیٰ کے ساتھ کام کرنے کو کہنے کی۔'' وہ چائے میں چمچ ہلاتے ہوئے بولے۔

''ہوں لیکن میں سارا کام بہت اچھی طرح سمجھ چکی ہوں اب میں آپ کے ساتھ اپنے ہی آفس جایا کروں گی۔'' حیاء نے جیسے حتمی فیصلہ کرتے ہوئے اس موضوع کو یہیں ختم کرنا چاہا۔

''ہوں او کے جیسے تمہیں بہتر لگے لیکن ابھی کچھ دن تم بس آرام کرو جب طبیعت بالکل ٹھیک ہو جائے گی پھر آفس بھی چلی آنا۔'' انہوں نے محبت سے تاکید کی تو حیاء اثبات میں سر ہلا کر بے دلی سے ناشتہ کرنے لگی کیونکہ بھوک تو اسے تھی ہی نہیں وہ تو بس اپنے گھر والوں کی خاطر خود کو نارمل ظاہر کرنا چاہتی تھی جو اس کی وجہ سے کافی پریشان تھے۔

☆☆☆

بس ذرا سی توڑ پھوڑ ہوتی ہے
ہجر میں لوگ مر نہیں جاتے

''یہ محبت شطرنج کے کھیل کی طرح ہوتی ہے جیت دونوں میں سے جس کھلاڑی کی بھی ہو مگر ایک وقت ایسا ضرور آتا ہے ہار دونوں کو ہی ماننی پڑ جاتی ہے کیونکہ بہت سے موقعوں پر آ کر ہم خود ہی نہیں سمجھ پاتے کہ ہم نے کھیل شروع کہاں سے کیا تھا اور ہمیں اس کو ختم کہاں پہ کرنا ہے۔''

وہ آفس میں بیٹھا حیاء کے بارے میں ہی سوچ رہا تھا اس دن سے ابھی تک نہ اس نے اس کو دیکھا تھا اور نہ ہی اس کی اس سے بات ہو پائی تھی مصطفیٰ نے کئی بار اس کا نمبر بھی ٹرائی کیا لیکن مسلسل آف جاتا رہا اور گھر کے نمبر پر اس نے کال کرنا مناسب نہیں سمجھا، لیکن آج نہ جانے کیوں اس سے رہا نہ گیا تو اس نے لینڈ لائن پر کال کر لی۔

کال عامر نے ریسیو کی تھی، ہلکی پھلکی گفتگو کے بعد مصطفیٰ نے عامر سے حیاء کے بارے میں پوچھا، عامر نے جھوٹ بول دیا کے وہ سو رہی ہے جب جاگ جائے گی تو وہ اس کو بتا دے گا کہ مصطفیٰ کی کال تھی، مصطفیٰ نے فون بند کر دیا اور سر کرسی کی پشت سے ٹکا کر آنکھیں موند لیں۔

''یہ محبت بھی اس دنیا کی بڑی ظالم شے ہے جو حاصل ہو جائے تو زخم پر مرہم کا کام کرتی ہے اور اگر نہ ملے تو مرہم بھی زخم پر کانٹوں کی طرح چبھنے لگتا ہے، محبت میں ملنے والے دکھوں کو سہنے کے لئے ضبط کی انتہا کو چھونا پڑتا ہے اور حیاء تو اس انتہا سے بھی کہیں آگے نکل گئی تھی لیکن یہ محبت اسے رلائے نہیں تھکتی تھی۔'' مصطفیٰ نے سوچا وہ کس حال میں ہو گی۔ وہ جانتا تھا وہ جہاں جس حال میں بھی ہو گی ۔۔۔ دل نہ پائی ہو گی، اس

نے نہ چاہتے ہوئے بھی دل کے ہاتھوں مجبور ہو کر ایک بار پھر اس کا نمبر ڈائل کیا تو آج بیل جانے لگی، کال ریسیو ہوگئی مگر دوسری جانب سے کسی کے بولنے کی آواز نہیں آئی۔

''حیاء!'' مصطفیٰ نے نرم لہجے میں پکارا۔

''حیاء کیسی ہو؟'' اس نے محبت بھرے انداز میں پوچھا لیکن وہ پھر بھی خاموشی سے اس کی آواز سنتی رہی۔

''حیاء! کچھ بولو، خاموش کیوں ہو؟'' مصطفیٰ نے اضطرابی سے کہا مگر وہ چاہ کر بھی بول نہیں پارہی تھی اس کے حلق میں پھنسا آنسوؤں کا گولہ اسے بولنے ہی نہیں دے رہا تھا۔

''حیاء تم رو رہی ہو؟'' مصطفیٰ کے پوچھنے کی دیر تھی کہ اس کی سسکیاں مصطفیٰ کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔

''بولو حیاء کیا بات ہے تم خاموش کیوں ہو اور اتنے دن سے تمہارا نمبر کیوں آف تھا؟'' مصطفیٰ کو اس کا رونا تکلیف دے رہا تھا۔

''حیاء اگر تم نے رونا بند نہ کیا تو آج میں تمہارے گھر آ کر تمہاری اچھی طرح خبر لوں گا۔'' مصطفیٰ نے جیسے اس کو دھمکی دینی چاہی۔

''سر!'' وہ بھرائی ہوئی آواز میں بولی۔

''ہاں بولو حیاء کیا بات ہے؟''

''آپ مجھے اتنے اچھے کیوں لگتے ہیں؟'' اس نے ہمیشہ کی طرح اپنے معصوم انداز میں اپنا مخصوص سوال پوچھا تھا جس کے جواب میں آج بھی ہمیشہ کی طرح مصطفیٰ خاموش ہوگیا۔

''میں آپ کے بارے میں بہت بے بس ہوں، میں بس کوئی ایک ایسی چیز ڈھونڈتی ہوں جو مجھے آپ سے دور کردے کہ آپ میرے دل و دماغ سے ہمیشہ کے لئے نکل جائیں لیکن اتنا عرصہ بیت گیا مجھے ایسی کوئی عادت ایسی کوئی حرکت نظر ہی نہیں آئی کہ میں آپ سے دور ہو سکوں آپ سے نفرت کرسکوں، میرا ہر انسان سے دل بھر سکتا ہے لیکن میں آپ سے کبھی نہیں اکتا سکتی نہ جانے اللہ نے آپ میں ایسی کون سی مقناطیسی طاقت پیدا کی ہے جو مجھے آپ کی طرف کھینچتی چلی جاتی ہے، آپ مجھے اس دنیا کے سب سے خوبصورت سب سے اچھے اور سب سے منفرد انسان لگتے ہیں۔'' حیاء کی آواز مصطفیٰ کے دل پر گہرا اثر چھوڑ رہی تھی، وہ خاموشی سے اس کو سن رہا تھا جب وہ بولتے بولتے رک گئی تو مصطفیٰ نے محبت سے اسے پکارا۔

''حیاء زندگی ایک ہی شخص پر آ کر نہیں ٹھہر جاتی، زندگی میں بہت سے ایسے موقعوں سے گزرنا پڑتا ہے کہ ہمیں اپنے دل کی نہیں دماغ کی مان کر چلنا پڑتا ہے اور اسی میں سب کی بہتری ہوتی ہے۔'' مصطفیٰ کی بات پر اس نے اپنے آنسو پونچھ لئے۔

''ہوں صحیح کہہ رہے ہیں آپ جو ہمیشہ اپنے دل کی مان کر چلتے ہیں وہ دکھ کے سوا کچھ بھی حاصل نہیں کرتے کیونکہ دل کے فیصلے دماغ والوں کی سمجھ میں کہاں آتے ہیں۔'' حیاء نے عجیب سے انداز میں کہا تو مصطفیٰ خاموش ہوگیا۔

''اتنے دنوں سے آفس کیوں نہیں آرہی؟ طبیعت تو ٹھیک تھی؟'' مصطفیٰ نے پوچھا۔

''ٹھیک ہوں اتنی جلدی نہیں مرنے والی۔'' حیاء نے بھرائی آواز میں ہوئے کہا۔

''فضول باتیں مت کیا کرو۔'' مصطفیٰ کو اس کی بات ناگوار گزری تھی۔

''میں بابا کا آفس جوائن کررہی ہوں۔'' حیاء نے بتایا تو مصطفیٰ چند لمحوں کے لئے خاموش ہوگیا اور پھر توقف سے بولا۔

''ہوں گڈ۔''

''کبھی میری ضرورت پڑے تو میں ہمیشہ حاضر ہوں۔'' مصطفیٰ نے خوشدلی سے کہا۔

''اور اگر میں کہوں مجھے اپنی زندگی میں ہمیشہ آپ کی ہی ضرورت رہے گی تو؟'' حیاء کے سوال نے اسے خاموش کروا دیا۔

''پریشان مت ہوں میں ایسا نہیں کہنے والی۔'' حیاء اس کی خاموشی کو محسوس کرتی ہوئی مسکرا کر بولی۔

''اچھا میں فون رکھتا ہوں، اپنا خیال رکھنا۔''

''بس اپنا ہی تو خیال نہیں رکھا جاتا۔''

''ایسی باتیں مت سوچا کرو اپنی خاطر نہیں تو انکل آنٹی کی خاطر ہی سہی خود کا خیال رکھا کرو وہ تم سے بہت محبت کرتے ہیں۔''

''اور میں آپ سے بہت محبت کرتی ہوں۔'' نہ جانے اسے پھر سے کیا ہو گیا تھا کہ وہ ایسی باتیں کرنے لگی تھی۔

''او کے اللہ حافظ۔'' حیاء نے فون بند ہوتے ہی لان کی جانب رخ کیا کیونکہ وہ جانتی تھی اگر اس وقت تنہا اپنے کمرے میں رہی تو پھر سے نڈھال ہونے لگی گی۔

لان میں دادو اور شمسہ بیگم بیٹھیں دسمبر کی چمکیلی دھوپ کے مزے لوٹ رہی تھیں، حیاء بھی انکے قریب ہی کرسی پر براجمان ہو گئی۔

''دادو آپ میرے سر میں تیل لگا دیں گی؟ سر میں بہت درد ہے۔'' حیاء نے سفینہ بیگم سے معصومیت سے کہا تو وہ محبت سے بولیں۔

''ہاں ادھر آؤ میرے سامنے آ کر بیٹھو، شمسہ جاؤ اندر سے تیل بھجواؤ جا کر اور چائے بھی بنا کر لاؤ اپنے ہاتھوں کی آج دادی پوتی تمہارے ہاتھ کی چائے پینا چاہتی ہیں، جس سے حیاء کے سر کا درد بھی بھاگ جائے گا اور مجھ پر چھائی سستی بھی۔'' سفینہ بیگم حیاء کی خاطر شوخ لہجے میں بولیں تو شمسہ بھی مسکراتی ہوئیں اٹھ گئیں، ملازمہ کے ہاتھ انہوں نے لان میں تیل بھجوایا اور خود کچن کی جانب بڑھ گئیں۔

سفینہ بیگم محبت سے اس کے بالوں میں تیل لگا رہی تھیں جب حیاء کی بات پر ان کے حرکت کرتے ہاتھ تھم گئے۔

''دادو میں ابھی مرنا نہیں چاہتی، مجھے مرنے سے بچا لیں۔'' حیاء کی آنکھیں بند تھیں اسے خود بھی اندازہ نہیں تھا کہ وہ کیا کہہ رہی ہے۔

''مجھے جینا ہے دادو، مجھے ابھی نہیں مرنا۔'' وہ بوجھل آواز میں بول رہی تھی۔

''حیاء بچے کیسی باتیں کر رہی ہو؟'' سفینہ بیگم کو اس کے اس انداز سے خوف سا آیا تھا۔

''ایسی باتیں نہیں کرتے، تمہیں کچھ بھی نہیں ہوگا، تم فکر مت کرو ہم ہیں نا تمہارے ساتھ۔'' سفینہ بیگم کو لگا وہ اتنے دن بیمار رہنے کی وجہ سے ایسی بہکی باتیں سوچ رہی ہے اس لئے اسے بہلانے لگیں۔

اس نے اپنا سر ان کی گود میں رکھ دیا تو وہ اس کے بال سہلانے لگیں۔

''دادو اللہ پاک انسان کو اسی انسان کے ہاتھوں کیوں توڑتے ہیں جسے وہ بہت پیار کرتا ہے جسے وہ اپنی زندگی میں سب سے اونچے سنگھاسن پر بٹھا کر رکھتا ہے؟'' حیاء نے آنکھیں موندیں پوچھا۔

''کیونکہ اللہ اپنے بندے کو اسی چیز سے آزماتا ہے جو اسے بہت محبوب ہو یا پھر اس سے جسے وہ بے حد ناپسند کرتا ہو، کبھی کبھار اللہ ہم سے ہماری من پسند چیزیں چھین کر ہمیں وہ دیتا ہے جس سے ہم ہمیشہ دور بھاگتے رہے ہوں کہ وہ

اپنے بندے کو آزما سکے کہ اب وہ کیا کرے گا شکوے یا پھر صبر۔''

''جو صبر کا دامن تھامتا ہے وہ پار لگ جاتا ہے اور جو ناشکری کرتا ہے گلے شکوؤں کے انبار لگا کر بیٹھ جاتا ہے اس کی آزمائشیں کم نہیں بلکہ بڑھتی ہی چلی جاتی ہیں۔'' وہ محبت سے نرم لہجے میں اسے بتا رہیں تھیں جب شمسہ چائے کی ٹرے تھامے لان کی جانب آتی دکھائی دیں۔

''چلو اب چائے پی کر میڈیسن لے لینا پھر سر درد بالکل ٹھیک ہو جائے گا۔'' وہ اس کے بالوں کو پونی میں قید کرتی ہوئیں بولیں، حیاء نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا اور شمسہ کے ہاتھ سے چائے کا کپ تھام لیا۔

تینوں چائے پی رہی تھیں جب عامر اپنے کمرے کی کھڑکی سے نیچے لان میں بیٹھی حیاء کو دیکھ رہا تھا، حیاء کو محسوس ہوا کے وہ کسی کی نظروں کے حصار میں ہے اسی لئے اس نے نظر اٹھا کر اوپر دیکھا تو عامر کھڑکی میں کھڑا تھا اس کے دیکھنے پر وہ مسکرایا تو حیاء بھی ہولے سے ہنس دی، عامر اس کو مسکراتا دیکھ کر مطمئن سا ہو گیا۔

وہ بس اسے خوش دیکھنا چاہتا تھا، اس لئے تو آج تک اپنے دل کی بات اس پر کبھی ظاہر نہیں ہونے دی تھی، کیونکہ وہ جانتا تھا حیاء کے دل میں اس کے لئے ایسی کوئی فیلنگز نہیں وہ اسے صرف اپنا اچھا دوست اور بیسٹ کزن سمجھتی ہے، لیکن جب سے اس نے جانا تھا کہ حیاء اپنی محبت کے اس سفر میں ہار گئی ہے تب سے اس کا دل چاہتا تھا وہ اپنے دل کی سب باتیں حیاء سے کہہ ڈالے حیاء کے سارے دکھ درد سمیٹ کر اس کی جھولی میں صرف خوشیاں ہی خوشیاں ڈال دے، جیسے لوہے کو لوہا کاٹتا ہے ویسے محبت میں دیئے جانے والے زخم بھی محبت سے ہی بھرے جاتے ہیں اور وہ اسے اتنی محبت دینا چاہتا تھا کہ اسے اپنی زندگی کا ہر غم بھول جائے، وہ پہلے جیسی ہنستی کھلکھلاتی حیاء بن جائے، لیکن وہ حیاء کی مرضی کے خلاف کبھی اس کی زندگی میں داخل نہیں ہونا چاہتا تھا اور وہ جانتا تھا اگر وہ ابھی حیاء سے ایسی ویسی کوئی بات بھی کرے گا تو وہ سمجھے گی وہ اس وقت اس کی بے بسی کا فائدہ اٹھا رہا ہے اس لئے اب وہ صرف اس وقت کے انتظار میں تھا جب اسے محسوس ہوتا کہ اب یہی وقت ہے جب مجھے حیاء سے اپنے دل کی ہر بات کہہ دینی چاہیے۔

☆☆☆

ابھی تو راکھ ہوئے ہیں تیرے فراق میں ہم
ابھی ہمارے بکھرنے کا کھیل باقی ہے

وہ کافی دنوں بعد آج رضا صاحب کے ساتھ آفس آئی تھی آفس کے مینجر نے اسے سارا کام سمجھا دیا تھا اور اب وہ اپنے آفس میں بیٹھی کچھ ضروری فائلز چیک کر رہی تھی جب اسے محسوس ہوا کہ مصطفیٰ یہیں کہیں اس کے آس پاس ہے، لیکن اس نے اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر دیا۔

لیکن محبت میں وہم نہیں الہام ہوا کرتے ہیں جب اسے عجیب سی گھٹن کا احساس ہونے لگا تو وہ اٹھ کر باہر چلی آئی وہ لابی کی جانب بڑھ رہی تھی جب اسے رضا صاحب کے ہمراہ میٹنگ روم میں مصطفیٰ نکلتا دکھائی دیا، حیاء کے آگے کی جانب بڑھتے قدم تھم گئے اس کا دل پھر سے مچلنے لگا، مصطفیٰ بھی اسے دیکھ چکا تھا اس نے تقریباً ایک ماہ بعد حیاء کو دیکھا تھا اور یوں لگ رہا تھا وہ صدیوں بعد اسے دیکھ رہا ہو، وہ پہلے سے کافی کمزور لگ رہی تھی، رضا صاحب مینجر کے ہمراہ آگے بڑھ گئے تو مصطفیٰ اس کی جانب چلا آیا۔

''السلام علیکم! کیسی ہو؟'' مصطفیٰ نے بغور اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

''جیسی ہمیشہ ہوتی ہوں۔'' حیاء نے مسکرانا چاہا لیکن مسکرا نہ سکی۔

''نہیں ہمیشہ جیسی ہوتی تو میں تم سے کبھی یہ نہیں پوچھتا کہ کیسی ہو۔'' مصطفیٰ نے کہا تو حیاء نے نظریں جھکا لیں۔

''آپ کی شادی کی ڈیٹ فکس ہوگئی ہے مبارک ہو۔'' حیاء نے دل پر پتھر رکھتے ہوئے کہا۔

''تمہیں کس نے بتایا؟''

''آپ کی شادی ہو اور یہ بات چھپی رہے ایسا ممکن نہیں۔'' حیاء نے اس کے سوال کو نظر انداز کرتے جواب دیا تو وہ ہلکا سا مسکرا دیا، مسکراہٹ پھیکی تھی۔

''اچھا میں اتنا مشہور ہوگیا ہوں مجھے اندازہ نہیں تھا۔''

''ظاہر ہے سیاسی لوگ مشہور ہی ہوتے ہیں۔'' حیاء نے بے دلی سے کہا۔

''ہوں صرف سیاسی نہیں اور بھی بہت سے لوگ مشہور ہوتے ہیں۔'' مصطفیٰ نے اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے کہا۔

''مثلاً؟'' حیاء نے پوچھا۔

''مثلاً پھر کبھی بتاؤں گا ابھی مجھے انکل رضا کے ساتھ کچھ لوگوں کو ملنے جانا ہے، وہ باہر میرا انتظار کر رہے ہوں گے چلتا ہوں۔'' مصطفیٰ کہتا ہوا آگے کی جانب بڑھ گیا حیاء اس کو جاتا دیکھتی رہ گئی اس کے نصیب میں تھا ہی یہ کہ وہ ہمیشہ اسے جاتا ہی دیکھتی رہ جائے۔

مصطفیٰ کی شادی کی خبر اسے خدیجہ سے ملی تھی جب وہ وشمہ کے ساتھ ایک دن کالج سے سیدھا ان کے گھر اس کی طبیعت کا پوچھنے چلی آئی تھی۔

جنوری میں مصطفیٰ کی شادی طے ہوگئی تھی اور اس کا ذکر مصطفیٰ نے اس سے اس لئے نہیں کیا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا یہ کوئی ایسی خبر نہیں ہے جس کو سن کر وہ خوش ہوگی، اس لئے اس نے حیاء کو بتانا بھی نہیں چاہا، جیسے جیسے جنوری قریب آ رہا تھا حیاء کو محسوس ہو رہا تھا اس کی زندگی اس کے ہاتھوں سے پھسلتی جا رہی ہے، لیکن وہ خود کو اب گھر والوں کی خاطر نارمل ہی رکھتی تھی اور ویسے بھی عامر کے والدین جب سے آئے تھے وہ خود کو خوش رکھنے کی کوشش کرتی تھی، کہ وہ گھر والوں کو ہی نہیں اپنے تایا جان اور تائی جان کی بھی لاڈلی تھی۔

مصطفیٰ چلا گیا تھا لیکن وہ ابھی بھی اسی پوزیشن میں کھڑی نہ جانے کن خیالوں میں کھوئی تھی جب ایک لڑکی اس کے قریب آ کر بولی۔

''ایکسیوزمی میم رضا سر نے یہ فائل آپ کو دینے کو کہا تھا آپ دیکھ لیجئے۔'' حیاء نے اس کی آواز پر چونک کر اسے دیکھا اور پھر اس سے فائل پکڑ کر واپس اپنے آفس میں چلی آئی۔

☆☆☆

شام کو گھر پہنچی تو سب لوگ ٹی وی لاؤنج میں بیٹھے شام کی چائے کے ساتھ باتوں میں مگن تھے، حیاء نے آگے بڑھ کر سب کو سلام کی اور انہی کے پاس بیٹھ گئی۔

''لو ہماری بیٹی بھی آ گئی۔'' تایا جان محبت سے اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولے۔

''ہم سب تمہارا ابھی انتظار کر رہے تھے۔'' شمسہ مسکراتی ہوئی بولیں۔

''کیوں خیریت تھی؟'' حیاء نے ابرو اچکا کر پوچھا۔

''ہاں سب خیریت ہے بس ایک اہم فیصلہ کرنے سے پہلے اس میں تمہاری مرضی جاننی بہت ضروری تھی۔'' دادو بغور اس کو دیکھتی ہوئیں

بولیں۔
''جی کیسا فیصلہ؟'' حیاء کو کچھ غیر معمولی پن کا احساس ہوا۔
''تمہاری شادی کا فیصلہ، ہم سب چاہتے ہیں کہ تمہاری شادی عامر سے کر دی جائے اگر تمہیں کوئی اعتراض نہ ہو تو؟'' تائی جان محبت سے نرم لہجے میں بولیں۔
حیاء ساکت بیٹھی باری باری سب کے چہرے دیکھتی رہی جن پر یقین کی مسکراہٹ واضح نمایاں تھی کہ وہ حیا سے کس جواب کی توقع رکھتے ہیں، حیاء کو لگا ابھی بھی اس کی آزمائشیں کم نہیں ہوئیں بلکہ بڑھتی چلی جارہی ہیں، وہ کچھ بول نہیں پارہی تھی، جب عامر باہر سے لاؤنج کی جانب آتا دکھائی دیا اس کی بے نیازی سے تو یہ ہی ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ بھی ابھی گھر والوں کی خواہش سے بے خبر ہے، حیاء نے نظر بھر کے سامنے کھڑے عامر کو دیکھا جو دادو کے ساتھ صوفے پر بیٹھتے ہوئے حیاء کے ہی چہرے کو دیکھ رہا تھا، سب حیاء کے جواب کے منتظر تھے۔
''کیا ہوا بیٹا تمہیں کوئی اعتراض ہے تو تم کھل کر انکار کر سکتی ہو کیونکہ اس فیصلے میں زبردستی نہیں کی جاسکتی، تم بچوں کی اپنی زندگی ہے اور اپنی زندگی کا فیصلہ کرنے کا حق سب کو ہوتا ہے۔'' تایا جان کے لفظوں نے اس کے مردہ جسم میں جیسے جان ڈال دی ہو اس نے شدت سے خواہش کی کہ کاش مصطفیٰ کو بھی ایسے ہی اپنی زندگی کے فیصلے کرنے کا حق دیا جاتا، عامر ناسمجھی سے سب کو دیکھنے لگا، مطلب وہ بیچ میں سب کے ارادوں سے انجان تھا۔
''یہ سب میں کیا گفتگو چل رہی ہے کچھ مجھے بھی بتایا جائے بھئی۔'' عامر شرارت سے مسکراتا ہوا بولا۔
''ہم چاہتے ہیں کہ تمہارا اور حیاء کا رشتہ طے کر دیا جائے اگر تم دونوں کو کوئی اعتراض نہ ہو تو۔'' دادو کی بات پر سکتے میں آنے کی باری اب عامر کی تھی۔
''کیا؟ حیاء سے شادی وہ بھی میری؟'' عامر چیخنے کے سے انداز میں بولا تو سب لوگوں نے حیرت سے اسے دیکھا اور پھر گم صم بیٹھی حیاء کو۔
''آپ سب نے ایسا سوچ بھی کیسے لیا کہ میں حیاء سے شادی کے لئے راضی ہو جاؤں گا، حیاء میرے ٹائپ کی نہیں ہے پاپا مجھے حیاء سے شادی نہیں کرنی۔'' عامر نے سپاٹ لہجے میں سامنے بیٹھی حیاء کو دیکھ کر بولا تو سب پہ جیسے سکتہ طاری ہو گیا۔
خود حیاء بھی اس کے اس انداز پر چونکی تھی اور اسے عامر کا انداز برا بھی لگا تھا اس لئے نہیں کے وہ اسے ریجیکٹ کر رہا تھا بلکہ اس لئے کے اس نے سب کے مان کو ایک سیکنڈ میں کیسے توڑ دیا تھا ابھی کچھ پہلے جو چہرے کھلے گلاب کی مانند لگ رہے تھے اب اچانک مرجھا گئے تھے۔
''حیاء میں کیا برائی ہے جو تم حیاء کے لئے ایسا کہہ رہے ہو؟'' دادو خفگی سے بولیں۔
''دادو برائی نہیں ہے لیکن اس کا یہ مطلب تو نہیں کہ جس میں کوئی برائی نہ ہو اس سے شادی کر لی جائے شادی اس انسان سے کرنی چاہیے جس سے آپ کا دل آپ کی سوچ ملتی ہو کہ زندگی کو پر سکون طریقے سے گزارا جاسکے۔''
حیاء کے دل نے بیٹھے بٹھائے ایک اور خواہش کی کہ کاش مصطفیٰ بھی عامر کی طرح اتنا ہی حوصلہ رکھتا اور اپنی محبت کی خاطر لڑ جاتا، اے کاش۔
حیاء کو اس لڑکی پر رشک آیا جس سے وہ

محبت کرتا تھا، حیاء نے دل ہی دل میں ان دونوں کے ایک ہو جانے کی دعا مانگی۔

''تایا ابو عامر ٹھیک کہہ رہا ہے۔'' حیاء بمشکل بس اتنا ہی بول سکی۔

''تو پھر تم دونوں ہمیں اپنی اپنی پسند بتا دو تاکہ ہم لوگ اب تم لوگوں کی شادیوں کا سوچیں۔'' رضا صاحب نے پہلی بار گفتگو میں حصہ لیا۔

''بابا مجھے ابھی شادی نہیں کرنی البتہ عامر سے آپ اس کی پسند پوچھ لیں۔'' وہ کہتی ہوئی اٹھ کر اپنے کمرے میں چلی آئی۔

''کچھ وقت دیں آپ سب کو اپنی پسند سے خود ملوا دوں گا، لیکن تب تک پلیز مجھ سے شادی کا ذکر مت کریئے گا۔'' عامر بھی اپنی بات کہہ کر اٹھ کر چلا گیا تو سب نے ایک دوسرے کو دیکھ کر چند لمحوں کی خاموشی کے بعد موضوع بدل لیا۔

عامر جانتا تھا اگر وہ ابھی یہ کہتا کہ اسے حیاء سے شادی کرنے میں کوئی اعتراض نہیں تو حیاء اس سے بہت ناراض ہو جاتی اور وہ اس کی ناراضگی برداشت نہیں کر سکتا تھا اس لئے اس نے حیاء کی خاطر اپنے دل کی خواہش ظاہر نہیں کی اور اچھے وقت کا انتظار کرنے لگا۔

اور حیاء کمرے میں بیٹھی یہ ہی سوچ رہی تھی کہ عامر کے انکار کی وجہ وہ لڑکی ہے جس سے وہ محبت کرتا ہے اور جس کا ذکر وہ اکثر حیاء سے کرتا تھا، حیاء کو اس لڑکی پر مزید رشک آنے لگا۔

جبکہ وہ پاگل انجان تھی وہ رشک کسی اور پر نہیں خود پر ہی کر رہی ہے کیونکہ عامر کی محبت کوئی اور نہیں حیاء ہی تھی۔

☆☆☆

کبھی ایسا بھی ہوتا ہے؟
کہ جس کو ہم سفر جانیں
کہ جو شریک درد ہو
وہی ہم سے بچھڑ جائے
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے؟
کہ آنکھیں جب خوابوں کو
حقیقت جان بیٹھی ہوں
وہ سب سپنے بکھر جائیں
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے؟
کہ جس کے ساتھ پہروں ساعتیں
ہم نے گزاری ہوں
اس سے ربط ٹوٹ جائیں
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے؟
خزاؤں کے دیوانے کو
بہاروں میں بہاروں سے محبت ہونے والی ہو
اور موسم بدل جائیں
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے؟
کہ جس کے نام کے آگے ہمارا نام آیا ہو
جسے محرم بنایا ہو
اسی کو اپنے ہاتھوں سے
کسی کو سونپ کر آئیں
کبھی ایسا بھی ہوتا ہے؟
فقط جو کھانس اٹھنے پر
بہت گھبرا سا جاتا ہو
اب ہمارے خون اگلنے پر
وہ لاپرواہ ہو جائے!!!

بالآخر وہ دن بھی آن پہنچا جس دن سے وہ گھبرائی تھی ڈرتی تھی۔

آج مصطفیٰ کی مہندی تھی اور اس کے سب گھر والے فنکشن میں گئے تھے جبکہ وہ آج آفس سے ہی اب تک گھر نہیں لوٹی تھی، رضا صاحب اس کو کئی بار کال کر چکے تھے لیکن وہ یہ ہی کہتی رہی وہ اپنا کام مکمل کیے بنا نہیں آئے گی اور اس کی شرکت فنکشن میں اتنی بھی لازم نہیں کہ اس کے بنا

رسمیں ہی نہ ہو سکیں، رضا صاحب اس کے ضدی مزاج سے واقف تھے اس لئے خاموش ہو گئے۔

آفس کے تمام ورکر بھی جا چکے تھے بس چوکیدار ہی تھا اور ایک لڑکی تھی جو حیاء کی غیر موجودگی میں سارا کام دیکھتی تھی، حیاء نے اسے کچھ ضروری میلز کرنے کو کہہ کر اسے کام میں لگا دیا اور خود کرسی کی پشت سے ٹیک لگا کر بیٹھ گئی۔

بے بسی کی کیفیت بھی کیا کیفیت ہوتی ہے جب انسان چاہ کر بھی کچھ نہیں کر سکتا۔

اس کا دل چاہ رہا تھا وہ اڑ کر مصطفیٰ کے پاس پہنچ جائے اور اسے کہہ دے کہ اس پر اتنا ظلم مت کرو اس سے اس کی محبت اس کا مان مت چھینو، لیکن وہ ایسا چاہتے ہوئے بھی نہیں بول سکتی تھی، وہ خود غرض نہیں تھی لیکن کبھی کبھار خود غرض بننا پڑتا ہے جو کے اسے بننا نہیں آتا تھا۔

''اللہ جی مجھے ہمت دیں، ایک آپ ہی ہیں جو مجھے اب سنبھال سکتے ہیں مجھے سنبھال لیں اللہ جی مجھے سنبھال لیں، ورنہ یہ ظالم دنیا میرا تماشا بنائے گی، مجھے تماشا نہیں بننا اے اللہ، مجھے صبر عطا کر مجھے سکون نصیب فرما، مجھے ٹوٹنے مت دے کہ میں ٹوٹ گئی تو مجھے کون جوڑے گا، مجھ پر رحم فرما میرے مالک مجھ پر رحم فرما، وہ شخص میرے نصیب میں نہیں ہے تو اسے میرے دل سے بھی نکال دے، اگر تو نے اسے میری قسمت میں نہیں لکھا تو مجھے اس کی خواہش سے بھی باہر نکال دے، میرے دل کو قرار دے میرے مولا، ایک تو ہی تو ہے جو ٹوٹے کو جوڑتا ہے، جو بکھرے کو سمیٹتا ہے، جو بے بسوں کو سنبھالتا ہے۔'' وہ دونوں ہاتھ جوڑے زارو زار رونے لگی جب آفس کے دروازے پر کھڑے شخص نے اس کو دیکھا اور خود وہ بھی اسے اس حالت میں دیکھ کر اپنی آنکھیں نم ہونے سے نہ بچا سکا۔

وہ قدم قدم چلتا اس کے قریب آیا اور اس کے دونوں ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لیتے ہوئے اسے دیکھنے لگا، حیاء نے اپنی بند آنکھیں نہیں کھولیں، وہ اس لمس کو محسوس کر چکی تھی، وہ آنکھیں کھول کر سامنے کھڑے شخص کو دیکھنا نہیں چاہ رہی تھی کیونکہ اسے خود اپنی حالت سے خوف آنے لگا تھا کہ اگر آج اس نے اسے آنکھیں کھول کر دیکھ لیا تو وہ اسے خود سے دور جاتا نہیں دیکھ پائے گی۔

''حیاء تم نے وعدہ کیا تھا کہ تم نہیں روؤ گی۔''

''آپ چلیں جائیں پلیز، مجھے میرے حال پر چھوڑ دیں، پلیز بار بار میرے صبر کو آزمانے مت آجایا کریں، آپ کیوں بار بار مجھے تڑپتا دیکھنے چلے آتے ہیں، آپ کو بہت مزہ آتا ہے نا مجھے یوں روتا دیکھ تڑپتا دیکھ کر۔'' وہ بند آنکھوں سے روتے ہوئے بولی تو اسے کوئی جواب نہ ملا، گھبرا کر آنکھیں کھول لیں، اس نے اپنے اردگرد نظر گھمائی تو وہ تنہا تھی۔

آہ وہ نہیں آیا تھا یہ محض اس کا خیال تھا کہ وہ اپنی مہندی کی رسم چھوڑ کر اس کو آج تسلی دینے چلا آتا، حیاء نے وال کلاک پر نظر ڈالی گیارہ بجنے والے تھے، اس نے اپنا موبائل اور گاڑی کی چابیاں اٹھائیں اور گھر کے لئے نکل گئی۔

گاڑی ڈرائیو کرتے اس کا مسلسل دھیان مصطفیٰ کی جانب تھا، گھر پہنچی تو اس کی سوچ کے مطابق سب لوگ مصطفیٰ کی مہندی میں گئے تھے، سوائے دادو اور عامر کے۔

حیاء سیدھا اپنے کمرے میں چلی آئی اس وقت وہ کسی سے بھی نہیں ملنا چاہتی تھی، اس نے چینج بھی نہیں کیا اور نیند کی ٹیبلٹ لے کر سوگئی، آج اس نے نیند کی گولیاں اتنی ضرور کھائیں تھیں کہ پوری رات میں وہ ایک بار بھی نہ جاگ سکے

کیونکہ وہ جانتی تھی آج نیند کی ڈوز لئے بنا وہ سو نہیں پائے گی اور اگر جاگتی رہی تو یہ رات اس کی زندگی کی سب سے لمبی رات ہو گی جسے گزارنا اب اس کے بس میں نہیں رہا تھا چند لمحوں بعد نیند کی آغوش سے لپٹ گئی۔

☆☆☆

آج چونکہ اتوار کا دن تھا اسے آفس سے چھٹی بھی تھی جس وجہ سے اسے کسی نے بھی نہیں جگایا لیکن جب دوپہر کے تین بج گئے اور وہ سو کر نہیں اٹھی تو شمسہ اس کے کمرے میں چلی آئیں۔

''حیاء اٹھ بھی جاؤ دوپہر کے تین بج چکے ہیں اور تم ابھی تک سو رہی ہو۔'' انہوں نے اس سے کمبل کھسکاتے ہوئے کہا۔

لیکن وہ جوں کی توں لیٹی رہی، شمسہ نے آگے بڑھ کر اسے جھنجھوڑا تو اس کے وجود میں حرکت پا کر انہیں اک انجانا سکون مل گیا۔

''حیاء اٹھو جلدی بہت سو لیا۔'' وہ اس کے پاس بیٹھ کر اس کے بال سہلاتی ہوئیں بولیں۔

حیا نے مندی مندی آنکھوں سے پاس بیٹھی ماں کو دیکھا اور پھر ان کی گود میں سر رکھ کر بوجھل آواز میں بولی۔

''آئی لو یو مما۔'' شمسہ بیگم اس کے انداز پر مسکائی تھیں۔

''آج بڑا پیار آ رہا ہے مما پر؟''

''جی بس ایسے ہی۔''

''اچھا اٹھ جاؤ اب پہلے بہت دیر ہو گئی ہے شام میں مصطفیٰ کی برات میں بھی جانا ہے اور آج تم بھی ساتھ چلو گی تمہارے بابا نے کہا ہے آج کوئی بہانہ نہیں چلے گا۔''

''آج میں کوئی بہانہ کروں گی بھی نہیں، بلکہ آج تو میں ضرور آپ سب کے ساتھ چلوں گی۔'' وہ کہتی ہوئی اٹھ کر بیٹھ گئی۔

''آپ اپنے ہاتھوں سے آج میرے لئے ناشتہ بنائیں مجھے بہت بھوک لگی ہے میں بس فریش ہو کر آ رہی ہوں۔'' حیاء نے واش روم کی جانب بڑھتے ہوئے کہا تو شمسہ نے بغور اس کی شخصیت کا جائزہ لیا انہیں محسوس ہوا کہ حیاء کا انداز آج پہلے سا نہیں، وہ اپنا وہم سمجھ کر نظر انداز کر گئیں اور جا کر اس کے لئے ناشتہ بنانے لگیں۔

☆☆☆

تمہیں اس سے نہیں مطلب\
غلط فہمی تھی یا الفت\
یہ میرا درد سر ہے\
درد دل ہے\
جو بھی ہے\
جاؤ......!\
تمہارا کام تھا\
تم نے محبت کی\
بہت اچھے\
یہ میرا کام ہے\
میں یاد رکھوں یا بھلا ڈالوں\
عجب باتیں ہیں دنیا کی\
عجب رسمیں ہیں الفت کی\
محبت تو کر لیتے ہیں\
نبھانا بھول جاتے ہیں\
کسی دن چھوڑ جائیں گے\
بتانا بھول جاتے ہیں\
تمہیں جانا ہے نا؟\
جاؤ......!\
تم آزاد ہو\
جاؤ......!

وہ آج پہلی بار اتنا تیار ہوئی تھی، اس نے

میرون اور سلور کمبینیشن کی لانگ فراک پہن رکھی تھی، فراک کے ساتھ میچنگ جیولری اور میچنگ میک اپ اس پر اتنا جچ رہا تھا کہ کوئی اندازہ بھی نہیں لگا سکتا تھا کہ اس میک اپ کے پیچھے چھپا چہرہ کس کیفیت میں مبتلا ہے۔

مصطفیٰ کی بہن صدف اور خدیجہ اس کو زبردستی اپنی کزنز میں لے آئیں، سب اس کو دیکھ کر اس کی تعریف کر رہے تھے، حیاء کے لبوں پر سجی ہلکی سی مسکراہٹ تھم گئی جب سامنے اسٹیج پر مصطفیٰ میرون شیروانی میں کھڑا دکھائی دیا۔

''ہائے۔'' اک درد سا دل میں اٹھا تھا، حیا نے نمی کو آنکھوں میں ہی جذب کر لیا، مصطفیٰ کی نظر اچانک سامنے کھڑی حیاء پر پڑی وہ اپنی جگہ ساکت ہو گیا، دونوں ایک دوسرے سے نظریں چرانا چاہتے تھے لیکن چرا نہیں پا رہے تھے۔

''آپی آپ کو مما بلا رہی ہیں۔'' وشمہ نے اس کو چونکا دیا تو وہ نظریں جھکا کر وہاں سے چلی آئی، مصطفیٰ کی توجہ اب صرف حیاء پر ہی تھی۔

وہ اپنی مما کے ہمراہ کھڑی کچھ بات کر رہی تھی اور بات کرنے کے دوران اس کے لبوں پر سجی مسکراہٹ مصطفیٰ کا دل جلا رہی تھی، اس نے اس معصوم سی لڑکی کو دکھ کے سوا دیا ہی کیا تھا لیکن اس نے بھی کبھی زبان سے شکوہ بھی نہیں کیا تھا۔

دفعتاً دلہن کی آمد کا شور مچ گیا تو حیاء کی سانسیں تھم سی گئیں اس کی آنکھوں کے آگے اندھیرا چھانے لگا، وہ چکرا کر گر جاتی اگر پاس پڑی کرسی پر بیٹھ نہ جاتی، اس نے پاس سے گزرتے ویٹر سے سافٹ ڈرنک کا گلاس تھاما اور ایک ہی سانس میں پی گئی، حیاء اسٹیج کی جانب دیکھنا ہی نہیں چاہ رہی تھی جبکہ مصطفیٰ اس کی ایک ایک حرکت کو نوٹ کر رہا تھا۔

حیاء نے ایک لمبا سانس لیا اور خود کو نارمل کرنے کی کوشش کرتے ہوئے اٹھ کھڑی ہوئی اور نظر اٹھا کر مصطفیٰ کے ہمراہ دلہن کے روپ میں کھڑی لڑکی کو اس نے پہلے بھی کہیں دیکھا تھا کہاں اس نے سوچنا چاہا تو جلد ہی یاد آ گیا، مصطفیٰ کی سالگرہ والے دن جس لڑکی سے اس کا ڈریس گندا ہوا تھا وہ یہ ہی تو تھی، مصطفیٰ کی دلہن، حیاء کا دل کسی بوجھ تلے دب چکا تھا اس کو لگا وہ مزید کچھ وقت وہاں ٹھہری تو کچھ ہو جائے گا، وہ کسی کو بتائے بنا سیدھا اپنی گاڑی کی جانب بڑھی اور فل اسپیڈ میں ڈرائیو کرتی گھر پہنچ گئی، تیس منٹ کا راستہ اس نے دس پندرہ منٹ میں طے کیا تھا۔

گھر میں آج عامر کے علاوہ کوئی بھی نہیں تھا دادو بھی سب کے ساتھ شادی میں گئیں تھیں، حیاء نے ساری جیولری اتار کر ڈریسنگ ٹیبل پر پٹخ دی جوتا اتار کر دور پھینک دیا اور بالکونی میں چلی آئی جہاں وہ اکثر بیٹھی چاند سے باتیں کیا کرتی تھی۔

آج جھولا بھی اپنی جگہ پہ موجود تھا، چاند بھی آسمان پر اپنا حسن بکھیرے بیٹھا تھا، ونڈ چائم کا دلکش ہلکا ہلکا شور بھی تھا، لیکن آج جھولے میں حیاء کی جگہ عامر بیٹھا چاند سے باتیں کر رہا تھا، حیاء اس کو دیکھ کر رک گئی اور چند ثانیے اسے دیکھنے کے بعد اس کے قریب آ کر جھولے میں بیٹھ گئی، دونوں میں خاموشی کی دیوار تھی، نہ حیاء بولی تھی نہ عامر نے اسے بلانے کی کوشش کی تھی۔

پھر ٹھہر گئی پلکوں پہ نمی
پھر دل نے کہا اک تیری کمی

حیاء کی آنکھوں کی نمی وہ اندھیرے میں بھی دیکھ سکتا تھا، حیاء تھکے ہارے انداز میں اسے مخاطب کرتی ہوئی بولی۔

''میں گہری نیند سونا چاہتی ہوں، ایسی گہری نیند جس میں نہ کسی کو پانے کے خواب ہوں، نہ

کسی کو کھونے کے وسوسے، میں تھک گئی ہوں عامر، اس تھکاوٹ نے میرے وجود کو توڑ کر رکھ دیا ہے، میں بکھر چکی ہوں کرچی کرچی، ریزہ ریزہ، کیا تم مجھے سمیٹو گے؟" حیاء کی آواز میں سوز اور آنکھوں میں نمی تھی، عامر نے کچھ کہے بنا اسے اپنے کندھے سے لگا لیا، وہ پھر سے بے آواز آنسو بہا کر اس کی شرٹ کو بھگونے لگی، عامر نے اسے رونے دیا۔

"عامر میرا دل بہت گھبرا رہا ہے۔" حیاء نے مضبوطی سے اس کا ہاتھ تھامتے ہوئے کپکپاتی آواز میں کہا۔

"حیاء سب ٹھیک ہو جائے گا۔"

"عامر مجھے لگتا ہے میں آج مر جاؤں گی، عامر مجھے بچا لو۔" حیاء کی آواز میں عجب وحشت تھی۔

"عامر!" حیاء کی آنکھیں بند ہونے لگیں۔

"حیاء...... حیاء خود کو سنبھالو حیاء تمہیں کچھ نہیں ہوگا، میں ہوں نا میں تمہارے دکھ درد سب سمیٹ لوں گا تم فکر مت کرو۔" وہ اس کے گال تھپتھپاتے ہوئے بولا، حیاء اس کی بانہوں میں جھول گئی، عامر نے کچھ سوچے سمجھے بنا اسے بانہوں میں اٹھایا اور گاڑی میں بٹھا کر ہسپتال لے گیا۔

میرے تیمارداروں سے
مسیحا جب یہ کہہ دیں
دوا تاثیر کھو بیٹھی ہے
دعا کا وقت آ پہنچا ہے
یہ بیماری بہانہ تھی
قضا کا وقت آ پہنچا ہے
تو کیا تم اتنے بے حس ہو
یقین اس پر نہ لاؤ گے
تو کیا تم اتنے ظالم ہو
مجھے ملنے نہ آؤ گے

عامر آئی سی یو کے باہر بیٹھا حیاء کی زندگی کی دعائیں مانگ رہا تھا اس نے ہوسپٹل پہنچتے ہی سب کو حیاء کی طبیعت کے بارے میں اطلاع کر دی تھی سب شادی چھوڑ کر ہوسپٹل چلے آئے تھے۔

مصطفیٰ بھی اصغر صاحب کے ساتھ خبر ملتے ہی ہوسپٹل پہنچ گیا، سب لوگ آئی سی یو کے باہر کھڑے تھے، مصطفیٰ آئی سی یو میں چلا آیا ڈاکٹرز نے اس کو لاکھ منع کیا مگر اس نے ایک نہ سنی، حیاء کو آکسیجن لگی تھی اس کی آنکھیں بند تھیں اور چہرے کی رنگت زرد پڑ چکی تھی۔

"ایک بار آنکھیں کھول دو حیاء میں سب کچھ چھوڑ دوں گا میں تمہاری خوشیوں کی خاطر اپنے ماں باپ کا نافرمان بھی بن جاؤں گا بس ایک بار آنکھیں کھول دو، میں اپنی بیوی، گھر بہن بھائی سب چھوڑ دوں گا لیکن مجھے اتنی بڑی سزا مت دو کہ میں زندگی بھر جی جی کر مرتا رہوں۔"

حیاء کی آنکھوں کے کونے بھیگنے لگے، مطلب وہ سن رہی تھی لیکن شاید اب بہت دیر ہو چکی تھی، مصطفیٰ کے ہاتھ میں حیاء کا مضبوط ہاتھ اچانک ڈھیلا پڑ گیا، پاس کھڑے ڈاکٹر نے بغور مصطفیٰ کو گھورا اور سرد لہجے میں بولا۔

"شی از نو مور۔"

مصطفیٰ کو لگا آسمان اس پر ٹوٹ پڑا ہے، ہر شے تھم گئی ہے، لاحاصلی کا سفر اختتام کو پہنچ گیا ہے، حیاء کے ساتھ اس کا وجود بھی بے جان ہو گیا ہے لیکن نہیں اب اس کو ایک بار نہیں بلکہ لمحہ لمحہ مر کر جینا تھا، مصطفیٰ سکتے کی حالت میں اپنی جگہ سے ہل نہیں سکا۔

ڈاکٹرز نے مصطفیٰ کی گرفت سے اس کا ہاتھ چھڑا کر اس کے سر سے پاؤں تک سفید چادر

تان دی، مصطفیٰ رونا چاہتا تھا لیکن رو نہیں پا رہا تھا، آئی سی یو کے باہر حیاء کی موت کی خبر آگ کی طرح پھیل گئی تھی۔

شمسہ بیگم تو وہیں بے ہوش ہو گئیں تھیں، تائی جان نے بمشکل ان کو سنبھالا جبکہ وہ خود بے یقینی سے سب کو دیکھ رہی تھیں، رضا صاحب کو ڈاکٹرز کی بات پر یقین نہیں آ رہا تھا ان کی بیٹی کیسے مر سکتی تھی وہ تو بالکل ٹھیک تھی تندرست تھی پھر وہ ایسے کیسے مر سکتی تھی وہ ڈاکٹروں سے الجھتے الجھتے رو پڑے، عامر کے قدموں تلے سے جیسے کسی نے زمین کھینچ لی تھی وہ چاہ کر بھی اپنے قدم ہلا نہیں پا رہا تھا، سب لوگوں کی آنکھوں میں اشک تھے، جنہیں کوئی بھی سمیٹ نہیں رہا تھا سب رو رہے تھے، لیکن آج حیاء مسکرا رہی تھی، کیونکہ آج وہ ہمیشہ کے لئے سکون کی نیند سو گئی تھی، جس کی تلاش اسے بہت عرصے سے تھی۔

☆☆☆

سرمئی شام کا وقت تھا عامر، حیاء کے کمرے میں بیٹھا نم آنکھوں سے اس کی تصویر دیکھ رہا تھا اور اس سے نہ جانے کتنے شکوے شکایتیں کر رہا تھا، جب دروازے میں کھڑی وشمہ اس کو دیکھ کر اس کے قریب چلی آئی، وشمہ کی آنکھوں میں نمی تھی۔

''عامر بھائی حیاء آپی نے کبھی اپنے دل کی بات نہیں بتائی تھی کے وہ مصطفیٰ بھائی سے اتنی محبت کرتی تھیں، کاش وہ ایک بار کہہ دیتیں تو بابا ضرور انکل اصغر سے بات کرتے۔''

''مصطفیٰ کی وجہ ہی سے آج وہ ہمارے بیچ میں نہیں ہے، اس نے اس کی محبت کی قدر کی ہوتی تو وہ ہمارے ساتھ ہوتی، نہ وہ کسی اور سے شادی کرتا اور نہ حیاء کی موت ایک ہارٹ اٹیک سے ہوتی، یہ صدمہ اس کے لئے اتنا بڑا تھا کہ وہ مصطفیٰ کی جدائی برداشت ہی نہیں کر سکی، وشمہ وہ اکثر مجھے کہتی تھی عامر میں مر جاؤں گی لیکن میں اسے کہتا وقت کے ساتھ سب ٹھیک ہو جائے گا، مجھے اس کی محبت کی شدت کا اندازہ نہیں تھا، وشمہ ورنہ میں مر کر بھی مصطفیٰ کی زندگی میں کسی اور کو نہ آنے دیتا، زبردستی ہی سہی میں مصطفیٰ کو مجبور کر دیتا کہ وہ حیاء سے شادی کر کے ہمیشہ کے لئے اسے اپنا لے۔'' عامر بے بسی سے بولا۔

''آپ بھی تو آپی سے اتنی محبت کرتے ہیں آپ نے کیوں نہ ان سے شادی کے لئے ہامی بھری؟''

''کیونکہ میں جانتا تھا حیاء اپنی زندگی میں مصطفیٰ کی جگہ کسی کو نہیں دے گی اور اگر میں اس وقت ہاں کر دیتا تو سب حیاء کے انکار کی وجہ پوچھتے اس لئے میں نے ہی انکار کر دیا کہ حیاء سے کوئی سوال نہ کرے کیونکہ ویسے بھی ان دنوں وہ اس پوزیشن میں نہیں تھی کہ گھر والوں سے کسی بارے میں بحث کر پاتی، مجھے پچھتاوا ہو رہا ہے وشمہ کاش میں اس وقت انکار نہ کرتا میں اسی وقت شادی کے لئے ہاں کر دیتا اور اسے فوراً یہاں سے سب سے دور لے جاتا اسے اتنی محبت دیتا کہ وہ چاہ کر بھی مصطفیٰ کو یاد نہ کرتی، کاش۔'' اس نے کہتے کہتے آنکھیں بھینچ لیں جیسے وہ حیاء کی موت کی تلخ حقیقت کو جھٹلانا چاہتا تھا۔

لیکن کچھ سچ چاہ کر بھی جھٹلائے نہیں جا سکتے، انہیں ماننا ہی پڑتا ہے اور یہ تلخ حقیقت اس کے گھر والوں کو ابھی تک سکتے میں ڈالے ہوئے تھی، کسی کو بھی یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس گھر کی رونق ہمیشہ کے لئے ان سے دور جا چکی ہے، رضا صاحب کے لئے یہ صدمہ اتنا شدید تھا کہ کسی سے کوئی بات ہی نہیں کرتے تھے، شمسہ تو ویسے ہی چپ ہو گئی تھی جوان بیٹی کی موت نے ان کو

نڈھال کر دیا تھا اور دادو تو راتوں کو جاگ جاگ کر حیاء کو پکارتی تھیں جس پر مجبوراً انہیں نیند کی میڈیسن دے کر سلانا پڑتا۔

حیاء جا چکی تھی مگر اس کی یادیں اس گھر کے مکینوں کو بہت رلاتی تھیں، انہیں لگتا تھا وہ ابھی کہیں سے چلی آئے گی، مگر جہاں وہ جا چکی تھی وہاں سے کبھی کوئی نہیں لوٹتا۔

☆☆☆

شام کے سرمئی اندھیرے قبرستان میں گھل مل رہے تھے وہ اپنے بھاری قدم اٹھاتا اس کی قبر تک پہنچا، اس کو مرے آج ایک ہفتہ ہو گیا تھا اور پورا ایک ہفتہ مصطفیٰ صدمے کی حالت میں رہا تھا آج اس کی طبیعت کچھ سنبھلی تو وہ سیدھا قبرستان چلا آیا اسے یقین نہیں ہو رہا تھا کہ یہ خاک ہوئی لڑکی اس کی محبت میں سچ میں مر گئی، وہ اکثر کہتی تھی سر میں آپ کے بنا نہیں رہ پاؤں گی، میں مر جاؤں گی اور وہ مر چکی تھی۔

''سر! آپ مجھے اتنے اچھے کیوں لگتے ہیں؟'' مصطفیٰ کی سماعتوں سے اس کا وہ جملہ ٹکرایا جس کو سن کر اسے عجب تسکین ملتی تھی مگر وہ اس سوال کا جواب کبھی نہیں دے پاتا تھا۔

''میں آپ کے بنا مر جاؤں گی۔'' یہ جملہ کئی بار اس نے حیاء کے منہ سے سنا تھا جس کو وہ اس کا جذباتی پن سمجھ کر نظر انداز کر جاتا تھا۔

لیکن آج اسے شدت سے احساس ہو رہا تھا کہ وہ جو کہتی تھی سچ کہتی تھی کیونکہ وہ جانتی تھی وہ اس کی جدائی برداشت نہیں کر پائے گی، یہ کوئی دو چار دن کی یا چند مہینوں پر مشتمل کی جانے والی محبت کی داستان نہیں تھی، یہ چھ برس اپنی محبت کو پانے کا انتظار کرنے کی محبت تھی ایسا انتظار جو لاحاصل ثابت ہوا تھا جس نے ایک معصوم کی جان لے ڈالی تھی اور جان جانے سے پہلے کس اذیت سے وہ گزری تھی یہ بس منوں مٹی تلے سوئی حیاء ہی جانتی تھی۔

''حیاء تم تو سکون کی نیند سو گئی مگر اب میں ساری عمر سکون سے نہ سو پاؤں گا نہ مر پاؤں گا نہ ہی جی پاؤں گا، تم جیت گئی حیاء میں ہار گیا، میری قسمت میں اب لمحہ لمحہ جی کر مرنا لکھ دیا گیا ہے، کاش میں بھی تمہاری طرح ایک ہی بار میں سکون کی نیند سو جاؤں، حیاء میں ایک ہی بار مر جانا چاہتا ہوں تمہاری طرح سکون کی نیند سو جانا چاہتا ہوں مجھے اپنے پاس بلا لو، میں تمہارے ساتھ رہنا چاہتا ہوں۔'' وہ اس کی قبر کے سرہانے بیٹھا رو رہا تھا جب اصغر صاحب نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا، اس نے نظر اٹھا کر ان کو دیکھا اور پھر سے حیاء کی قبر کی جانب دیکھ کر خاموش آنسو بہانے لگا۔

وہ ان سے ناراض تھا وہ اپنے گھر کے سب لوگوں سے ناراض تھا، اس کی محبت کا گلا گھونٹنے والے کوئی اور نہیں اس کے اپنے ہی تھے۔

''مصطفیٰ تم ہی نہیں میں بھی حیاء کی موت کا ذمہ دار ہوں میں تم دونوں کا گنہگار ہوں مجھے معاف کر دو بیٹا۔'' اصغر صاحب کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں۔

''نہ میں اپنی انا کی خاطر تمہاری شادی زبردستی ایمان سے کرواتا نہ ہی حیاء آج یوں ہم سب کو چھوڑ کر جاتی، بیشک تم نے کبھی اپنی زبان سے اپنی محبت کا ذکر نہیں کیا تھا لیکن میں تو تمہاری آنکھوں میں حیاء کے نام سے آ جانے والی چمک دیکھ کر اندازہ لگا سکتا تھا نا کہ تمہارے اس کے بارے میں کیا جذبات ہیں، میں سب کچھ جان کر بھی انجان بنتا رہا صرف اپنی انا کی خاطر۔''

''تم نے ایک فرمانبردار بیٹا بن کر ثبوت دیا ہے کہ آج بھی بہت سی اولادیں ایسی ہیں جو اپنے

ماں باپ کے فیصلوں پر اف تک نہیں کرتیں لیکن میں نے آج کے دور میں بھی اپنی جاہلیت کا ثبوت دیا جو لوگ بچپن میں ہی اپنے بچوں کے رشتے طے کر دیتے ہیں اور بعد میں ان رشتوں کو اپنی انا کا مسئلہ بنا کر اپنی اولاد کی خوشیاں برباد کر دیتے ہیں اولاد ہی نہیں ماں باپ بھی خود غرض ہوتے ہیں اور میں نے اپنی خود غرضی کی وجہ سے آج اپنے عزیز دوست سے اس کی جان سے پیاری بیٹی کو چھین لیا، میں سب کا گنہگار ہوں، مجھے معاف کر دو مصطفیٰ ورنہ یہ پچھتاوا قبر تک میری جان نہیں چھوڑے گا کہ میں نے اپنے دوست سے اس کی بیٹی اور اپنے بیٹے سے اس کی محبت چھین لی۔'' وہ کہتے کہتے رو دیئے تو مصطفیٰ نے نظر اٹھا کر ان کی جانب دیکھا، انہوں نے دونوں ہاتھ جوڑ رکھے تھے ان کا سر خم تھا۔

''ایک باپ آج اپنے بیٹے سے معافی کا طلبگار تھا، غلطیاں چھوٹوں ہی سے نہیں بڑوں سے بھی ہو سکتی ہیں۔''

مصطفیٰ کو سفید کپڑوں میں ملبوس اس کا چاند سا چہرہ دکھائی دیا اس کا آنچل ہوا میں لہرا رہا تھا، اس کے چہرے پر سکون بھری ایک گہری مسکراہٹ تھی وہ اس کے قریب آ کر سرگوشی کے سے انداز میں بولی۔

''باپ بیٹے سے معافی مانگتا اچھا نہیں لگتا، انکل کو معاف کر دیں سر!'' مصطفیٰ نے آنکھیں بند کر کے دوبارہ کھولیں جیسے وہ یقین کرنا چاہتا تھا کہ وہ حیاء ہی ہے اس نے بند آنکھیں کھولیں تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا، مصطفیٰ نے پاس بیٹھے اصغر صاحب کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں بھر لیا اور اپنی انگلیوں کی پوروں سے ان کے آنسو صاف کرنے لگا، پھر دونوں باپ بیٹے نے فاتحہ کے لئے ہاتھ اٹھائے، مصطفیٰ نے آنکھیں بند کر رکھی تھیں، اس کا چہرہ پھر سے اس کی آنکھوں کے سامنے نمایاں ہونے لگا، وہ آواز پھر سے اس کی سماعتوں سے ٹکرانے لگی۔

''آپ بہت اچھے ہیں سر! آپ مجھے اتنے اچھے کیوں لگتے ہیں بتائیں نا؟''

''کیونکہ تم خود بہت اچھی ہو اور اچھے لوگوں کو سب اچھے لگتے ہیں۔'' وہ اتنا ہی کہہ سکا اس کے علاوہ وہ کیا کہہ سکتا تھا، اصغر صاحب نے اس کی جانب دیکھا کہ وہ آنکھیں بند کر کے کس سے باتیں کر رہا ہے، پھر انہوں نے اس کی کیفیت کا اندازہ لگاتے ہوئے اس کے شانے پر ہاتھ رکھا، مصطفیٰ نے آنکھیں کھول دیں۔

''چلیں؟'' اصغر صاحب نے نرم لہجے میں پوچھا تو مصطفیٰ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

اندھیرا گہرا ہونے لگا، مصطفیٰ نے نہ چاہتے ہوئے بھی واپسی کے لئے قدم بڑھا دیئے، جاتے جاتے اس نے مڑ کر دیکھا، حیاء کھڑی مسکرا رہی تھی، اس کی آنکھوں میں آج نمی تھی اور نہ چہرے پر کوئی اضطرابی، دیکھتے ہی دیکھتے وہ اس کی آنکھوں سے اوجھل ہوگئی آج پہلی بار مصطفیٰ نے جانا تھا کسی کو جاتا دیکھ کر کتنی تکلیف ہوتی ہے اور حیاء کتنی بار اس تکلیف سے گزری تھی وہ حیاء کو روکنا چاہتا تھا لیکن آج وہ رک نہیں سکتی تھی اور مصطفیٰ اپنی آنکھوں میں آئی نمی صاف کرتے ہوئے آگے بڑھ گیا۔

لیکن آگے بڑھتے وہ بار بار پیچھے مڑ کر دیکھتا تھا اور اب اس کو ایسے ہی زندگی گزارنی تھی، آگے بڑھ کر ماضی میں پیچھے جھانک کر حیاء کی یادوں کے سہارے۔

محبت کیا ہے؟

دل کا درد سے معمور ہو جانا

متاع جاں کسی کو سونپ کر مجبور ہو جانا۔

☆☆☆

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

اصلوں کی ریت
انوشین

زندگی میں بعض اوقات انسان کو ایسے نفوس سے واسطہ پڑتا ہے کہ ان کی عجیب وغریب شخصیت کو نہ چاہنے کے باوجود برداشت کرنا پڑتا ہے، جس طرح فرشتہ اجل کو لبیک کہنا پڑتا ہے اسی طرح ایک شخص کے حکم کو ٹالنا بھی اس کے بس میں نہیں ہوتا۔

چاہنے یا نہ چاہنے کے باوجود سر تسلیم خم کرنا ہی پڑتا ہے کہ اس کے سوا کوئی اور چارہ بھی تو نہیں۔

آج میں پھر گھر کے سارے کاموں پر فاتحہ پڑھ کر صابرہ آنٹی کے دولت کدے کو رونق بخشے ہوئے تھی آج وہ اپنا ایک بوسیدہ سا بیگ کھولے بیٹھی تھیں میں یہی سمجھی کہ اس میں ان کے پرانے کپڑے ہوں گے جو نہ صرف ادھڑے ہونگے بلکہ ان کے جا بجا چھید کپڑا لگا لگا کر بند کرنے ہونگے سو میں ذہنی طور پر اپنے آپ کو اس مشکل امر کے لئے تیار کرنے لگی مگر اگلے ہی پل میری آنکھیں حیرت سے ابل پڑیں اور دل کی دھڑکنیں عجب لے پہ دھڑکنے لگیں، زبان لڑکھڑا گئی۔

''امی...... امی...... اتنا سونا...... یہ آپ کے پاس کہاں سے آیا۔''

''شش...... شش...... آہستہ بولو کسی کو خبر نہ ہونے پائے۔''

''ممتا کو بیچ کر یہ زر میں نے خریدا ہے مجھے بتاؤ تین بیٹوں کے عوض یہ سودا سستا تو نہیں کیا میں نے۔'' ان کے سوال نے مجھے بوکھلا دیا۔

''ایسا کرو تم یہ سارا سونا لے لو اپنے زیبی اور روشان کو مجھے دے دو تم مجھے اپنے بیٹے بیچ دو۔''

''یہ...... یہ دیکھو، تم یہ پہنو گی تو تمہیں بہت اچھا لگے گا، ایک کنگن۔'' انہوں نے میرا ہاتھ پکڑ کر زبردستی پہنا دیا تو میں نے جلدی سے اسے اتار کر پھینکا مجھے لگا مجھے کسی نے آہنی زنجیروں میں جکڑ لیا ہے میں تیزی سے اٹھ کھڑی ہوئی، صابرہ آنٹی نے میرا ہاتھ سختی سے پکڑ لیا۔

''تم کہیں نہیں جا سکتیں جب تک تم مجھ سے سودا طے نہیں کرو گی تمہیں یہ سودا ہر حال میں کرنا ہی ہوگا۔'' ان کے لہجے سے وحشت ٹپک رہی تھی جو میرے اوسان خطا کر گئی میں نے جھٹکے سے اپنا ہاتھ چھڑایا اور اندھا دھند بھاگتے ہوئے کمرے میں آکر کنڈی لگالی، میرا جسم تھر تھر کانپ رہا تھا میں بیڈ پر بے دم ہو کر گر پڑی سارے کام جوں کے توں رہے۔

وسیم کو میں نے فون کر دیا کہ بچوں کو سکول سے لاتے ہوئے کھانا بھی لے آیئے گا، بچے کھانا کھا کر اپنے کمرے میں گئے اور میں وسیم کے سر ہوگئی۔

''بس اب جتنی جلدی ہو سکے یہاں سے نکلیں، میں اب مزید اس بڑھیا کو برداشت نہیں کر سکتی۔''

آج کا سارا واقعہ میں نے ان کے گوش گزار کیا تو وہ بھی کچھ سوچنے پر مجبور ہو گئے۔

☆☆☆

اس دن کے واقعہ کے بعد میں نے ان کی طرف جانا بالکل ہی بند کر دیا تھا مجھے آواز دیتیں مگر میں نظر انداز کر دیتی۔

ایک دوبار (زینب) کام کرنے والی کو مجھے بلانے بھیجا میں پھر بھی نہ گئی، اس دن موسم بے حد سرد تھا کہر نے پوری فضا کو لپیٹ میں لے رکھا تھا، بچے سکول تھے اور میں رضائی میں لیٹی ٹی وی دیکھ رہی تھی بظاہر میری نظریں ٹی وی اسکرین پر جمی تھیں مگر دھیان اپنے نئے تعمیر ہوتے گھر کی طرف تھا جو کہ اب تکمیل کے مراحل میں تھا جوں

جوں گھر مکمل ہو رہا تھا میرے اندر طمانیت کی لہریں دوڑ رہی تھیں، میں جلد از جلد اس وحشت کدے سے نکل جانا چاہتی تھی، عجیب وغریب پر اسرار، آنکھوں میں وحشت اور ویرانی لئے صابرہ آنٹی سے سارا محلّہ ہی خائف تھا، چونکہ ہمارا گھر تعمیر ہو رہا تھا اور رہنے کے لئے ٹھکانہ درکار تھا تو آنٹی کا گھر مجبوراً کرائے پر لینا پڑا کرایہ بھی بہت کم تھا، ویسے بھی وہ تنہا رہتی تھیں، خاصا بڑا گھر تھا انہوں نے مکان کے درمیان دیوار کھینچ کر ایک حصہ الگ کر دیا تھا، گیٹ بھی الگ تھا چھوٹا سا دروازہ درمیانی دیوار میں لگا تھا جس سے وہ با آسانی جب دل چاہے کرائے داروں کے ہاں آ جا سکتی تھیں اس دروازے کو بند نہ کرنے کی انہوں نے سختی سے ہدایت کر رکھی تھیں، کوئی بھی کرائے دار ان کا گھر چار چھ مہینے سے زیادہ نہ ٹھہرتا وجہ ان کی عادات وحرکات تھیں۔

گھر کی خاتون کو دن میں کئی مرتبہ ان کے پاس حاضری لازمی دینا پڑتی تھی، ان کی جوانی کے قصے، رشتہ داروں کی بے اعتنائی اور بیٹیوں کی جدائی کے قصے، سن سن کر سب اوب گئے تھے گلی کے بچوں کو کبھی پیسوں اور کبھی ٹافیوں کا لالچ دے کر بلا لیتیں، بچے ٹافیاں اور پیسے لے کر بھاگ جاتے تو انہیں خوب کوستیں اور اب تو کافی عرصہ سے کوئی بچہ ان کے دروازے کے قریب سے بھی نہیں گزرتا تھا انہوں نے حرکت ہی ایسی کی تھی۔

جمیل مستری کا بیٹا صبح سکول پڑھنے گیا مگر چھٹی ٹائم گھر نہ پہنچا پورے محلے میں ڈھنڈیا پڑ گئی سکول سے پوچھ گچھ کی گئی، وین والے کو دھمکیاں دیں اس کا یہی کہنا تھا کہ میں نے خود بچے کو گلی کے نکڑ پر اتارا تھا، سوال یہ تھا کہ پھر بچہ کہاں گیا، زمین کھا گئی آسمان نگل گیا سارا محلہ شرفاء کا پھر بچہ کہاں گیا؟

یہ وہ سوال تھا جو ہر ایک کے دماغ میں کلبلا رہا تھا، اچانک غش پہ غش کھاتی ماں کے ذہن میں کوندا لپکا صابرہ آنٹی کے گھر پتا کرو، بس یہی ایک گھر رہ گیا تھا جہاں پوچھنے کا ان کو کوئی خیال نہیں آیا سب نے ان کے گھر کی سمت دوڑ لگا دی بڑی مشکل سے بار بار بیل بجانے پر دروازہ کھولا تو وہ آنکھوں میں خشونت لئے کھڑی تھیں، بچے کا پوچھنے پر انہوں نے صاف انکار کر دیا وہ مایوس ہو کر پلٹنے لگے تھے کہ کمرے میں بند کھڑکی سے جھانکتا دانیال نے چیخ مار کر روتے ہوئے سب کو اپنی جانب متوجہ کر لیا، باپ بے اختیار ہو کر کمرے کی طرف دوڑا، بچہ باپ سے لپٹ کر زار وزار رو رہا تھا۔

کمرے کا منظر کچھ یوں تھا کہ ڈھیروں مہنگے کھلونوں سے بھرا پڑا تھا دال سبزی پہ گزارا کرنے والی صابرہ آنٹی کے کمرے میں اس وقت اشتہا انگیز کھانوں کی خوشبو پھیلی تھی، کتنے ہی سو سو کے نوٹ دانیال کی مٹھی میں دبے تھے۔

گھر کے سامنے سے گزرتے دانیال کو آنٹی نے چیزوں اور پیسوں کے لالچ دے کر اپنے گھر بلا لیا، بچہ تھا لالچ میں آ گیا مزے مزے کے کھانے کھائے کھلونوں سے کھیلا جب دل بھر گیا تو گھر جانے کا خیال آیا جونہی گھر کا نام لیتا وہ اسے کچھ دیر اور کہہ کر روک لیتیں، کبھی اس کے بال بناتیں تو کبھی اپنے ہاتھوں سے نوالے بنا بنا کر کھلاتیں، کبھی اس کا سر گود میں رکھ کر ترسی نگاہوں سے ٹکر ٹکر دیکھے جاتیں، بچہ گھبرا [illegible] نے لگتا تو وہ ڈانٹ کر، کبھی پچکار کر [illegible] کرا دیتیں۔

یہ سب جان کر جمیل مستری طیش [illegible] گیا وہ آنٹی پر اغواء کا مقدمہ درج کرانا چاہتا تھا مگر

محلے والوں کو ان کے بڑھاپے پر ترس آ گیا وہ آنکھوں میں ویرانی و اداسی لئے خاموش کھڑی تھیں اس دن کے واقعہ کے بعد نہ کوئی بچہ ان کے گھر جاتا اور نہ کوئی ماں ان کے گھر کا رستہ دیکھتی فقط ایک کام والی زینب تھی جو پیٹ کے ہاتھوں مجبور ہو کر ان کے گھر صفائی ستھرائی پر مامور تھی، وہ بھی ان کی عادتوں سے عاجز تھی وہ اسے باتوں میں لگا لیتیں گھر سے جلدی نکلنے نہ دیتیں اور وہ بیچاری دل مسوس کر رہ جاتی۔

بیچاری تو آج کل میں بنی ہوئی تھی جوان کی ہر بات ماننے پر مجبور تھی اگر ذرا بھی پس و پیش سے کام لیتی تو فوراً گھر سے نکالنے کی دھمکی پر اتر آتیں سوچ سادھے اپنا الو سیدھا کرنے میں لگی تھی مگر اب میرا مشکل وقت گزر گیا تھا اور کچھ دن پہلے کی حرکت نے تو مجھے ان سے بالکل ہی بدظن کر دیا تھا مجھے ہر دم اپنے بچوں کی فکر رہتی، وہ بچوں کو آتے جاتے ترسی نگاہوں سے دیکھا کرتیں۔

☆☆☆

میں آج کل پیکنگ کرنے میں مصروف تھی، بس اس مکان میں ہمارے چند دن ہی رہ گئے تھے اس دن میں بچوں کے کپڑے بیگ میں رکھ رہی تھی کہ درمیان کا دروازہ بجا پتا نہیں میں نے کیا سوچ کر کھول دیا۔

صابرہ آنٹی دیوار کا سہارا لئے کھڑی تھیں، انہیں دیکھ کر میرا دل دھک سے رہ گیا چھن سے اندر کچھ ٹوٹ گیا، احساس ندامت نے مجھے جکڑ لیا تھا۔

ان چند دنوں میں ان کا حلیہ ہی بدل چکا تھا برسوں کی مریضہ دکھائی دے رہی تھیں، آنکھیں اندر کو دھنسی اور سفید رنگت پیلاہٹ لئے ہوئے تھی۔

وہ مجھ سے گھر میں آنے کی اجازت طلب کر رہی تھیں، میں شرمسار ہوتے ہوئے ان کا ہاتھ پکڑ کر اندر لے آئی، چند قدموں کا فاصلہ جیسے انہوں نے صدیوں میں طے کیا تھا، وہ بیڈ پر بیٹھی ہانپ رہی تھیں، سارے جسم پر لرزہ طاری تھا میں نے جھٹ سے انہیں پانی کا گلاس پکڑایا مگر انہوں نے پینے سے انکار کر دیا۔

''جا رہی ہو؟'' یاسیت سے پوچھا۔

''جی!'' میں فقط اتنا ہی کہہ سکی۔

''مسافروں کو ایک دن اپنی منزل کی طرف کوچ کرنا ہی ہوتا ہے، تم نے بھی یہاں مسافر کی طرح چند دن پڑاؤ ڈالا اور اب اپنے آشیانے کی طرف لوٹ رہی ہو، جانے والوں کو کب کوئی روک سکا ہے، یہاں تم بھی مسافر ہو یہاں میں بھی مسافر ہوں۔'' وہ کانپتے لہجے میں آہستہ آہستہ بول رہی تھیں۔

''اچھا تو کیا آپ اپنے بیٹوں کے پاس جا رہی ہیں۔'' میری بات سن کر ذرا کی ذرا ان کے ہونٹ پھیلے تھے۔

''نہیں بیٹے میرے پاس آ رہے ہیں۔''

''یہ تو بڑی خوشی کی خبر سنائی آپ نے۔'' میں سن کر خوش ہو گئی۔

''آج اپنے ہاتھ کی بنی چائے تو پلا دو بڑے دن ہوئے تم نے اپنے ہاتھ کے ذائقے سے محروم رکھا ہوا ہے۔'' وہ تکیے کے سہارے لیٹ گئیں، تو میں شرمندہ ہو گئی، جلدی سے کچن میں گھس گئی ذرا دیر بعد ہی میں ان کے لئے چائے کے ساتھ کچھ لوازمات لے آئی، جن کو انہوں نے بڑی رغبت سے کھایا۔

''یہ مکھڈی حلوہ تمہیں کس نے سکھایا؟''

''اللہ غریق جنت کرے میری ماں نے۔''

''اچھا...... بہت مزے کا ہے۔''

''خوش نصیب ہو ماں کے ہاتھ کا ذائقہ تم میں مستقل ہو گیا اور اللہ رکھے کہ کھا کر تعریف کرنے والے بھی موجود ہیں۔''

کیسی حسرت چھپی تھی ان کے لفظوں میں، میں ان کے خدوخال میں کھو سی گئی کچھ دیر بیٹھ کر وہ چل دیں اور میں پھر سے اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

☆☆☆

آج ہمارا اس گھر میں آخری دن تھا ہم سب اپنے نئے گھر میں جانے کے لئے بڑے پرجوش ہو رہے تھے، گھر کا ایک ایک حصہ وسیم نے میری پسند کو ملحوظ رکھتے ہوئے تعمیر کروایا تھا۔

اپنے گھر کا خواب ہمیشہ عورت کی آنکھ میں پتلی میں رہتا ہے اور آج مجھے میرے خواب کی تعبیر ملنے کا وقت آ چکا تھا۔

صابرہ آنٹی سے میں صبح ہی جا کر مل آئی تھی باہر گاڑی کھڑی تھی سارا سامان پیک ہو چکا تھا کہ آنٹی ہم سے ملنے چلی آئیں۔

''کہاں جا رہے ہو تم لوگ؟''

''صبح بتایا تو تھا، آنٹی آپ کو کہ آج ہم اپنے گھر شفٹ ہو رہے ہیں۔''

''اچھا......''

''وسیم بیٹا اپنی بیوی کو کہو کہ میرا زیور مجھے واپس کر دے کئی دنوں سے میں اس سے مطالبہ کر رہی ہوں مگر یہ مجھے نہیں دے رہی۔''

''کون سا زیور؟'' وسیم کے ساتھ ساتھ میں بھی ہکا بکا رہ گئی۔

''وہی جو تم مجھ سے کچھ دنوں کے وعدہ پر لے کر آئی تھیں۔''

''لیکن میں نے تو آپ سے کوئی زیور نہیں لیا، آپ مجھ پر الزام لگا رہی ہیں۔'' غصے سے میری ناک کے نتھنے پھولنے پچکنے لگے۔

''اگر یہ الزام ہے تو تم اپنے سامان کی تلاشی دو۔''

''ہاں تو لے لو۔'' میں نے آگے بڑھ کر بیگ ان کے سامنے رکھ دیئے جن میں بچوں کے میرے اور وسیم کے کپڑے تھے۔

وہ پاگلوں کی طرح ایک ایک کر کے بیگ کھول رہی تھیں، سارا سامان ان میں سے باہر نکال پھینکا میرا غصے سے برا حال تھا اور پھر بچوں والے بیگ میں سے انہوں نے ایک پوٹلی نکالی اور مطمئن ہو کر اسے اپنے سینے سے لگا لیا۔

''یہ دیکھو...... تمہاری بیوی کتنا بڑا جھوٹ بول رہی تھی۔'' انہوں نے پوٹلی کی گرہ کھول کر وسیم کو دکھائی تو اس میں سونے کے زیورات جگر جگر کر رہے تھے، میں جہاں کی تہاں رہ گئی، وسیم کی آنکھیں بھی پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔

''یہ...... یہ سب جھوٹ ہے وسیم، الزام ہے مجھ پر، آپ کو پتا ہے ناں میں...... میں ایسی گھٹیا حرکت نہیں کر سکتی یہ انہی کی کوئی سازش ہے، میں سچ کہہ رہی ہوں آپ میرا یقین کریں یہ زیور میں نے نہیں لئے۔'' میں وسیم کے سامنے کھڑی اپنی صفائی دے رہی تھی اور صابرہ آنٹی کرسی پر بیٹھی ہم دونوں کی حالت سے حظ اٹھا رہی تھیں۔

''چپ کر جاؤ عائزہ۔'' وہ دہاڑے۔

میں سہم گئی، بچے بھی کونے میں دبک کر بیٹھ گئے۔

''تم دونوں کو میں یہاں سے ایسے ہرگز جانے نہیں دوں گی، پورا محلہ اکٹھا کروں گی پولیس بلواؤں گی کہ تم میرے گھر سے میرا زیور چرا کر لے جا رہے تھے۔'' دھان پان سی صابرہ آنٹی میں جانے کہاں سے اتنی طاقت آ گئی تھی کہ ان کے چیخنے سے وسیم حقیقتاً پریشان ہو گئے۔

''نہیں...... نہیں آنٹی پلیز آہستہ بولیں،

آپ ایسا کچھ نہیں کریں گی میں اس کی طرف سے معافی مانگتا ہوں۔'' وسیم ان کے سامنے گھٹنے ٹیکے گڑگڑا رہے تھے، میرا پورا وجود خنکی کے باوجود پسینے میں ڈوب گیا، غصے سے تنفس پھولنے لگا۔

''کتنی مکار عورت ہے۔''

''ایک صورت میں تم لوگوں کو معافی مل سکتی ہے۔''

''وہ کیا؟''

''تم لوگ ابھی کچھ عرصہ میرے ہی گھر قیام کرو گے بصورت دیگر حوالات میں تمہارے قیام کا بندوبست کرنا پڑے گا'' ان کے لبوں پر بڑی شاطرانہ مسکراہٹ تھی۔

''ہمیں آپ کے گھر رہنے کی شرط منظور ہے ہم یہاں سے کہیں نہیں جا رہے۔'' وسیم فوراً بولے تو وہ مطمئن ہو گئیں۔

''چپ چاپ یہاں سے نکلنے کی سنگین غلطی کبھی بھی نہ کرنا ورنہ کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہو گے اور ہاں، اپنی اس بیوی سے کہہ دینا کہ دن میں تین چار مرتبہ میرے پاس چکر لگا لیا کرے بچوں کو بھی میرے پاس آنے سے مت روکے۔'' وہ اپنا حکم نامہ سنا کر چل دیں اور میں دھاڑیں مار مار کر رو دی۔

نہ صرف الزام لگا شوہر کی نظروں میں ذلیل ہوئی بلکہ اپنے گھر جانے کی خوشی بھی لمحوں میں انہوں نے چھین لی تھی۔

☆☆☆

ایک ہفتہ سے صابرہ آنٹی آئی سی یو میں تھیں آکسیجن لگی ہوئی تھی، سانسیں جن کے انتظار میں چل رہی تھیں ان کے آنے میں ابھی چند دن باقی تھے، بیٹے اپنے کام چھوڑ چھاڑ چھٹیاں لے ماں کی دید کی تمنا آنکھ میں لئے آنے کے لئے تیار تھے۔

لمحہ لمحہ بگڑتی ماں کی تشویش ناک حالت انہیں تشویش میں مبتلا کر دیتی، بس نہیں چل رہا تھا کہ پنکھ لگیں اور ماں کے قدموں میں جا گریں، میرا دل آنٹی کی یہ حالت دیکھ کر کٹ کر رہ گیا ان چند مہینوں میں میرا ان سے انسیت، اپنائیت و محبت کا ایسا رشتہ قائم ہو گیا تھا کہ مجھے لگ رہا تھا کہ میں ایک بار پھر اپنی جنت کو اپنے سے دور ہوتے دیکھنے کا کرب سہہ رہی ہوں، بیٹی بن کر جتنی خدمت مجھ سے ہو سکتی تھی میں نے کی۔

وسیم زیور کی چوری والے الزام سے فوراً بات کی تہہ تک پہنچ گئے تھے کہ یہ سب ڈرامہ انہوں نے ان کو اس گھر میں روکنے کے لئے کیا ہے۔

جب میں ان کی ذہنی کیفیت کو سمجھی تو مجھے ان پر ترس آنے لگا جس حد تک میں ان کی تنہائی دور کر سکتی تھی میں نے بچوں اور وسیم نے مل کر کی۔

میں روز استری شدہ کپڑے پہننے کو دیتی بالوں میں تیل کی مالش کرتی رات کو پاؤں دباتی اور خوش ذائقہ کھانے کھلاتی، ان کے چہرے پر مسکان کھیلنے لگی تھی بچوں کے ساتھ بچی بن جاتیں زیبی اور روشان کو میرا روحیل میرا جاذب کہہ کر پکارتیں، کبھی وہاب کو یاد کر کے رونے لگتیں، اس لمحے مجھے سمجھ نہ آتی کہ میں انہیں کیسے بھلاؤں، کیسے ان کا دکھ بانٹوں۔

کئی مرتبہ ان کے بیٹوں کو فون پر ماں کی حالت کے بارے میں آگاہ کیا، وہ سب سن کر رنجیدہ ہو جاتے اور اپنے اپنے مسائل سے آگاہ کرتے تو میں اور وسیم چپ سادھ لیتے۔

مال و زر کو جمع کرنے میں ماں کی محبت کو جیسے انہوں نے منفی کر دیا تھا۔

جن دنوں آنٹی کی طبیعت زیادہ خراب رہنے لگی میں ان کے کمرے میں سونے لگی، وہ راتوں کو اٹھ کر بیٹھ جاتیں ایک ایک بیٹے کو پکارتیں ان کی بازگشت جب پلٹ کر ان سے ٹکراتی تو تکیے پر سر پٹخ پٹخ کر روتیں، میں تڑپ اٹھتی۔

اب کل سے ان کی حالت خاصی تشویش ناک تھی ڈاکٹرز بالکل بھی پر امید نہ تھے، میں سجدے میں گری بس یہی دعا کر رہی تھی کہ۔

''یا اللہ بس آج کی رات ٹل جائے صبح ان کے تینوں لخت جگر ان کی آنکھوں کو رونق اور سانسوں کو زندگی بخش دیں گے یہ پھر سے جی اٹھیں گی۔''

جتنی دعائیں مجھے آتی تھیں مانگ لیں جو وظیفے کر سکتی تھی کر لئے، میں زندگی کو ہاتھوں سے پھسلتے دیکھ رہی تھی، آنکھیں انتظار کی آماجگاہ بنی تھیں۔

انتظار کیسا سولی پر لٹکا دینے والا ہوتا ہے اس کا اندازہ شاید آج سے پہلے مجھے کبھی بھی نہیں ہوا، پل پل جان لیوا انتظار۔

میرا دل چاہ رہا تھا کہ آج مجھے کسی معجزہ کی طاقت نصیب ہو جائے اور میں لمحوں میں اڑ کر وطن سے دوران کے بیٹوں کو ان کے سامنے لا کر تشنہ نظروں سے سیراب کر دوں، ہجر و فراق سے گھائل دل کو قرار دے دوں۔

کاش! کہ آج مجھے کوئی معجزہ نصیب ہو جائے اور پھر میری ساری دعائیں سارے لفظ لوٹ کر میرے ہی پاس آ گئے مجھ گناہگار کا کوئی وظیفہ کوئی دعا عرش الٰہی کا در ہی نہ کھٹکھٹا سکیں۔

صابرہ آنٹی کی آنکھوں میں امید کا جو دیا دروازے کی دہلیز پر روشن تھا وہ دیا جگمگانے سے پہلے ان کی زندگی کا چراغ گل ہو گیا۔

☆☆☆

''آہ! کیا کروں روحیل مجھ سے روز گوشت کھانے کی فرمائش کرتا ہے، جاذب کبھی کھلونے مانگتا ہے تو کبھی پیسے، کہاں سے ان کی فرمائشیں پوری کروں، فرمائش پوری نہ ہونے پر جب وہ بلکتے ہیں تو میرا کلیجہ کٹ جاتا ہے معصوم بچوں کی خواہشیں خواہش ہی بن کر رہ جاتیں، اگر آج باپ کا سایہ سر پر ہوتا تو جان بیچ کر بھی فرمائش پوری کرنے میں تامل نہ کرتا۔''

میری آنکھوں سے آنسو لڑیوں کی صورت بہہ رہے تھے، مجھے روتا دیکھ کر بارہ سالہ وہاب میرے پاس چلا آیا، اپنے معصوم ہاتھوں سے میرے آنسو پونچھے اپنی عمر کے حساب سے مجھے لفظوں سے تسلی دی کہ۔

''ماں میں بھائیوں کی فرمائش پوری کروں گا آپ مت روئیں، میں بابا کی طرح ان کا خیال رکھوں گا بس آپ اپنے یہ قیمتی آنسو نہ بہائیں میں آپ کو ہرگز رنجیدہ نہیں دیکھ سکتا۔''

میں نے تڑپ کر اسے سینے سے بھینچ لیا بے اختیار چومتی چلی گئی میرا بچہ کہ جس کے کھیلنے کھانے کی عمر تھی ماں کا سہارا بننے چلا تھا۔

آج وہاب کو کام پر جاتے ایک ہفتہ ہو گیا ہے مالک اچھا ہے ایڈوانس تنخواہ دے دی ہے اس نے بھائیوں کی چھوٹی چھوٹی فرمائشیں پوری کیں گھر میں کئی دن بعد راشن کی شکل نصیب ہو گئی۔

میرے وہاب کے ہاتھوں کی نرمیاں گھر کی ذمہ داریاں پوری کرتے کرتے سختیوں میں بدل گئیں، چہرے کے بھولپن میں بڑا پن جھلکنے لگا بے فکری کی عمر سنجیدگی کی نذر ہو گئی۔

میرا بچہ چند برسوں میں چھوٹے بھائیوں کو باپ بن کر پالنے کے قابل ہو گیا ماں کا سہارا بن

گیا کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانے دیا اور نہ اگلے وقت کی فکر پر رنجیدہ ہونے دیا۔

بھائیوں کے بہتر مستقبل اور ماں کو خوشحالی کی زندگی دینے کے لئے وہاب بیرون ملک چلا گیا، چند سالوں میں گھر کے حالات ہی بدل گئے وہاب کے بعد روحیل اور پھر جاذب بھی دیار غیر کی سختیاں جھیلنے کے لئے روانہ ہو گئے ان کے جانے کے بعد گھر کا نقشہ ہی بدل گیا، روپے پیسے کے ڈھیر لگ گئے، سونا خریدنا میرے لئے دال سبزی خریدنے کے مترادف ہو گیا، مگر دل بے کیفی کا شکار ہو گیا، وہاب کو دس روحیل کو سات اور جاذب کو پورے پانچ سال ہو گئے تھے، بچوں کو اپنے سینے سے لگانے کے لئے میں ترس گئی ہوں، بچوں سے جب بھی آنے کو کہا چھٹی نہ ملنے، کاغذ نہ بننے کے مسائل آنے کی راہ میں رکاوٹ بنتے رہے ایک ماں اپنے بچوں کی پیشانی پر بوسہ دینے انہیں اپنے ہاتھ سے کھانے پکا کر کھلانے سے محروم ان کی جدائی پر تڑپتی رہی، اس طویل جدائی اور دوریوں نے میرے اندر ایسا مہیب سناٹا طاری کر دیا ہے جیسے قبر کا سینہ۔

''میرے بچو! یہ کیسی دوری ہے کیسے فاصلے ہیں جو سمٹنے میں نہیں آ رہے جنہوں نے ماں کی ممتا کو صبر کے گھونٹ پینے پر مجبور کر دیا ہے۔''

''آہ! کون سا منتر پڑھوں کون سا چلہ کاٹوں کہ ماں اور بچوں کے درمیان حائل یہ جدائی ملاپ میں بدل جائے روحیل کہتا ہے کاغذات نہیں بن رہے وہاب شادی کر کے بیوی بچوں کی ذمہ داریوں میں غلطاں ہے اور جاذب کو بھی کمانے کی دھن سوار ہے کہتا ہے ماں ابھی تو آیا ہوں کچھ سال اور گزارنے دیں عیش کی زندگی بسر کریں گے، پتا نہیں وہ کون سے عیش کی بات کر رہا تھا سب کچھ تو میسر تھا اب یہاں۔''

''یہ میں نے کیا کر دیا، اچھے دنوں بچوں کے بہتر مستقبل کے لئے اپنی اولاد کو اپنی نظروں سے دور کر دیا۔''

''کس کے لئے پکاؤں، کس کو بیٹا کہہ کر پکاروں، میری گود ایک بانجھ عورت کی گود کی طرح خالی ہے، میرا یہ گھر ایک غریب کے کھیت کی طرح سوکھا پڑا ہے، پرندوں کی چہکار سے خالی یہ گھر خزاں کا مسکن بنا ہوا ہے، اپنے بچوں کے ساتھ رہنے کی دعائیں کسی گدا کی صدا کی طرح فضا میں تحلیل ہو گئی ہیں، جدائی کا درد سوا ہوتا جا رہا ہے، کچھ مائیں اچھے دنوں کے حصول کے لئے یہ درد خود خریدتی ہیں انہی میں سے ایک ماں میں بھی ہوں میرے لئے تو وہی دن میری زندگی کا حاصل ہیں انہی لمحوں کے سہارے یہ جانگسل لمحے میں نے بسر کیے۔''

''جب تمہاری آنکھ کھلتی تھی تو تمہاری ماں کا محبت بھرا وجود تم پر جھکا ہوتا جو تمہیں بے اختیار چوم لیا کرتی سکول سے لوٹتے تو بے تابی سے تمہاری منتظر رہتی جیسے ہی تم گھر میں داخل ہوتے تمہیں کلیجے سے چمٹا لیا کرتی، تمہاری شرارتوں پر کبھی ہنستی تو کبھی بگڑتی۔''

''مجھے میرے وہ دن پھر سے لوٹا دو میرے بچو۔''

''جمیل مستری کا بیٹا مجھے ہو بہو روحیل کے بچپن کی تصویر لگتا ہے اس دن میں نے اسے چپکے سے گھر بلا کر جی بھر کر دیکھا، کھانا کھلا کر یوں لگا میرے روحیل نے پیٹ بھر کر من پسند کھانا کھا لیا ہے اس کے چہرے پہ کھیلتی مسکان میرے اندر زندگی کی رمق دوڑا گئی مگر پھر ظالم باپ آ گیا، لے گیا چھین کر مجھ سے میری خوشی۔''

''محلے کی ساری مائیں مجھ سے ڈرتی ہیں، خائف ہیں کہ میں ان کے بچے نہ چھین لوں انہیں

میرے پاس آنے سے روکتی ہیں کہ ان کے بچوں کو ضرر نہ پہنچا دوں، نظر نہ لگا دوں، حالانکہ میں تو انہیں بہت پیار کرتی کرتی ہوں، ان کی مسکراہٹ میں مجھے اپنے بچوں کی ہنسی سنائی دیتی ہے۔"

"میں نے عائزہ کو زیور کا لالچ بھی دے لیا مگر وہ پھر بھی مجھے اپنے بچے نہیں دیتی۔"

"کیو......؟ کیوں آخر کیوں، وہ مجھ سے اپنے لخت جگر دور رکھتی ہے، کیا میں ڈائن ہوں جو اس کے بچے کھا جاؤں گی، میں تو فقط ان کی باتوں اور شرارتوں سے اپنے گھر کا سونا پن دور کرنا چاہتی ہوں مگر میری کیفیات کوئی نہیں سمجھتا، میرا درد کوئی نہیں جانتا، ایک ممتا کے جذبات سمجھنے سے قاصر ہیں، سب مجھے پاگل سمجھتے ہیں، خبطی دیوانی کہتے ہیں کہ پیسے کی فراوانی ہوتے ہوئے برسوں پرانے پھیکے رنگوں کے پیوند زدہ کپڑے پہنے پھرتی ہے دل چاہنے کے باوجود کبھی اچھا کھانا نہیں بناتی، کیسے بتاؤں کہ اچھے کھانے کا مزا تو بچوں کے ساتھ مل بیٹھ کر کھانے میں ہے۔"

یہ مال و دولت زیور، روپیہ، آسائشات سے پر گھر میرے کسی کام کا نہیں میرے جگر کے ٹکڑو مجھے فقط تمہاری محبت تمہارا لمس چاہیے میری جلتی آنکھوں کو ٹھنڈک تمہارے دیدار سے نصیب ہو گی، جدائی کی آگ میں جلتا سینہ تمہیں اپنے قریب پا کر ہی قرار پائے گا۔"

"آ جاؤ میرے بچو کہ اب تمہاری ماں میں جدائی سہنے کی سکت ہی نہیں، آ جاؤ اس سے پہلے کہ مجھ سے جدائی تمہارا مقدر بن جائے پھر لوٹ کر بھی آئے تو کیا فائدہ، تمہارے ہاتھوں کی نرمیاں میرے نصیب میں نہیں ہونگی تمہاری پیشانی کے بوسوں سے میرے لب تشنہ رہیں گے اس سے قبل کہ تمہارے چہرے کی مسکان مجھ سے میری مسکراہٹ محروم رہے تم لوٹ آؤ میرے بچو لوٹ آؤ۔"

بہتے اشکوں سے میں ڈائری پڑھتی چلی جا رہی تھی، لفظ لفظ درد تھا، سطر سطر انتظار کی چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔

میرا سارا چہرہ آنسوؤں میں ڈوبا ہوا ہے، لبوں پہ ہلکی ہلکی لرزش ہے جو دعا بن کر میرے بھیگتے لبوں سے نکل رہی ہے۔

"اے اللہ! کسی ممتا کو کبھی اولاد کی جدائی کا بار نہ سہنا پڑے کہ یہ بار اس کو دور اندھیری قبر میں لے جاتا ہے یہاں تک کہ اسے حقیقی قبر کا گڑھا نصیب ہو جاتا ہے۔"

☆☆☆

"سانحہ ارتحال"

ہمارے فیصل آباد کے نیوز ایجنٹ اور زیڈ ای گروپ کے مالک جناب ملک اسحاق صاحب کی اہلیہ محترمہ گزشتہ دنوں قضائے الٰہی سے وفات پا گئیں ہیں۔

انا للہ وانا الیہ راجعون

ادارہ حنا ملک اسحاق صاحب کے غم میں برابر کا شریک ہے اور دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ مرحومہ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ دے اور اہل خانہ کو صبر جمیل عطا فرمائے (آمین)

ان لمحوں کے دامن میں

مبشرہ انصاری

"آر یو اوکے؟" کس قدر پریشانی تھی اس کی آواز میں، الحان اگلے ہی لمحے سیدھا ہو بیٹھا، اسے اچھے سے معلوم تھا کہ ہلکی سی خراش کے سوا اسے کسی قسم کی کوئی گہری چوٹ نہیں آئی ہے، مگر وہ موقع سے فائدہ اٹھانا بھی اچھے سے جانتا تھا۔

"میں پہلے لکڑیاں لے آتی ہوں، اس سے پہلے کے مکمل طور پر اندھیرا ہو جائے آگ جلانی بہت ضروری ہے، پھر میں آپ کے زخم کو دیکھوں گی۔" متانت سے بولتی وہ سہج سہج کر قدم بڑھاتی لکڑیاں جمع کرنے کی غرض سے تھوڑی دور چلی گئی، الحان سر جھکائے شریر مسکراہٹ لبوں پر سجائے من ہی من میں خود کی ایکٹنگ پر داد دینے لگا تھا،

کچھ ہی فاصلے پر لکڑیاں رکھتی وہ ایک بار پھر سے الحان کے کراہنے پر ہڑبڑا اٹھی، لکڑیاں پھینکتی وہ تیزی سے درد میں کراہتے الحان کی جانب بڑھی۔

"تکلیف زیادہ ہے؟" درد سے کراہتا وہ اثبات میں سر ہلانے لگا، مانہ جلدی سے بیگ ٹٹولتی بینڈ ایج باہر نکالنے لگی، الحان بڑے مزے سے اس کی پریشانی کو انجوائے کر رہا تھا، الحان اسے بتانا چاہتا تھا کہ وہ مکمل طور پر ٹھیک ہے، لیکن مانہ کی اس کے لئے پریشانی اور مکمل توجہ اسے سچ بتا دینے سے قطعی طور پر باز رکھ رہی تھی، الحان کی ہتھیلی اور چہرے کی دائیں جانب بھی ہلکی سی خراشیں نظر آ رہی تھیں، اپنی نرم و نازک

ناولٹ

انگلیوں کی پوروں سے اور چہرے پر کریم لگاتی وہ خاصی پریشان دکھائی دے رہی تھی، الحان ٹکٹکی باندھے مسحور کن انداز میں چپش بھری نگاہوں سے اس کے خوبصورت معصوم چہرے کا طواف کرنے لگا تھا، اس کے چہرے کو چھوتیں مانہ کی نرم و نازک انگلیاں الحان کی سانسوں کی الجھن بڑھائے چلی جا رہی تھیں، بے حد قریب سے اس کے چہرے کا دیدار کرتا وہ من ہی من میں ہم کلام ہوا تھا۔

تیسری قسط

''اگر اسے معلوم پڑ جائے کہ میں مکمل طور پر ٹھیک ہوں اور درد کی ایکٹنگ کر رہا ہوں، تو انہی خوبصورت ہاتھوں سے میرا قتل کر ڈالے گی۔''

''شولڈر کی تکلیف کیسی ہے؟'' اس کی آواز سماعت سے ٹکراتے ہی وہ یکا یک چونک اٹھا تھا۔

''پہلے سے بہتر ہے۔'' وہ خواہ مخواہ مسکرانے لگا تھا، مانہ اثبات میں سر ہلاتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں آگ جلانے کی کوشش کرتی ہوں۔''

''آگ میں جلاتا ہوں، تم سے نہیں ہوگا مانو۔'' مانہ کو خود سے دور جاتے دیکھ وہ لپک کر اٹھ کھڑا ہوا، الحان کی اس قدر پھرتی پر وہ ہکا بکا کھڑی اس کی زخمی ٹانگ کی جانب دیکھنے لگی۔

''شٹ۔'' اپنی ہی بیوقوفی پر وہ سر جھکائے خود کو ملامت کرنے لگا۔

''پپ...... پہلے سے بہتر فیل کر رہا ہوں۔''

وہ ہکا بکا کھڑی مانہ کی جانب چور نگاہوں سے دیکھتا وضاحت دینے لگا۔

''آپ نے مجھ سے جھوٹ بولا؟'' وہ غصہ میں پھنکارنے لگی، الحان ایک لمحہ کے لئے خاموش رہا، پھر ہچکچاتے ہوئے اپنی غلطی تسلیم کرنے لگا۔

''او کے آئی ایم سوری۔'' اسے اندازہ نہ تھا کہ وہ اتنی جلدی با آسانی اپنی غلطی تسلیم کر لے گا، الحان کی ڈھٹائی پر وہ از حد آتش پا دیکھائی دینے لگی۔

''تم سے زیادہ گھٹیا، دغا باز، مکار اور کمینہ انسان میں نے زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔'' وہ غصہ میں پھنکارتی یکا یک آپ سے تم پر اتر آئی تھی، الحان کو معاملے کی نزاکت کا بڑے اچھے سے اندازہ ہو چکا تھا، تبھی وہ لجاجت بھرے انداز میں اس کی جانب قدم بڑھاتے ہوئے بولا۔

''آئی ایم سوری مانو! میرا یہ سب کرنے کا ہرگز ارادہ نہ تھا، مگر...... اچانک۔''

''دور رہو مجھ سے...... کہا تھا ناں تم سے کہ میرے ساتھ کوئی بھی گیم کھیلنے کی کوشش ہرگز مت کرنا۔''

''مانو!''

''شٹ اپ، تم ایک نہایت ہی مکار اور کمینے انسان ہو۔'' غصہ میں پھنکارتی وہ ہاتھ میں پکڑی ٹہنی دور پھینکتی واپس جاتے راستے کی جانب دوڑنے لگی۔

''مانو! میری بات تو سنو۔''

''تم نے مجھے پریشان کیا۔'' غصہ میں پھنکارتی وہ اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی۔

''تم پریشان تھیں میرے لئے؟''

''آف کورس آئی واز......'' وہ ایک دم چلا اٹھی۔

''نیکسٹ ٹائم میں تمہاری کسی بھی بات کا یقین کر لوں گی، اس سوچ کو اپنے گھٹیا ذہن میں لانے کی کوشش بھی ہرگز مت کرنا۔'' وہ واپس کیمپ کی جانب پلٹی، اپنا بیگ اٹھاتی ایک بار پھر سے واپسی جاتے راستے کی جانب بڑھنے لگی۔

''کہاں جا رہی ہو تم مانو! کم آن یار، میں سیریسلی تمہیں سب کچھ سچ بتا دینا چاہتا تھا، مگر مجھے تمہارے اس ری ایکشن کا ڈر تھا، جو تم اس وقت کر رہی ہو۔''

''او رئیلی؟ بہت اچھی ایکٹنگ کر لیتے ہو تم، اس شو میں بھی یہی کرنے آئے ہو ناں؟ ویری گڈ تمہیں کیا لگتا ہے میرے ساتھ بہت آسانی سے گیم کر سکتے ہو، ایک بات کان کھول کر سن لو، تم اگر ڈال ڈال ہو تو میں پات پات ہوں یاد رکھنا۔'' وہ از حد برہم لہجے میں بولی۔

''ڈال ڈال پات پات میں سمجھا نہیں؟'' وہ

ناسمجھی کے عالم میں بولا، جواباً مانہ اسے گھورتی ایک بار پھر سے واپسی کی جانب دوڑنے لگی۔

''مانو، کم آن تم اس وقت غصہ میں ہو، میں سمجھ سکتا ہوں پلیز آئی ایم سوری، ایسا آئندہ کبھی نہیں ہوگا پکا پرامس، پلیز واپس چلو، ہم آرام سے بیٹھ کر اس بارے میں بات کر سکتے ہیں۔'' مانہ کے پیچھے دوڑتے ہوئے وہ لجاجت بھرے انداز میں بولا۔

''ڈونٹ ٹچ می۔'' اپنی بازوں پکڑے جانے پر وہ یکدم پھر سے چلا اٹھی۔

''تمہیں معلوم ہے مجھے زندگی میں سب سے زیادہ نفرت کس چیز سے ہے؟ جھوٹ سے، اور تم بہت بڑے جھوٹے انسان ہو۔'' جھٹکے سے اپنی بازوں چھڑاتی وہ تیزی سے انجانے راستے کی جانب بڑھتی چلی گئی، الحان قدم بہ قدم اس کے تعاقب میں تھا، کچھ دور جانے کے بعد وہ ایک بار پھر سے لجاجت بھرے انداز میں بولا۔

''آئی ایم سوری، پلیز واپس چلو۔'' پریشانی کے عالم میں وہ پلٹا اور ششدرہ گیا۔

''ہم کہاں پر ہیں؟''

''مجھے نہیں معلوم اور نہ ہی مجھے اس کی کوئی پرواہ ہے، چلے جاؤ یہاں سے، اکیلا چھوڑ دو مجھے۔''

''مانو! مجھے نہیں لگتا کہ میں اس جگہ کو اچھے سے جانتا ہوں۔'' وہ جنگل کے چاروں اور نظر دوڑاتا گہری سنجیدگی سے گویا ہوا۔

''کیا؟'' وہ یکا یک ٹھٹکا گئی، آگے کی جانب بڑھتے قدم ایک دم سے تھم سے گئے۔

''تم نے تو کہا تھا کہ تم اس جنگل کے چپے چپے سے واقف ہو۔'' مانہ کی دل کی دھڑکنیں زوروں سے دھڑکتی محسوس ہوئی تھیں۔

''وہ تو میں ایسے ہی بڑھا چڑھا کر کہہ رہا

تھا۔'' وہ پریشانی کے عالم میں گویا ہوا۔

''الحان! اگر یہ تمہاری کوئی نئی چال ہے تو بہت ہی گھٹیا چال ہے، مجھے تمہاری یہ گندی حرکتیں ہرگز پسند نہیں۔'' مکمل چھائے اندھیرے میں وہ خوف بھری متلاشی نگاہیں اردگرد دوڑاتی اپنے کیمپ کو ڈھونڈنے لگی تھی۔

''مانو! مجھے میری ماں کی قسم، میں اس وقت کوئی چال نہیں چل رہا۔'' وہ گہری سنجیدگی سے بولا، اس کی آنکھوں سے ٹپکتی سچائی واضح طور پر محسوس کی جا سکتی تھی، تبھی وہ نظروں کا زاویہ بدلتے ہوئے بولی۔

''یہ سب تمہاری غلطی ہے۔''

''میری غلطی کیسے؟'' وہ سوالیہ نگاہوں سے اس کے آتش بجا چہرے کی جانب دیکھنے لگا، پھر اگلے ہی پل وہ تحمل بھرے انداز میں گویا ہوا۔

''او کے او کے یہ میری ہی غلطی ہے۔'' اس نے اپنے ہاتھ کھڑے کر دیئے۔

''تمہارے پاس میپ ہے۔'' وہ پوچھنے لگا۔

''ریڈیو اور میپ دونوں چیزیں تمہارے پاس تھیں۔''

''اور وہ دونوں چیزیں میرے بیگ میں تھیں اور میرا بیگ اس وقت کیمپ میں رکھا ہے۔''

''تو......؟'' خوف بھری نگاہیں اس پر مرکوز کرتی وہ رونے کو آئی تھی۔

''تو یہ کہ...... کیا تم چلا سکتی ہو؟''

''کیا؟''

''ہمارے پاس اور کوئی آپشن نہیں۔'' وہ اردگرد نگاہ دوڑاتے ہوئے بولا۔

''ہم دونوں کھو چکے ہیں۔''

''ہم اتنی دور تو نہیں آئے۔'' وہ الحان کی بات پر یقین ہرگز نہ کرنا چاہتی تھی۔

''ہم اسی راستے سے واپس جاتے ہیں جہاں سے ہم آئے ہیں، اینڈ ڈونٹ ٹچ می۔'' سہمے ہوئے انداز میں بولتی وہ ایک دم چلا اٹھی، الحان نے ایک بار پھر سے اس کی بازوں پکڑ کر اسے روکنے کی کوشش کی تھی۔

''مانو! اندھیرا بہت بڑھ چکا ہے، تمہیں کیا لگتا ہے کہ ہم اس گھنے جنگل میں کس جانب سے چل کر یہاں آئے ہیں؟'' وہ تحمل سے پوچھنے لگا۔

''ہم رائٹ سائیڈ سے آئے تھے۔''

''آر یو شیور؟''

''شاید۔''

''اس گہرے اندھیرے میں کیمپ تک کا راستہ کیسے ڈھونڈو گی؟ ہم اگر آگ جلا چکے ہوتے تب بھی با آسانی کیمپ تک پہنچ سکتے تھے۔'' مانہ کے تعاقب میں چلتا وہ مسلسل بولے چلا جا رہا تھا۔

''میرے پاس ایک آئیڈیا ہے۔'' مانہ پلٹی اور چٹکی بجاتے ہی بولی۔

''کیسا آئیڈیا۔''

''ہم اسی راستے سیدھے واپس جائیں گے، مجھے یقین ہے کہ ہم اسی راستے سے چل کر یہاں تک آئے تھے، کیمپ تک پہنچتے ہی ہم میپ کی مدد کے ذریعے ابھی اسی وقت واپس آئس لینڈ جائیں گے اور پھر میں اپنے روم میں جا کر اپنا سارا سامان پیک کروں گی اور اسی وقت اس تھرڈ کلاس شو کو لات مار کے واپس اپنے گھر چلی جاؤں گی۔''

''تم واپس نہیں جا سکتیں، ڈونٹ فورگیٹ کہ تم نے عاشر زمان کے ساتھ کانٹریکٹ سائن کیا ہے۔''

''مجھے اس کانٹریکٹ کی رتی بھر پرواہ نہیں اب، جاب جائے بھاڑ میں۔''

''مانو! تم اس وقت غصہ میں ہو اور تمہیں معلوم ہے کہ غصہ کے وقت کوئی بھی فیصلہ کر لینا نہایت احمقانہ عمل کی ضمانت ہے۔'' وہ مایوسی سے گویا ہوا۔

''تمہیں میرے لئے اس قدر پریشان ہونے کی ضرورت ہرگز نہیں، میری جاب ہے، میں چاہے ایکسیپٹ کروں چاہے لات مار دوں، میری مرضی۔'' تیز تیز قدم اٹھاتی وہ انجان راستے کی جانب بڑھتی چلی جا رہی تھی، الحان مسلسل اس کے تعاقب میں تھا۔

''اوکے فائن، ہم ایک ڈیل کرتے ہیں۔''

''مجھے تمہاری کسی ڈیل میں کوئی انٹرسٹ نہیں۔''

''میں ممکنہ طور پر تمہیں تمہارے گھر واپس جانے کا موقع فراہم کر سکتا ہوں۔''

''اگر ہم اس جنگل سے زندہ واپس لوٹ بھی گئے تب بھی مجھے تمہاری کسی ڈیل کی کوئی ضرورت نہیں۔''

''آئی پرامس مانو۔''

''دیکھو الحان، مجھے اس وقت تم سے کسی بھی ٹاپک پر بات کرنے میں کوئی دلچسپی نہیں، مجھے کیمپ واپس پہنچنا ہے بس۔''

''لیکن تم اپنے گھر واپس چلی جاؤ گی؟''

''ہاں۔''

''مانو! یہ کانٹریکٹ کی خلاف ورزی ہے، تمہیں اس کے لئے بھاری اماؤنٹ پے کرنا پڑ سکتی ہے۔''

''جانتی ہوں۔'' وہ تحمل سے بولی۔

''لیکن یہ تمہارے ساتھ اس آئس لینڈ پر رہنے سے لاکھ درجے بہتر آپشن ہے۔''

''ڈیبٹ ہرٹس، تم یہ سب کہہ کر مجھے تکلیف دے رہی ہو۔''

''گڈ۔''

''مانو! مجھے واقعی ہرٹ ہو رہا ہے۔''

''اوہ پلیز یہ صرف تمہاری Ego ہے۔''

''ہرگز نہیں۔'' وہ ایک دم بھڑک اٹھا۔

الحان اسے یقین دلاتے دلاتے تھک چکا تھا، کہ وہ واقعی اپنی کی گئی حرکت پر شرمندہ ہے اور اسے یقینی طور پر پسند کرتا ہے۔

''میری بات کا یقین کیوں نہیں کرتیں تم کہ میں واقعی تمہیں پسند کرتا ہوں اور تم جاننا چاہتی ہو کہ میں تمہیں پسند کیوں کرتا ہوں۔''

''نہیں۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولتی آگے ہی آگے بڑھتی چلی گئی۔

اس کے انکار کے باوجود الحان نے اپنی بات جاری رکھی۔

''مجھے تم پسند ہو، اس لئے کہ تم اس آئس لینڈ پر موجود ان تمام لڑکیوں سے بالکل مختلف ہو، تم بے حد خوبصورت ہو، جتنی خوبصورت ہو اتنی ہی خوب سیرت بھی ہو، تم بناوٹی نہیں، دل کی صاف بہت معصوم، پاکیزہ، محبت کرنے والی اور......اور مجھے یقین ہے کہ تم بھی مجھے پسند کرتی ہو۔''

''What?۔''

''یس آئی نو مانو، تم بھی مجھے پسند کرتی ہو۔'' وہ ٹھوس لہجے میں بولا۔

مانہ چلتے چلتے رکی، پلٹ کر براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکتے ہوئے قطعی لہجے میں بولی۔

''میں تمہیں پسند ہرگز نہیں کرتی۔''

''اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ تم یہ شو صرف اس لئے چھوڑ کر جانا چاہتی ہو، کیونکہ تم اپنی فیلنگز سے ڈرتی ہو، تم اس بات سے ڈرتی ہو کہ کہیں تمہاری میرے لئے پسندیدگی پیار میں نہ بدل

جائے۔'' وہ پھر سے ایک چال چلنے لگا تھا۔

''اپنی اس نامعقول سوچ کو اپنے تک ہی محدود رکھو تو بہتر ہے، میں یہ شو صرف اس لئے چھوڑ کر جا رہی ہوں کیونکہ مجھے تمہاری یہ گھٹیا، گیمز، گھٹیا چالیں یہ سارا ناٹک ہرگز پسند نہیں اور یہ سو کالڈ شو بھی میرے لئے اہم ہرگز نہیں رہا۔''

''او کے تو پھر ثابت کرو۔''

''کیا ثابت کروں؟''

''یہی کہ تم ڈرتی نہیں کہ تمہیں مجھ سے محبت نہ ہو جائے۔''

''ہرگز نہیں، ایسا ممکن ہی نہیں کہ میں تم جیسے انسان سے محبت کرنے لگوں۔''

''تو پھر رہو اس شو میں اور ثابت کرو۔'' وہ چیلنج کرنے لگا۔

''اگر تم ٹاپ تھری تک اپنے گھر واپس جانے پر بضد رہی تو میں با آسانی تمہیں ایلیمینیٹ کر دوں گا مگر تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ میں چاہے کچھ بھی کروں کوئی بھی گیم کھیلوں کوئی بھی چال چلوں، تم مجھ سے محبت نہیں کرو گی۔'' الحان کی ڈھٹائی پر وہ اسے گھورتی غصہ میں پھنکارنے لگی تھی، الحان باریک بینی سے اس کے چہرے کے اتار چڑھاؤ بڑی خاموشی سے نوٹ کر رہا تھا۔

''ٹاپ فائیو۔'' وہ قطعی لہجے میں بولی۔

''ٹاپ فور۔'' وہ سودا کرنے لگا۔

''ڈیل ٹاپ فور اور تم مجھے میری جاب سمیت گھر واپس بھیجو گے۔'' وہ سپاٹ لہجے میں بولی۔

''ڈن...... ڈیل...... ٹاپ فور اور میں یقیناً تمہیں تمہاری جاب سمیت باعزت تمہارے گھر واپس روانہ کر دوں گا پرامس۔'' ازحد شاداں وہ اپنا ہاتھ اٹھائے ڈیل کنفرم کرنے لگا تھا، مانہ اس کے اٹھے ہاتھ کی جانب دیکھتی نفرت سے پھنکارتی ایک بار پھر سے آگے کی جانب بڑھنے لگی تھی۔

''اف یہ محترمہ کس قدر بر فیلی اور سخت طبیعت کی مالکہ ہے، اس کے اردگرد پھیلے اس چٹان کے خول کو توڑنے کے لئے مجھے کچھ نہ کچھ تو سوچنا ہی پڑے گا۔'' اس کے تعاقب میں چلتا اسی کی جانب دیکھتا وہ من ہی من میں پلاننگ کرنے لگا تھا، چہرے کے اتار چڑھاؤ اس کے دل و دماغ میں ابھرتی سوچوں کا عکس واضح طور پر بیاں کرتے دکھائی دیتے تھے۔

''مسکان اور جینی مل جائیں ایک بار پھر واپس آئس لینڈ جاتے ہی اس پتھر کو موم کرنے کی ہر ممکن کوشش ضرور کروں گا، مشکل ضرور ہے، پر ناممکن نہیں، اس کا دل نہ جیتا تو میرا نام الحان ابراہیم نہیں۔'' قاتلانہ شریر مسکراہٹ لبوں پر سجائے لمبی سانس کھینچتا اک ادا سے وہ اپنے لب بھینچ کر رہ گیا تھا۔

''تم اس شو میں اک شرط جیتنے کے لئے آئے ہو، مانہ اور لڑکیوں جیسی نہیں ہے، اس کی فیلنگز کے ساتھ کھیلنا، اس کے ساتھ ٹائم پاس کرنا ٹوٹلی ان فیئر ہوگا اس لڑکی کے ساتھ، یہ ان سب لڑکیوں سے الگ ہے، بالکل مختلف۔'' اپنی ہی سوچوں کو پس پشت ڈالتا وہ من ہی من ہم کلام ہوا۔

''اس بارے میں، میں بعد میں سوچوں گا، فی الحال میں ان لمحات کو جی بھر کر جینا چاہتا ہوں، اسے ایک نہ ایک دن مجھے ہمیشہ کے لئے چھوڑ کر اپنے گھر واپس تو جانا ہی ہے، تو پھر اس کی موجودگی، اس کے ساتھ کے یہ لمحات میں یادگار کیوں نہ بناؤں۔''

''اچھا، مانہ کے شو چھوڑ جانے کے بعد اور

اس ریئلٹی شو کے ختم ہو جانے کے بعد بھی تم اگر اس کا ساتھ چاہتے رہے تو؟ تو تم کیا کرو گے؟''
ضمیر کی آواز پھر سے چوٹ کرنے لگی۔
''اوہ پھر تو بہت بڑی پرابلم ہو جائے گی یار، اس بارے میں تو میں نے سوچا ہی نہیں۔''

☆☆☆

''کیا ہم تھوڑی دیر کے لئے رک نہیں سکتے؟'' وہ تھکان بھرے لہجے میں پوچھ رہا تھا۔
''No؟'' وہی ہٹ دھرم انداز تھا۔
''اس بار واقعی میرے گھٹنے میں بہت تکلیف ہو رہی ہے مانو ٹرسٹ می مجھے چوٹ واقعی آئی ہے زیادہ نہیں پر آئی تو، تم نے بینڈ یج کرتے وقت دیکھی تھی ناں یار۔'' وہ نڈھال قدموں سے چلتا اسی کی جانب دیکھنے لگا۔
''آئی ڈونٹ کیئر۔'' لاپرواہی سے بولتی وہ چلتی رہی۔
''اوکے تو پھر تم جاؤ اکیلی، مجھے نہیں لگتا کہ میں اس تکلیف میں مزید سفر کر سکتا ہوں۔'' الحان کے جواب نے تیزی سے چلتی مانہ کو یکا یک رکنے پر مجبور کر ڈالا، آناً فاناً اٹھتے قدم اک جھٹکے سے رکے، وہ کچھ دیر یونہی کھڑی رہی پھر پلٹی الحان نڈھال انداز میں زمین پر بیٹھا تھا، وہ خود بھی تھک چکی تھی، دور دور تک کیمپ اور سمندر کا نام و نشان تک دکھائی نہ دے رہا تھا، گھپ اندھیرے میں وسیع آسمان سے جھانکتے چاند کی نیلی مدہم روشنی اردگرد پھیلے لمبے لمبے تناور درختوں کو عجیب سا خوابی ماحول بخش رہی تھی، وہ اس وقت دوہری کیفیت میں مبتلا ہو چکی تھی، کیا ٹھیک ہے کیا غلط، کیا سچ ہے کیا جھوٹ، اسے کچھ سجھائی نہ دے رہا تھا، زیادہ نہیں پر زخمی تو ہوا تھا، یہ بات وہ اچھے سے جانتی تھی، نہ چاہتے ہوئے بھی اس کی سخاوت جاگ اٹھی، وہ چلتی ہوئی الحان کی پچھلی جانب ایک درخت کے قریب جا بیٹھی۔
''میں یہ تمہارے لئے یا تمہارے کہنے پر نہیں کر رہی ہوں، مجھے بھی تھکاوٹ ہو رہی ہے۔'' وہ جلدی سے بولی۔
''تھینکس اپنی ویز۔'' الحان اپنی قاتلانہ مسکراہٹ لبوں پر سجا بیٹھا، مانہ سر جھکائے اپنا بیگ کھولے ہوئے تھی، الحان ہی کی خریدی گئی بلیک شال باہر نکالتی وہ اپنے شولڈر پر پھیلانے لگی، الحان اٹھ کر اس کے برابر میں آبیٹھا تھا۔
''آئی ہوپ کہ بارش نہیں ہوگی۔'' لمبی سانس کھینچتے ہی وہ وسیع آسمان پر پھیلے کالے بادلوں پر نگاہ دوڑاتا زیر لب بڑبڑانے لگا، مانہ نے اس کی بات کا جواب نہ دیا، خاموش نگاہیں آسمان پر دوڑاتی وہ زمین پر لیٹ گئی، وہ اپنی آنکھیں موند گئی تھی، الحان تھوڑی دیر یونہی بیٹھا اسے دیکھتا رہا، کچھ ہی لمحوں بعد وہ آسمان کی جانب دیکھتا سیدھا زمین پر لیٹ گیا، ان دونوں کے بیچ چند فٹ کا فاصلہ تھا، الحان وسیع آسمان پر پھیلے ٹمٹماتے تاروں کا دیدار کرنے لگا، اگلے ہی پل نیند کے پر زور حملے نے وار کیا، خوبصورت تاروں کا منظر دھیرے دھیرے دھندلانے لگا، آنکھیں بند ہوتے ہی کانوں میں اجنبی اجنبی سی سرسراہٹیں در آنے لگیں، دل کی دھڑکنیں زوروں سے دھڑکنیں لگیں، وہ نیند کے غلبے میں قید کھینچ کھینچ کر سانس لینے لگا، مانہ نے آہستگی سے اپنی آنکھیں کھولیں اور حیرانگی سے اس کی جانب دیکھتی آہستگی سے اٹھ بیٹھی، اب وہ براہ راست الحان کی جانب دیکھنے لگی تھی، اس کا چہرہ تب رہا تھا، مانہ نے ہاتھ بڑھا کر اس کی پیشانی کو چھونا چاہا، مگر پھر اگلے ہی پل کچھ سوچتے ہوئے یکا یک اپنا ہاتھ واپس پیچھے کی جانب کھینچ لیا، وہ ایک بار پھر سے بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھنے لگی

تھی، گھنے سیاہ بال مردانہ خوبصورت ناک، گلابی ہونٹ، معصوم چہرہ، ہر لحاظ سے ایک مکمل انسان تھا وہ، سوتے میں کس قدر معصوم لگ رہا تھا۔

''الحان...... الحان...... تم ٹھیک ہو؟ ...... الحان۔'' اس نے آنکھیں کھول کر دیکھا، چہرے پر بے پناہ پریشانی سجائے بیٹھی مانہ اسی کی جانب دیکھ رہی تھی، اس کے گلابی ہونٹ کانپ رہے تھے، اسے لگا کہ شاید وہ کسی خواب میں گم ہے، الحان نے اپنی آنکھیں پھر سے بند کرلیں، پھر کھولیں اور منہ پھیر کر مانہ کے بیگ کی جانب دیکھنے لگا، پھر اس نے نظریں لوٹائیں اور مانہ کے پریشان چہرے پر گاڑھ دیں۔

''آر یو اوکے؟'' بنا جواب دیئے وہ خاموشی سے اس کے چہرے کی جانب دیکھتا رہا، مانہ اس کی نظروں کی تاب نہ لاسکی، اس کی آنکھیں جھک گئیں۔

''یس آئی ایم فائن۔'' اس کی آواز میں کپکپی واضح طور پر عیاں تھی، اگلے ہی پل اس نے مانہ کی نازک نرم اور مخملی سی ہتھیلی اپنی پیشانی پر محسوس کی تھی۔

''کتنا جھوٹ بولتے ہیں آپ، بخار میں تپ رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ ٹھیک ہیں؟''

''آپ؟'' وہ بیماری کی حالت میں بھی اپنی حرکتوں سے باز نہیں آرہا تھا۔

''عزت راس نہیں شاید آپ کو۔'' وہ پھر سے بھڑکنے لگی، الحان اس کے بھڑکنے پر ایک دم مسکرادیا۔

''کبھی اتنی عزت دیتی ہو، کبھی ذلیل کرکے رکھ دیتی ہو، بہت عجیب سی مخلوق ہو تم۔''

''میں ایسی ہی ہوں۔''

''ایسی ہی ہو، جانتا ہوں، اس لئے تو اس قدر پسند ہو۔''

''اچھا بس، پھر سے ڈرامہ شروع کرنے کی ضرورت نہیں۔''

''میں سچ کہہ رہا ہوں۔''

''اوکے فائن۔'' وہ اس کی باتوں کو مکمل طور پر نظر انداز کرتی اپنی بلیک شال اتارنے لگی۔

''اس کی ضرورت نہیں ہے مانو، میں ٹھیک ہو جاؤں گا۔'' وہ اک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا تھا، مانہ نے وہ شال اس کے گرد لپیٹ دی تھی۔

''بالکل خاموش بیٹھے رہیں گے آپ سمجھے، بخار میں تپ رہے ہیں جناب کو مزید ڈرامے سوجھ رہے ہیں۔'' وہ بیگ اٹھا کر ٹٹولنے لگی، اگلے ہی پل وہ ایک ہاتھ میں ٹیبلٹ اور دوسرے ہاتھ میں پانی کی بوتل پکڑے اس کی جانب بڑھاتی حکمرانہ انداز میں بولی۔

''اسے کھائیں۔'' الحان خاموشی سے اس کے حکم کی تکمیل کرنے لگا، وہ خود حیران تھا کہ ایک دم سے بیمار کیسے پڑ گیا۔

''بہت شوق تھا ناں بیمار ہونے کا، دیکھ لیا۔''

''خیر......اب آپ آرام کیجئے۔''

''اوکے۔'' وہ جلدی سے لیٹ گیا۔

☆☆☆

دوا نے اپنا کام کر دکھایا تھا، الحان گہری پرسکون نیند سو رہا تھا، مانہ الحان کی پیشانی اپنی نرم و نازک ہتھیلی سے چیک کرنے لگی تھی، بخار پہلے کی بہ نسبت قدرے کم ہوتا محسوس ہوا تھا، مانہ سکون کا سانس لیتی، چہرہ وسیع آسمان کی جانب کیے وہ خوبصورت آسمان پر اڈتے ٹمٹماتے تاروں کی بارات کی جانب دیکھنے لگی، چاند کی نیلی مدھم روشنی ان دونوں کے چہروں کو منور کیے دے رہی تھی۔

''ہر انسان دوسرے انسان سے متاثر ہوتا

رہتا ہے، ایک انسان دوسرے کے پاس سے خاموشی سے گزر جائے تو بھی اپنی تاثیر چھوڑ جاتا ہے۔

''آرزو کا پیدا ہونا فطری بات ہے۔''

وہ سوچتے سوچتے بغور اس کے چہرے کا جائزہ لینے لگی تھی۔

وہ ایک لمحہ کو اپنی سوچوں کو بریک لگاتی لب بھینچتی پھر سے آسمان کی جانب چہرہ کیے سیدھی ہو کر لیٹی تھی، نظروں کا محور اس بار بھی ننھے منھے سے ٹمٹماتے تارے تھے۔

''ٹاپ فور۔'' وہ اپنی نرم و نازک انگلیاں اپنے گھنے لمبے بالوں میں پھنسائے فیصلہ کن انداز میں زیر لب بڑبڑائی۔

''ٹاپ فور بہت دور ہے، تب تک میں اس کی نوٹنکیاں کیسے برداشت کروں گی، مجھے کچھ نہ کچھ ایسا ضرور کرنا ہوگا کہ جس کی بنا پر یہ نواب صاحب مجھ سے تنگ آکر مجھے میری جاب سمیت واپس گھر کے لئے روانہ کردے۔'' وہ نظریں گھما کر بے خبر سوئے الحان کی جانب دیکھتی ایک بار پھر سے دور افق کی جانب دیکھنے لگی، چند ثانیے یونہی دور افق کی جانب دیکھتے رہنے کے بعد ایک ٹھوس اور پراثر آئیڈیا ذہن کی دیواروں سے ٹکراتے ہی وہ کھلکھلا کر مسکرا اٹھی۔

''ییس!...... یہی بیسٹ آئیڈیا ہے۔'' مسکراتے ہوئے لب دانتوں تلے بھینچتی وہ کروٹ بدلے الحان کی جانب دیکھنے لگی۔

☆☆☆

قد آور درختوں پر اور ان کے درمیان کی زمین پر دھند لکے ابھی محو خواب تھے، کہ سورج کی کرنوں کی چاپ نے انہیں جگا دیا، کرنوں نے دھندلکوں کو مغرب کی طرف دھکیلنا شروع کیا، اس دھکم پیل میں دھندلکوں نے دم توڑ دیا، اب مشرق سے مغرب تک شمال سے جنوب تک زمین کی سطحوں سے آکاش کی بلندیوں تک روشنی ہی روشنی تھی، اس روشنی میں دور کے مناظر بھی واضح ہو رہے تھے، ہوا میں خنکی ابھی بھی شامل تھی، فضا میں پرندوں کی آواز تھر کنے لگی تھی، جنگل اور دور افق کے درمیان کی فضا جاگ اٹھی تھی، ہر سوئی ہوئی راہ جاگ اٹھی تھی، مگر ان دونوں پر ابھی تک نیند کے آثار چھائے تھے، وہ دونوں صبح کے وجود سے انکار کرنے کی کوشش میں سرگراں تھے، ہوا ان دونوں کے گرد پھونک پھونک کر قدم رکھ رہی تھی، کہ وہ دونوں انا پرست جاگ نہ اٹھیں، سورج کی کرنیں درختوں کی اوٹ میں چھپیں سوچ رہی تھیں کہ آگے بڑھیں کہ نہ بڑھیں۔

سورج کی ایک شرارتی کرن اٹھلاتی بل کھاتی دبے قدموں آگے بڑھتی الحان کے ساتھ آنکھ مچولی کھیلنے لگی، صبح کے وجود سے بے خبر سویا الحان، کھلکھلاتی سورج کی کرن سے کسمساتا آنکھیں دھیرے سے وا کیے اجنبی نگاہوں سے دور افق کا دیدار کرنے لگا، اس نے دونوں بازوں اٹھا کر انگڑائی لینی چاہی لیکن اگلے ہی پل اسے اپنی دائیں بازوں پر انجانے سے وزن کا احساس ہوا، گردن گھمائے وہ اپنی دائیں جانب دیکھنے لگا، اک وجود بکھرے بالوں سمیت اس کے قریب اس نیند کی وادیوں میں گم تھا، وہ پر سوچ نگاہوں سے اس وجود کی جانب دیکھنے لگا، بکھرے بالوں کی لٹیں اس کے آدھے چہرے کو ڈھانپے ہوئے تھیں، الحان یکا یک چونک اٹھا، شاید اس کا ذہن بیدار ہو چکا تھا۔

''مانو!'' زیر لب اس کا نام پکارتا وہ اک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا، اس کی نگاہیں مانہ کے خوبصورت چہرے پر مرکوز تھیں، وہ دھیمے سے مسکرا دیا، سورج کی کرنیں اب براہ راست مانہ

کے چہرے کو منور کیے دے رہی تھیں، سوتے میں وہ کس قدر معصوم دکھائی دے رہی تھی، الحان ٹکٹکی باندھے بغور اس کے چہرے کی جانب دیکھنے لگا، اگلے ہی پل اسے کل رات کا تمام واقعہ یاد آچکا تھا، تبھی وہ اپنی نظروں کا زاویہ بدلے اردگرد کا نظارہ کرنے لگا، اپنی ہتھیلی پیشانی پر رکھتے ہی اس نے سکون کا سانس لیا۔

''شکر ہے اب بخار نہیں ہے۔'' مانہ کی جانب دیکھتا اب وہ اسے جگانے لگا تھا۔

''مانو!'' اس کا گلہ خشک ہو رہا تھا، خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتا وہ ایک بار پھر سے اسے پکارنے لگا۔

''مانو!'' مانہ کسمساتی دھیرج سے آنکھیں کھولتی اجنبی نگاہوں سے اپنے سامنے بیٹھے اس اجنبی شخصیت کی جانب دیکھنے لگی، خود کی جانب دیکھتی نیند سے بوجھل نگاہیں اسے اپنے دل میں اترتی محسوس ہوئی تھیں، وہ مسحور کن انداز میں مانہ کے چہرے کی جانب دیکھتا چلا گیا، اگلے ہی پل مانہ کے لبوں پر بکھرتی خوبصورت مسکراہٹ نے اسے یکا یک چونکنے پر مجبور کر ڈالا، وہ اپنی جگہ ساکت بیٹھا حیران کن نگاہوں سے مانہ کی جانب دیکھنے لگا۔

''یہ مجھے دیکھ کر مسکرائی؟''

''گڈ مارننگ۔'' وہ ابھی ایک جھٹکے سے نہ نکلا تھا کہ مانہ کی نیند سے بوجھل میٹھی سریلی آواز نے اس کے ذہن کی وادی میں اک اور دھماکہ کر ڈالا۔

''آر یو آل رائٹ، تم مجھے ٹھیک نہیں لگ رہی ہو، میرے بخار کا اثر تم پر تو نہیں ہو گیا مانو۔'' الحان گہری تیوری چڑھائے ہاتھ بڑھا کر مانہ کی پیشانی چیک کرنے کو ہی تھا کہ مانہ اپنی نازک کلائیوں پر تھوڑا زور دیتی اٹھ بیٹھی۔

''نہیں...... میں ٹھیک ہوں۔'' وہ شگفتہ انداز میں بولتی مسلسل مسکرائے چلی جا رہی تھی، الحان ایک مختلف کیفیت میں تھا، مانہ کا خوشگوار رویہ اور چہرے پر سجی مستقل مسکراہٹ اسے سوچوں کی دنیا میں غرق کیے دے رہی تھیں۔

''میں یقیناً کوئی خواب دیکھ رہا ہوں، کون ہے یہ لڑکی؟ یہ مانو نہیں ہے۔'' مانہ کی جانب دیکھتا وہ دل ہی دل میں ہم کلام ہوا تھا۔

''ہمیں اب اس جگہ سے نکلنا چاہیے الحان۔'' وہ اپنے انداز میں بولتی بیگ کی جانب بڑھنے لگی، الحان حیران کن نگاہوں سے اس کی جانب دیکھنے لگا تھا، مانہ اپنا بیگ اٹھا کر پلٹی تھی۔

''What?'' اسے ٹکر ٹکر اپنی جانب گھورتے دیکھ کر وہ کندھے اچکا کر بولی۔

''ایسے کیا دیکھ رہے ہیں آپ، لیٹس گو، میں مزید آپ کے ساتھ اس جنگل میں قید ہرگز نہیں رہ سکتی۔''

''مانو تم ٹھیک ہو ناں؟''

''آف کورس میں ٹھیک ہوں۔'' وہ منہ بناتے ہوئے بولی، الحان ایک جھٹکے سے کھڑا ہوا، مانہ اچانک سے آئس لینڈ پر موجود ان پانچ چیکو لڑکیوں جیسا بی ہیو کرنے لگی تھی، الحان اب کے عجیب نگاہوں سے اس کی جانب گھورنے لگا تھا۔

''تمہیں آخر ہو کیا گیا ہے، بہت عجیب سا بی ہیو کر رہی ہو۔''

''یہ میں ہی ہوں، میں نے آپ کے ساتھ بہت برا بی ہیو کیا ہے، جو مجھے ہرگز نہیں کرنا چاہیے تھا، مجھے اس بات کا اچھے سے اندازہ ہو گیا کل رات، میں وہ سب کچھ جان بوجھ کر کر رہی تھی، کل رات میں نے بہت سوچا اس بارے میں، بس اب مجھ سے اور ایکٹنگ نہیں ہوتی الحان، بس اب میں نے فیصلہ کر لیا ہے میں جو

ہوں وہ میں ہوں، انسان کچھ کرلے مگر اپنی اصل پہچان زیادہ دیر تک چھپا کر نہیں رکھ سکتا، بہت مشکل سے کنٹرول کیے ہوئے تھی اب تک، بٹ ناؤ فائنلی، مجھے کسی بات کا ڈر نہیں، یہ میرا اصل ہے جو اس وقت آپ کے سامنے موجود ہے الحان۔'' مانہ منہ لٹکائے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی، الحان از حد خاموش کھڑا گہری نگاہوں سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا دکھائی دیا تھا۔

''یہ مانو نہیں ہے۔'' وہ ایک بار پھر سے دل ہی دل میں ہم کلام تھا۔

''چلیں؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

الحان لبوں کو قفل لگائے اثبات میں سر ہلاتا، سرتاپا اس کا جائزہ لیتے ہوئے نڈھال قدموں سے زمین کو پیچھے کی طرف دھکیلتا آگے کی جانب بڑھنے لگا تھا۔

مانہ، الحان کی کیفیت پر ایک زوردار قہقہہ لگانے کو بیقرار تھی، یہ گیم اتنی آسان نہ تھی جتنی اسے کل رات پلاننگ کرتے وقت لگ رہی تھی، آنکھوں کے کارنر سے الحان کو اپنے پیچھے پیچھے چلتے اور خود ہی کی جانب گھورتے دیکھ وہ لبوں پر مسکان سجائے دل ہی دل میں ہم کلام ہوئی تھی۔

''پلان برا نہیں تھا میرا، لیکن یہ جو کیریکٹر اس وقت میں پلے کر رہی ہوں، یہ مجھے بالکل پسند نہیں، مگر ان نواب صاحب سے جان چھڑانے کے لئے اس کیریکٹر سے بہتر اور کوئی راہ فرار نہیں، یہی کیریکٹر مجھے اس چپکو سے نجات دلائے گا، ایسا ہی ہوتا ہے اکثر کہ جس چیز سے ہمیں بے پناہ نفرت ہو، وہی چیز ہمارے لئے راہ فرار کا ذریعہ بن جایا کرتی ہے۔'' من ہی من میں باتیں کرتی وہ یکا یک اپنا پیٹ پکڑے زور سے چلا اٹھی۔

''آ آ آ میرے پیٹ میں بہت تکلیف ہو رہی ہے، اور..... اور عجیب عجیب سی آوازیں بھی آ رہی ہیں۔''

''تمہیں بھوک لگ رہی ہے؟'' الحان حیران سا دکھائی دے رہا تھا۔

''یقیناً۔'' چہرے پر زبردستی کی مسکان سجائے وہ اسی کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''میں اس راستے سے واقف ہوں، مجھے یقین ہے کہ ہمارا کیمپ یہیں کہیں آس پاس ہی موجود ہے، میرے بیگ میں کچھ ڈرائے فروٹ اور چپس وغیرہ موجود ہے، بس تھوڑا اور صبر کرلو۔''

''لعنت ہے۔''

''واٹ؟''

''اس راستے پر، ختم ہی نہیں ہوتا۔''

''مانو! تم بہت عجیب بی ہیو کر رہی ہو۔''

''الحان میں ایسی ہی ہوں، میں ایسی ہی باتیں کرتی ہوں انس می۔'' وہ قہقہہ لگاتے ہوئے بولی۔

''نہیں مانو، یہ تم نہیں ہو۔'' وہ برجستہ بول اٹھا۔

''الحان ابراہیم صاحب کیا آپ مجھے مجھ سے زیادہ بہتر جانتے ہیں؟'' وہ آئی برو اچکائے بغور اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''اوکے میں اس وقت کسی قسم کی بحث کے موڈ میں ہرگز نہیں۔'' وہ اکھڑے ہوئے لہجے میں بولتا آگے کی جانب بڑھنے لگا۔

''ڈیٹس گو۔'' مانہ معنی خیز نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتی اس کے تعاقب میں چلنے لگی تھی۔

☆☆☆

جنگل کا سینہ چیرتے وہ دونوں کچھ ہی دیر بعد واقعی اپنے کیمپ کے سامنے موجود تھے، الحان نے جلدی سے اپنا بیگ ٹٹول کر چپس، ڈرائے

فرروٹ اور چاکلیٹ کے کچھ پیکٹس باہر نکالے تھے۔

''تم اپنی فرینڈ کو نہیں ڈھونڈنا چاہتیں؟'' الحان بے اعتمادی کے عالم میں اس کے چہرے کی جانب دیکھ رہا تھا۔

''الحان! میں بہت تھک چکی ہوں، ہم ان دونوں کو ڈھونڈنے کے چکر میں کل رات خود ہی کھو چکے تھے، باقی تمام ٹیمز میں سے کوئی نہ کوئی یقیناً ان دونوں کو ڈھونڈ نکالے گی۔'' وہ اپنی ہی موج مستی میں بولے چلی جارہی تھی، الحان اسے اگنور کرتا، ریڈیو اٹھائے اپنے منہ کے قریب کر بولنے لگا۔

اگلے ہی پل ریڈیو سپیکر میں مس فاطمہ کی آواز ابھرنے لگی تھی۔

''الحان! مسکان اور جینی مل چکی ہیں، تم لوگ واپس آجاؤ۔''

''شکر الحمدللہ! اللہ کا لاکھ لاکھ شکر اب ہم واپس جاسکتے ہیں۔'' الحان کے برابر میں بیٹھی مانہ ایک لمبی سانس کھینچتی پرسکون انداز میں گویا ہوئی تھی۔

''کب اور کہاں پر ملیں وہ دونوں؟'' الحان اب ڈیٹیل پوچھ رہا تھا۔

''کل رات ہی مل گئی تھیں، الحان تم یقین نہیں کرو گے، وہ دونوں یاٹ میں سو رہی تھیں۔'' مس فاطمہ کی آواز ابھری، الحان اپنا سر تھام کر رہ گیا۔

''تو آپ لوگوں نے یاٹ پہلے چیک نہیں کی تھی؟''

''تم تو جانتے ہو الحان ہم سب لوگ کس قدر گھبرا گئے تھے، یاٹ چیک کی تھی مگر ان دونوں پر نگاہ نہیں پڑی، فوٹیج میں بھی یاٹ کی جانب جاتی دکھائی نہیں دی تھیں، نجانے یہ سب کیوں اور کیسے ہوگیا، خیر تم لوگ کہاں ہو اس وقت؟''

''ہم لوگ بس نکلنے لگے ہیں۔''

''اوکے۔'' ریڈیو جینز کی پوکٹ میں گھساتا وہ جلدی سے ٹینٹ پیک کرنے لگا تھا، ٹینٹ پیک کرتے ہی وہ دونوں واپسی کے لئے روانہ ہو چکے تھے۔

''مجھے تو یقین ہی نہیں ہو رہا ہے کہ مسکان اور جینی اس قدر بے وقوف ہو سکتی ہیں۔'' مانہ کی آواز اس کی سماعت سے ٹکرائی تھی، الحان اسے مکمل طور پر نظر انداز کیے واپسی کے راستے پر قدم بہ قدم آگے کی جانب بڑھتا چلا جا رہا تھا۔

☆☆☆

ایک دوجے کے تعاقب میں چلتے چلتے وہ دونوں بالآخر جزیرے کی زمین کو سلام کر چکے تھے، شام گہری ہوگئی تھی، مگر ابھی مغرب کے آخری افق پر شفق کے آثار نمایاں تھے، ہلکی ہلکی خنک ہوا چلنے لگی تھی، عاشر زمان سامنے سے ان دونوں کو آتا دیکھ لپک کر ان دونوں کی جانب بڑھا تھا۔

''الحان! کہاں رہ گئے تھے تم دونوں؟ کل رات ہم لوگوں نے کتنی کوشش کی کونٹیکٹ کرنے کی مگر تمہاری طرف سے کوئی جواب ہی نہیں ملا۔'' عاشر زمان کے چہرے اور لہجے سے ٹپکتی پریشانی واضح طور پر عیاں تھی۔

''ایکچوئیلی عاشر! ان دونوں کو ڈھونڈتے ڈھونڈتے ہم خود ہی کھو چکے تھے۔'' مانہ بے باکی سے قہقہہ لگاتی وہ بڑے مزے سے عاشر کو اپنے کھو جانے کی تفصیل بتانے لگی تھی، الحان کو شروع دن سے بے باکی سے قہقہہ لگاتی لڑکیاں ایک دم زہر لگتی تھیں، تبھی وہ مانہ کے قہقہہ لگانے پر تیوری چڑھائے لمبی سانس کھینچ کر رہ گیا تھا، عاشر زمان

بھی مانہ کے بدلے رویے پر اچنبھے سے اس کی جانب دیکھتا دکھائی دیا تھا، عاشر کو اس طرح اپنی جانب گھورتے دیکھا اس کو شرمندگی ہوئی، لیکن وہ مجبور تھی، اسے ہر حال میں الحان اور اس رئیلٹی شو سے نجات چاہیے تھی اسے اپنی جاب بھی عزیز تھی، اس کے سوا اور آپشن نہ تھی۔

''اوکے میں چلتی ہوں، بہت تھکاوٹ ہو رہی ہے۔'' تیوری چڑھائے الحان اور ہکا بکا کھڑے عاشر زمان کو ہاتھ کے اشارے سے بائے بولتی وہ چوب محل کے مین دروازے کی جانب بڑھتی چلی گئی تھی، لاؤنج میں داخل ہوتے ہی اس نے سکون کا سانس لیا تھا، مسکان کے سوا تمام لڑکیاں اسے لاؤنج میں ہی چلتی پھرتیں، باتیں کرتی دکھائی دی تھیں، مانہ کو ان سب کی پرواہ بھی نہ تھی، جلدی سے سیڑھیاں پھلانگتی وہ تیزی سے اپنے روم کی جانب بڑھی تھی، ہینڈل گھما کر دروازہ کھولتے ہی اسے سامنے بیٹھی مسکان کا دیدار ہوا تھا۔

''مسکان؟'' مانہ کی آواز سماعت سے ٹکراتے ہی اپنے بیڈ پر نیم دراز آنکھیں موندی مسکان جلدی سے سیدھی ہو بیٹھی تھی۔

''مانہ او مائے گاڈ، آئی ایم سوری، ہم دو سٹوپڈ لڑکیوں کی وجہ سے تم سب لوگوں کو کس قدر پریشانی ہوئی ناں، رئیلی سوری یار۔'' مانہ اپنا بیگ اپنے بیڈ پر پھینکتی، مسکان سے بغلگیر ہوتی اسی کے بیڈ پر اس کے عین سامنے بیٹھ گئی تھی۔

''میں تمہارے لئے بہت پریشان تھی مسکان۔'' وہ تھکان بھرے لہجے میں بولی۔

''میں بھی تمہارے لئے بہت پریشان تھی مانہ، پتا ہے کل رات عاشر زمان نے تم دونوں کو کانٹیکٹ کرنے کی بہت کوشش کی، مگر تم دونوں تھے کہ کانٹیکٹ میں ہی نہیں آ رہے تھے۔''

''اچھا اب پریشان ہونے کی ضرورت نہیں، اب سب ٹھیک ہے، جینی کیسی ہے؟'' مانہ دھیمے سے مسکرائی تھی۔

''وہ بھی ٹھیک ہے، ایکچوئیلی اس رات آشلے نے شرارت میں ہم سب لڑکیوں کو تھوڑی تھوڑی پلا دی تھی اور پھر پتا ہی نہیں چلا کہ کب اور کیسے میں اور جینی باتیں کرتی کرتی یاٹ میں سوار ہو گئیں او گاڈ تمہیں پتا ہے عاشر زمان نے کس قدر ڈانٹ پلائی ہم سب لڑکیوں کو اور پھر جب تم دونوں آؤٹ آف کانٹیکٹ ہوئے تو ایک بار پھر سے ہم سب لڑکیوں کی کلاس لگی، رئیلی سوری ہماری وجہ سے تم سب کو اس قدر پریشانی اٹھانا پڑی۔'' مسکان از حد نادم دکھائی دے رہی تھی۔

''اب سب کچھ ٹھیک ہو چکا ہے مسکان پریشان ہو کر خود کو ہلکان نہیں کرو۔'' مانہ شائستہ لہجے میں بولتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اچھا مجھے بہت بھوک لگ رہی ہے، تم نے کچھ کھایا؟''

''نہیں، تمہارے آنے کا انتظار کر رہی تھی، مجھے اچھا فیل نہیں ہو رہا تھا، سوچا کہ تم آ جاؤ، تو ساتھ میں کھائیں گے۔''

''اوکے تو پھر چلو یار، میرے پیٹ میں تو چوہوں نے کل رات سے ڈانس پارٹی شروع کی ہوئی ہے، ناچ ناچ کر برا حال کر دیا ہے۔'' اپنی ہی کہی گئی بات پر وہ کھلکھلا کر مسکرا دی تھی، مسکان نے بھی اس بار مسکرانے میں مانہ کا بھرپور ساتھ دیا تھا۔

''چلو پھر۔'' اگلے ہی لمحے مسکان جمپ لگاتی بیڈ سے نیچے اتر آئی تھی۔

☆☆☆

جلدی سے وہ اپنا من پسند چکن اسٹیک

بناتی مسکان اور جینی سمیت ڈائننگ ٹیبل پر آ بیٹھی تھی، اڑتالیس گھنٹوں کی بھوکی وہ ایک کے بعد ایک چکن اسٹیک کی بائٹس لیتی چلی جا رہی تھی، مسکان اور جینی سینڈوچ اور سلاد کھانے میں مصروف تھیں، وہ تینوں کھانے سمیت گاہے بگاہے اپنی اپنی داستان بھی سنائے چلی جا رہی تھیں، جب وہ تینوں کھانے اور باتوں سے فارغ ہو چکیں تو اپنی اپنی پلیٹس سمیت کچن میں چلی آئیں۔

''چلو جو ہوا سو ہوا، اب آگے خیال رکھنا، میں کسی کے بارے میں کچھ غلط کہنا نہیں چاہتی، بس اتنا کہنا چاہوں گی کہ آشلے بہت ہی چالاک لڑکی ہے، وہ اس شو میں ٹکنے اور تم سب کو جلد از جلد ایلیمینیٹ کروانے کے لئے بہت سی چالیں چل سکتی ہے، سو بی کیئرفل گرلز۔'' وہ اپنے حصے کی پلیٹ دھوتی ایک سائیڈ پر ہو کھڑی تھی۔

''یو آر رائٹ، شی از ویری کلیور۔'' مسکان گویا ہوئی، وہ تینوں اپنی اپنی پلیٹس دھو چکنے کے بعد لاؤنج کے ایک صوفہ پر براجمان ہوئی تھیں، جہاں سب لڑکیاں پہلے سے موجود خوش گپیوں میں مصروف تھیں۔

''لیڈیز! لیڈیز! لیڈیز۔''

چوب محل کے مین دروازے سے داخل ہوتا خرم اپنی بارعب بھاری آواز میں بولتا ان کے قریب آن کھڑا ہوا تھا، اس کے اندر داخل ہوتے ہی تمام کی تمام لڑکیاں بھرپور توجہ سمیت اس کی جانب دیکھنے لگی تھیں، وہ بول رہا تھا۔

''آج رات آپ تمام لیڈیز کی الحان ابراہیم کے ساتھ ایک گروپ ڈیٹ ہے، سو ڈریس ٹو امپریس۔'' وہ اپنے ہی انداز میں اطلاع دیتا شریر سی مسکراہٹ لبوں پر سجا کھڑا ہوا تھا۔

''What time?'' آشلے کافی ایکسائیٹڈ دکھائی دے رہی تھی۔

''Where?'' سحر نے بھی اپنی خوشی کا اظہار کیا تھا۔

''گروپ ڈیٹ؟'' آشلے اور سحر کے گروپ کی تیسری چالاک اور سیلفش لڑکی برینڈا منہ بسار کر رہ گئی۔

''یہ گروپ ڈیٹ آج رات سات بجے اس چوب محل کے باہر گارڈن ایریا میں ارینج کی جائے گی، آپ لیڈیز کے پاس ایک گھنٹہ ہے، سو لیڈیز، آل دی ویری بیسٹ۔'' وہ خوشگوار انداز میں ان تمام لیڈیز کو گڈ لک کا سائن دیتا اسی رفتار سے واپس باہر نکل گیا تھا، جس رفتار سے اندر داخل ہوا تھا، اس کے جاتے ہی یکا یک بھگدڑ سی مچ گئی تھی۔

''آج یہ گروپ ڈیٹ رکھنا ضروری تھی کیا؟ میں بہت تھکی ہوئی ہوں، مجھے آرام کرنا ہے، مجھے سونا ہے۔'' مان تھکان بھرے لہجے میں بولی تھی۔

''ہم لوگوں کی وجہ سے پہلے ہی دو دن ضائع ہو گئے ہیں، اس شو کی ایک قسط آن ایئر ہو چکی ہے، سنا ہے عاشر زمان نے پہلی ہی قسط کل بھی ریپیٹ ٹیلی کاسٹ کروائی تھی جس کی وجہ سے اسے کافی نقصان بھی ہوا ہے اور آج کی قسط شاید لائیو ٹیلی کاسٹ ہونے والی ہے۔'' مسکان نے اڑتی اڑتی خبر اس کے گوش گزار کی تھی، مانہ کچھ سوچتی ہوئی اٹھ کھڑی ہوئی تھی۔

مسکان اس کے تعاقب میں چلتی کمرے تک آئی تھی، اس دن الحان کے ساتھ کی گئی شاپنگ کے بیگز ٹٹولتی وہ منہ بسورے پوچھ رہی تھی۔

''ان میں سے کیا پہنوں میں؟'' تمام ہیگی شرٹس ٹٹولتی وہ مسکان کی جانب دیکھنے لگی۔

''یہ سب چھوڑو، میں تمہیں اپنا ایک ڈریس دیتی ہوں، تم وہ پہنو، ایک منٹ۔'' اپنے بالوں کو اکٹھا کرتے ہی کیچر میں قید کرتی مسکان اپنے وارڈروب کی جانب بڑھی تھی، اگلے ہی پل وہ خوبصورت شفون اور نیٹ کی بنی بلیک میکسی ہینگر سے اتارتی مانہ کی جانب بڑھاتے ہوئے شائستہ لہجے میں گویا ہوئی۔

''تم یہ پہنو مانہ، آئی پرامس تم اس میں قیامت لگو گی اور ہاں ساتھ میں میرے بلیک ہائی ہیلز بھی ہیں اور سب سے پہلے تو تم اپنی یہ بھدی گلاسز اتارو۔'' اس نے جلدی سے ہاتھ بڑھا کر مانہ کی گلاسز کھینچ لئے۔

''ارے......''

''کانٹیکٹ لینز لئے تھے ناں اس دن الحان نے تمہارے لئے، تم جلدی سے چینج کر کے آؤ، میں تمہیں لینز بھی لگاتی ہوں اور تمہارا اچھے سے میک اپ بھی کر دوں گی چلو چلو شاباش۔'' مانہ اپنے دفاع میں کچھ کہنے کو ہی تھی کہ مسکان اسے میکسی سمیت دھکیلتی واش روم تک چھوڑ آئی۔

''مسکان میں یہ نہیں پہن سکتی یار، میں نے زندگی میں ایسے کپڑے کبھی نہیں پہنے۔'' وہ واش روم کے اندر سے چلائی۔

''تو اب پہن لو ناں میری جان۔'' مسکان ایک بار پھر سے وارڈ روب میں گھسی اپنے لئے کپڑے منتخب کرنے لگی۔

مانہ میکسی کو غور سے دیکھتی لب بھینچ کر رہ گئی۔

''مانہ جلدی کرو، ہمارے پاس زیادہ ٹائم نہیں ہے۔'' اپنے لئے منتخب کیا گیا جوڑا ہینگر سے اتارتی وہ مصروف انداز میں گویا ہوئی۔

☆☆☆

الحان سگریٹ لبوں میں دبائے اپنے کمرے کے باہر نپے تلے قدموں سے چلتا ادھر سے ادھر گردانتا پھر رہا تھا، سوچوں کا محور وہی ایک ذات تھی جس کا بدلہ رویہ اندر ہی اندر سے کھٹکا لگائے دے رہا تھا۔

''الحان! ڈنر سٹارٹ ہونے والا ہے، تم ریڈی ہو۔'' وہ جو سگریٹ کے لمبے لمبے کش لگاتا اپنی ہی سوچوں میں گم تھا، خرم کی آواز سماعت سے ٹکراتے ہی یکا یک چونک اٹھا۔

''اوکے...... لیس...... ایم ریڈی۔'' آدھ بجی سگریٹ زمین پر پھینکتے ہی اپنے دائیں پیر سے سگریٹ کو کچلتا وہ خرم سمیت چوب محل کی جانب بڑھ گیا تھا۔

چوب محل کے مین دروازے کے سامنے ہی ڈنر کا انتظام کیا گیا تھا، خرم چلتا ہوا کیمرہ کے پیچھے کی ٹیم کے پاس جا کھڑا ہوا تھا جبکہ الحان ایک بڑی سی اکیلی ٹیبل کے قریب جا کھڑا ہوا، ٹیبل پر طرح طرح کے لذیز کھانے اور فروٹس سجائے گئے تھے۔

''الحان آپ یہاں بیٹھ جاؤ۔'' ٹیبل کے پاس کھڑیں مس فاطمہ ٹیبل کے پاس رکھی گئی مخصوص کرسی کی طرف اشارہ کرتی شیریں لہجہ میں گویا ہوئیں، الحان اثبات میں سر ہلاتا، بتائی گئی کرسی پر براجمان ہو گیا، عاشر زمان کیمرہ کے پیچھے ایک چھوٹے سے ٹی وی پر نظریں جمائے خاصا مصروف دیکھائی دے رہا تھا، اگلے چند لمحوں میں چوب محل کا دروازہ کھلتے ہی تمام پندرہ لڑکیاں چمک دمک سے بھرپور ڈریسز میں ملبوس اجلا روشن چہرہ لئے ایک کے بعد ایک دروازے سے نکلتیں ٹیبل کی جانب بڑھنے لگی تھیں۔

سب سے آگے آنشلے اور اس کے ساتھ سحر اور برینڈا تھیں، وہ تینوں سفید خوبصورت چمکیلے برانڈڈ ڈریسز میں ملبوس ایک ادا سے چلتیں، چہروں پر مسکان سجائے الحان کی جانب دیکھنے لگی

تھیں۔

لڑکیوں کو چوب محل سے نکلتے دیکھ کر الحان فوراً اٹھ کھڑا ہوا تھا، سب سے پہلے پہنچتی تینوں لڑکیوں کو سمائل پاس کرتا وہ متلاشی نگاہوں سے باقی کی تمام لڑکیوں کی جانب دیکھنے لگا تھا، وہ شخصیت جس کی اسے تلاش تھی، لائن میں سب سے اینڈ میں دیکھائی دی تھی، بلیک ٹائٹ میکسی میں ملبوس، اپنے لمبے گھنے بالوں کو اکٹھا کر کے رائٹ شولڈر پر ڈالے، دو نادان لٹوں کو اپنے خوبصورت چہرے پر چھوڑے لائٹ پنک میک اپ اور آنکھوں میں لگے گرے لینز میں وہ نظر لگ جانے کی حد تک خوبصورت دیکھائی دے رہی تھی، مانہ پر نظر پڑتے ہی الحان لمحے بھر کو اپنی پلکیں جھپکانا بھول گیا تھا، دل کی دھڑکنوں کے ساتھ ساتھ سانسوں کی رفتار میں بھی تیزی آتی محسوس ہوئی تھی، وہ اسے دیکھنے میں محو تھا وہ پہلی بار میک اپ کیے، اپنے بھدے چشمے کی جگہ اسی کے دیئے گئے لینز ز لگائے اسے اپنی جانب بڑھتی دیکھائی دے رہی تھی۔

اس کے پاس سے گزرتی لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ سجائے وہ براہ راست الحان کی نگاہوں میں جھانکتی آگے بڑھتی چلی گئی تھی، الحان اسے دیکھ کر مسکرایا ہرگز نہ تھا، وہ یقیناً بہت خوبصورت لگ رہی تھی، مگر الحان اسے اس حلیے میں دیکھ کر خوش ہونے کے بجائے مایوس ہوتا دیکھائی دیا تھا، وہ خود بھی اس لباس، ہائی ہیلز اور کانٹیکٹ لینز ز میں کمفرٹیبل فیل نہیں کر رہی تھی، لیکن اسے یہ سب کرنا تھا، الحان اور اس شو سے نجات کا یہی ایک واحد ذریعہ تھا، جسے وہ بخوبی نبھا کر اپنے مقصد کی تکمیل کی اور بڑھتی چلی جا رہی تھی۔

تمام لیڈیز اپنی اپنی کرسی سنبھال بیٹھی تھیں، الحان کے دائیں اور بائیں جانب آشلے اور سحر بیٹھی تھیں، جبکہ مانہ مسکان کے ہمراہ ٹیبل کے آخری سرے پر براجمان ہوئی تھی، سب کے براجمان ہوتے ہی باتوں کے ساتھ ساتھ ڈنر بھی شروع ہو چکا تھا، مانہ ڈنر کرتے دوران گاہے بگاہے اپنے بائیں جانب بیٹھی کورین لڑکی غیوری جو کہ پہلے ہی دن سے اپنی باتوں اور حرکتوں سے خود کو بے انتہا بیوقوف ثابت کر چکی تھی، کے ساتھ باتیں کرتی بات بات پر قہقہہ لگائے دے رہی تھی، الحان کی جانب براہ راست نہ دیکھتے ہوئے بھی وہ گاہے بگاہے اپنی جانب اٹھتیں الحان کی نگاہیں بخوبی محسوس کر رہی تھی۔

''مانہ!'' پاس بیٹھی مسکان اچنبھے سے اس کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''ہاں کیا ہوا؟'' وہ مسکراتے ہوئے اب مسکان سے مخاطب تھی۔

''تم ٹھیک ہو؟'' وہ پوچھ رہی تھی۔

''ہاں...... میں بالکل ٹھیک ہوں، کیوں کیا ہوا؟'' وہ انجان بن بیٹھی۔

''تم عجیب بی ہیو کر رہی ہو، آج سے پہلے میں نے تمہیں کبھی ایسے نہیں دیکھا۔''

''یار مسکان ہنسنا گناہ ہے، جب میں خاموش رہتی تھی تب تمہی کہتی تھیں کہ ہنسا بولا کرو، اب میں ہنس بول رہی ہوں انجوائے کر رہی ہوں، تو اب بھی تم ہی ٹوک رہی ہو۔'' وہ بلاوجہ خفا ہونے لگی تھی۔

''ہاں کہا تھا...... مگر۔''

''اگر مگر کچھ نہیں، کیا معلوم اگلی ایلیمینیشن میں میرا نمبر بھی آ جائے اور پھر میں اس خوبصورت جگہ اور یہاں پر ہوتی تمام انجوائے منٹ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہو جاؤں، اس لئے پلیز انجوائے کرنے دو، اور خود بھی انجوائے

کرو۔'' شائستہ لہجے میں بولتی وہ خوبصورت مسکراہٹ چہرے پر سجائے اپنی پلیٹ پر جھک گئی تھی، مسکان بھی مسکرادی تھی، جبکہ الحان کے اندر کی بے چینی اسے چین سے بیٹھنے نہ دے رہی تھی اور پھر آس پاس بیٹھیں آشلے اور سحر مسلسل اسے امپریس کرنے کے چکروں میں تھیں، الحان اس سے بات کرنے کو بے چین تھا، اس کا بدلہ رویہ اندر ہی اندر اسے کچوکے لگائے چلا جارہا تھا، جبکہ مانہ آئس لینڈ پر موجود سب سے بیوقوف لڑکی غیوری کا کردار اپنائے مسلسل قہقہوں پر قہقہے لگائے چلی جارہی تھی، عاشر زمان خاصا مضطرب بیٹھا سکرین سے نظریں ہٹائے مانہ کی جانب گھورتا دیکھائی دیا تھا اور وہ ان سب کی نظروں کو اگنور کیے بس اپنے ہی مقصد کی کامیابی پر تل بیٹھی تھی، تقریباً ایک گھنٹے تک یہ سلسلہ مسلسل چلتا رہا تھا، ڈنر کے اختتام پر الحان سمیت سبھی لڑکیاں اٹھ کھڑی ہوئی تھیں، باہر رکھے کیمراز بند کیے جا چکے تھے، پیچھے اڑتالیس گھنٹوں کی تھکان اور اردگرد گونجتی تمام لڑکیوں کی آوازیں اسے اپنے دماغ میں ڈھول بجاتی محسوس ہورہی تھیں۔

''مسکان! میں سونے جارہی ہوں، میرا سر درد سے پھٹ رہا ہے۔''

''میڈیسن لے لو پھر سونے چلی جانا۔''

''میڈیسن؟''

''ہاں وہیں کچن میں رکھی ہیں۔''

''اوکے۔'' مانہ وہاں موجود تمام لوگوں کو پیچھے چھوڑتی سہج سہج کر قدم رکھتی چوب محل کی جانب بڑھنے لگی تھی، لڑکیوں میں گھرا کھڑا الحان بے کل نگاہوں سے اسے اندر کی جانب بڑھتے دیکھ رہا تھا، وہ چاہ کر بھی اسے روک نہیں پایا تھا۔

ٹک ٹک کرتی وہ کچن میں داخل ہوئی تھی کہ اچانک کچن سے باہر نکلتی آشلے کی ہاتھ میں پکڑی کولڈ ڈرنک برے طریقے سے ان دونوں کے کپڑوں کا حال پوچھ بیٹھی تھی، آشلے اپنے مہنگے برانڈڈ کپڑوں پر نگاہ دوڑاتی کھا جانے والی نظروں سے مانہ کی جانب گھورنے لگی تھی۔

''دیکھائی نہیں دیتا ہے؟'' وہ اس پر برسنے لگی تھی۔

''دیکھائی تو تمہیں بھی نہیں دیتا ہے، میں تو باہر سے آرہی تھی، تم اچانک سے باہر نکل آئیں۔'' مانہ بھی اس کے لہجے اسی کے انداز میں اس پر برسنے لگی تھی۔

''مجھے تم سے بحث کرنے کا ہرگز کوئی شوق نہیں، منہ مت لگو میرے۔'' کہتی ہوئی وہ واپس کچن میں پلٹ گئی تھی۔

''چڑیل!'' مانہ منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی، کپڑے جھاڑتی وہ پلٹ کر کیبن کھول کر میڈیسن ڈھونڈنے لگی تھی، ترچھی نگاہوں سے مانہ کو گھورتی آشلے موقع سے فائدہ اٹھاتی، اردگرد کا جائزہ لینے کے بعد مانہ سے نظر بچاتی اپنا کلچ کھول کر ایک پاؤڈر جلدی سے پانی میں انڈیلتی واپس اپنا ڈریس صاف کرنے میں مصروف ہوگئی تھی، مانہ میڈیسن اٹھائے واپس گلاس کے پاس آن کھڑی ہوئی، جلدی سے دو ٹیبلیٹس منہ میں ڈالتی وہ پورا پانی کا گلاس غٹا غٹ پیتی چلی گئی، گلاس واپس ٹیبل پر رکھتی وہ تیزی سے پلٹتی کچن سے باہر نکل آئی، سیڑھیوں تک پہنچتے ہی وہ بری طرح سے لڑکھڑا گئی، اردگرد کی تمام اشیاء تمام لوگ اسے دھندلے ہوتے دیکھائی دیئے تھے، اپنا سر تھامتی، وہ پلکیں جھپکا جھپکا کر سیڑھیوں کی جانب دیکھنے لگی تھی۔

''یا اللہ!'' اپنا سر تھامے لب بھینچے وہ سیڑھیوں کی گرل تھام کر رہ گئی، خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرتی وہ نظریں گھما کر اردگرد

چکراتی تمام اشیاء کو آنکھیں میچ میچ کر دیکھنے لگی تھی، اسے اس پل لمحوں محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے آس پاس رکھی تمام اشیا چکرا رہی ہیں، سیڑھیوں کی گرل تھامتی وہ جلدی سے ایک زینہ پر بیٹھی تھی، ہائی ہیل میں قید اپنے پیروں کو آزاد کراتی، گرل مضبوطی سے تھامے ایک بار پھر سے لڑکھڑاتی ہوئی کھڑی ہو چکی تھی، گرل کو مضبوطی سے تھامے وہ خود پر کنٹرول کرتی دھیرے دھیرے زینہ بہ زینہ اوپر کی جانب بڑھنے لگی، بمشکل آخری سیڑھی تک پہنچتے ہی وہ ایک بار پھر سے لڑکھڑا گئی، دونوں ہاتھوں سے گرل تھامے وہ کمروں کی جانب دیکھنے لگی۔

''کیا ہو رہا ہے مجھے؟'' زیر لب بڑبڑاتی وہ دیوار کا سہارا لیے دھیرے دھیرے چلتی اپنے کمرے کی جانب بڑھنے لگی۔

''اوہ گاڈ! سر بلاسٹ ہو جائے گا میرا۔''

کھینچ کھینچ کر سانس لیتی وہ بالآخر اپنے کمرے تک پہنچ چکی تھی، ایک جھٹکے سے لڑکھڑاتی کمرے میں داخل ہو گئی، بوجھل ہوتے آنکھوں کے پپوٹے زبردستی وا کیے وہ کمرے کی چھت کو گھورنے لگی، کمرے کی چھت اسے اپنے اوپر گرتی محسوس ہوئی تھی، اگلے ہی پل اس کے اوسان مکمل طور پر خطا ہو چکے تو اپنا سر تھامے وہیں زمین پر بیٹھتی چلی گئی۔

☆☆☆

اندھیرے اور خاموشی کی یلغار لحظہ بہ لحظہ بڑھتی چلی جا رہی تھی، اس کے دل میں جلتے ہوئے دیئے کی لو تھرتھرانے لگی، اس کے پپوٹے اندھیرے کے بوجھ سے بند ہونے لگے تھے، اب وہاں کچھ بھی نہ تھا، ہر طرف اندھیرے کا سمندر ٹھاٹھیں مار رہا تھا، اس کا دم گھٹنے لگا، سانس لینا اس کے لئے تکلیف دہ ہونے لگا، یہ عذاب اس کی برداشت کی حدود کو توڑنے لگا، اس کی سب کوششیں ناکام ہوا چاہتی تھیں، کہ اس نے آخری کوشش کرتے ہوئے اپنی منتشر ہوتی قوت کو اکٹھا کیا اور اندھیرے کے بڑھتے طوفان کو، عذاب کی پھیلتی ہوئی آگ کو روکنے کے لئے آخری حملہ کیا، طوفان کا ریلہ، پھیلتی ہوئی آگ اک لمحہ کو رکے مگر اس کی قوت پسپا ہونے لگی، بالآخر وہ اندھیرے کے ریلے اور آگ کے درمیان پس کر رہ گئی۔

اندھیرے اور آگ کے تصادم سے اس کے آفاق روشن ہونے لگے روشنی ہر طرف سے اک مرکز کی طرف بڑھنے لگی، جوں جوں روشنی قریب آتی گئی، آفاق پر تاریکی چھاتی گئی۔

یکایک آگ بلندیوں کی طرف لپک گئی اور پھر پستیوں پر اندھیرا ہی اندھیرا باقی رہ گیا، آگ بلندیوں میں ایک نقطہ بن گئی، نقطہ پھیلنے لگا، قریب آنے لگا، قریب سے قریب تر آتا ہی چلا گیا، سورج بن گیا، سورج نیچے اترنے لگا، اندھیرا مٹ گیا، زمین کی سطح پر سبزہ اگنے لگا، سبزے میں پھول کھلے، پھولوں سے گلزار بنا، گلزار میں روشنیں بنیں، روشیں گلزار سے نکل کر میدان میں چل نکلیں، میدان میں رستوں کا جال بن گیا، ان راہوں پر راہی چلنے پھرنے لگے، سورج سے ہر شے روشن منور تھی، سورج نصف النہار تھا۔

مانہ نے جھٹ سے آنکھیں کھول دیں، اس

کو سانس لینا مشکل نہ تھا، کمرے میں بالکل اندھیرا تھا، ہر طرف خاموشی ہی خاموشی تھی، اس کے دل کے دھڑکنے کی آواز اس کے کانوں تک پہنچ رہی تھی، سانس کا ترنم اس کے کانوں کو بھلا لگنے لگا، اچانک کسی نے اس کو پکارا، اس نے کوشش کی کہ آواز کی سمت متعین کر سکے مگر آواز ہر سمت سے آتی محسوس ہوئی تھی، وہ کبھی اس اور کبھی اس اور بھاگنے لگی، آواز واضح ہو رہی تھی، قریب ہو رہی تھی، اس کی آواز میں پیار چھپا تھا، وہ بھاگتے بھاگتے تھک گئی، وہ تھک کر، ہار کر بیٹھ گئی، آواز اب بالکل اس کے قریب تھی، اس کے کانوں کے بالکل ہی قریب، اس نے کان لگا کر سنا، اس کے اپنے ہی سینے سے آواز آ رہی تھی، اس کے دل کی ہی آواز تھی۔

''مانہ! اس دنیا میں تو تنہا ہے، بالکل تنہا، سمندر کا وہ پانی جو سمندر سے باہر ہوا سے دریا، جھیل، بادل آنسو، شبنم کچھ بھی کہہ دو، لیکن پانی کا وہ حصہ جو سمندر میں شامل ہو جائے، وہ سمندر ہی کہلاتا ہے، یہ تیری دنیا نہیں ہے، تو اس سمندر کی نہیں ہے، الحان ابراہیم ایک گہرا سمندر ہے، وسیع سمندر، یہاں پر موجود ہر لڑکی اس سمندر میں ڈوبنے کو تیار ہے اور یہ سمندر، یہ سمندر تجھے اپنے اندر ڈوبونے کو بیقرار، تمام لڑکیاں الحان کو چاہتی ہیں اور الحان تجھے چاہتا ہے، تو کس کو چاہتی ہے؟ الحان کو؟ کیا واقعی الحان تجھے چاہتا ہے؟ یا پھر تو اس کی ضد ہے؟ یا پھر تم دونوں واقعی ایک دوسرے کے لئے بنے ہو؟ یا پھر یہ سب ان لمحوں کے دامن میں ٹھہرا ہوا اک پل ہے؟ کیا الحان ابراہیم صرف ایک پل ہے؟ نہیں بالکل نہیں، تو پھر وہ تم کو کیوں نہیں پکارتا؟ نہیں اس نے پکارا ہے، تمہی نے اس کی پکار نہیں سنی، کیا تم نے کبھی اس کو پکارا؟ نہیں...... کبھی نہیں...... لیکن کیوں نہیں؟''

مانہ کو کیوں کا جواب نہ ملا، وہ سوچنے لگی کہ آخر اس نے الحان کو کیوں نہیں پکارا؟ اس نے چاہا کہ وہ اس گھپ اندھیرے میں اسے پکارے، مگر اس کی پکارنے کی صلاحیت اس کے اندر کہیں چھپی سو رہی تھی، وہ اس کو ڈھونڈتی رہی مگر پا نہ سکی، اگلے ہی پل وہ گھبرا گئی، گھبرا کر اٹھ بیٹھی۔

وہ اس وقت کہاں پر تھی؟ اپنے بیڈ پر، ہاں وہ اپنے بیڈ پر ہی موجود تھی، مگر کیسے؟ وہ اپنے بیڈ تک کیسے پہنچی تھی، اسے کچھ یاد نہ آ رہا تھا، اس نے ہاتھ بڑھا کر ٹیبل لیمپ کو جلایا، لیمپ کی روشنی خوبصورت مخملی ہاتھوں پر پڑ رہی تھی، اس نے اپنے ہاتھوں اور اپنے پاؤں کی جانب دیکھا، اس کے پاؤں اس کی طرف سوالیہ انداز میں دیکھ رہے تھے، وہ ان کی نظروں کی تاب نہ لا سکی اور جلدی سے اچھل کر چپل پہن لی، اب چپل کے سنہرے نقش اس کو گھورنے لگے، وہ اس وقت نائٹ ڈریس میں ملبوس تھی، مگر وہ نائٹ ڈریس میں کیسے ملبوس ہو گئی تھی، وہ میکسی نائٹ ڈریس میں کیسے بدل گئی تھی، وہ اچنبھے سے سوچنے لگی، اسے کچھ یاد نہ آ رہا تھا، سامنے مسکان کا بیڈ خالی تھا، وہ آج پھر غائب تھی، مانہ گھبرا کر اٹھ کھڑی ہوئی، اس کے اندر سردی سرائیت کرنے لگی، وہ ہلکے سے جھولتی محسوس ہوئی تھی، خود پر کنٹرول کرتی وہ دروازے کے پاس رکھی کرسی پر سے گرم شال اٹھاتی اپنے کندھوں پر پھیلانے لگی، وہ ٹہلنے لگی، پھر ٹہلتے ٹہلتے کمرے کے دروازے کے سامنے جا رکی، اس کا ہاتھ دروازے کے ہینڈل پر جم سا گیا، ہینڈل گھماتے ہی دروازے کے کھلنے کی آواز نے اسے چونکا دیا، وہ اتنی رات گئے کہاں جانا چاہتی تھی؟ مسکان کو ڈھونڈنے اس کے دل نے جواب دیا، ہاں، لیکن اسے تازہ ہوا کی بھی

ضرورت تھی، اس بند کمرے میں اس کا دم گھٹنے لگا تھا، اس نے جلدی سے دروازہ کھول دیا، اس کے قدم کمرے کی دہلیز سے پار ہو گئے، کاریڈور میں قدم رکھتے ہی سرد ہوا کا جھونکا آیا، وہ سردی سے کپکپا اٹھی، وہ اپنے کمرے میں واپس آنے لگی، مگر اس کے قدم نیچے جاتی سیڑھیوں کی جانب بڑھتے چلے گئے، مسکان اسی پل اسے سیڑھیاں پھلانگتی اوپر کی جانب آتی دکھائی دی۔

''مسکان!'' اس دیکھتے ہی وہ دھیمے سے بولی۔

''مانہ! تم کہاں جا رہی ہو؟''

''میں تمہیں ڈھونڈ رہی تھی مسکان! تم کمرے میں نہیں تھیں تو میں گھبرا گئی۔'' اس کے چہرے سے ٹپکتی پریشانی واضح طور پر عیاں تھی، مسکان دھیمے سے مسکرا دی۔

''گھبراؤ نہیں مانہ! میں ایک ہی غلطی بار بار نہیں کیا کرتی۔'' مانہ لمبا سانس کھینچتی خشک ہوتے لبوں کو زبان سے تر کرنے لگی۔

''اچھا یہ بتاؤ...... تمہیں ہوا کیا تھا؟'' مسکان کے پوچھنے پر وہ اس کی جانب دیکھنے لگی، مسکان بول رہی تھی۔

''میں جب چینج کرنے کمرے میں آئی تو تم دروازے کے پاس ہی زمین پر سو رہی تھیں، پہلے تو میں گھبرا گئی، مجھے لگا شاید تم بے ہوش ہو گئی ہو، میں نے جلدی سے مس فاطمہ کو بلایا، پھر انہوں نے تسلی دی کہ محترمہ گہری نیند سو رہی تھیں، پھر ہم دونوں نے مل کر تمہیں بیڈ تک پہنچایا۔''

''یہ...... یہ بتاؤ...... چند قدم پر رکھے بیڈ کے بجائے آپ جناب زمین پر ہی کیوں سو گئیں؟''

''پتا نہیں...... مجھے کچھ یاد نہیں۔'' وہ ابھی بھی غنودگی میں تھی، نشہ شاید ابھی تک اترا نہیں تھا۔

''دوا کھانے کے بعد سے عجیب سی طبیعت ہو گئی، سب کچھ دھندلا سا گیا، بمشکل کمرے تک پہنچی اور پھر اس کے بعد کچھ یاد نہیں۔'' وہ منتشر نگاہوں سے مسکان کی جانب دیکھنے لگی۔

''اوکے...... چلو چل کر سو جاتے ہیں، مجھے بھی اب بہت زوروں کی نیند آ رہی ہے۔''

''نہیں تم سو جاؤ، میں تھوڑی دیر باہر واک کرنا چاہتی ہوں۔''

''اس حالت میں؟'' مسکان نے آنکھیں دکھائیں۔

''ہاں کیوں کیا ہوا مجھے؟''

''اپنی آنکھیں دیکھو میڈم، نیند سے لال ہو رہی ہیں اور نیند کی بدولت آپ محترمہ ہلکے سے جھول بھی رہی ہیں جس کا اندازہ شاید آپ کی خود کی ذات کو محسوس نہیں ہو رہا ہے۔'' وہ اس کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولی۔

''اندر میرا دم گھٹ رہا ہے مسکان، تھوڑی دیر واک کر کے واپس آ جاؤں گی۔''

''آر یو شیور؟''

''ہاں ناں۔''

''اوکے...... ویسے دو تین لڑکیاں ابھی بھی باہر ٹہل رہی ہیں، ان کے جاتے یا ان سے پہلے ہی کمرے میں واپس آ جانا۔'' مسکان فکرمندی سے گویا تھی، مانہ اثبات میں سر ہلا کر رہ گئی، مسکان کمرے کی جانب بڑھ چکی تھی، مانہ دھیرے دھیرے سیڑھیوں کی گرل تھامے زینہ بہ زینہ نیچے اترنے لگی، چوب محل کے دروازے سے باہر نکلتے ہی یخ ٹھنڈی ہوا اس کے جسم میں سرائیت کرتی چلی گئی، مانہ ایک لمحے کو کپکپا کر رہ گئی، دور اسے چند لڑکیاں ایک گروپ بنائے ٹہلتی ہوئی دکھائی دی تھیں، باہر دھند لگنے کا سماں تھا،

وہ دھیرے دھیرے قدم بڑھاتی اپنی من پسند جگہ کی جانب بڑھنے لگی۔

☆☆☆

الحان سٹیم شاور لینے کے بعد نائٹ ڈریس میں ملبوس واش روم سے باہر نکلا تھا، پیشانی پر بکھری گیلی لٹوں کو انگلیوں کی مدد سے سنوارتا وہ سگریٹ سلگانے لگا تھا، ایک لمبا کش لینے کے بعد ٹی وی کا ریموٹ لئے راکنگ چیئر پر براجمان ہوا اور ہلکے سے جھولتا ٹی وی پر نظریں جمائے، سگریٹ کے لمبے لمبے کش لیتا وہ ایک بار پھر سے اسی ذات کے بارے میں سوچنے لگا تھا۔

''آخر ہو کیا گیا ہے اسے؟ ایک ہی رات میں اتنا چینج؟'' وہ من ہی من میں خود سے مخاطب تھا، غیر دلچسپی سے ٹی وی کے چینلز چینج کرتا وہ کش پر کش لگائے چلا جا رہا تھا، تھک ہار کر آدھ جلی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلنے کے بعد وہ اٹھ کھڑا ہوا، بالوں میں انگلیاں پھنسائے، لب بھینچے وہ کمرے میں چکر لگانے لگا۔

''کیا بکواس ہے یار؟ اتنی بے چینی کیوں؟'' وہ اکتا چکا تھا، آئینہ میں اپنا عکس دیکھتا وہ خود سے مخاطب تھا۔

''کیوں میں ایک معمولی سی لڑکی کے لئے اس قدر بے چین ہو رہا ہوں؟ کیوں.....؟'' اس کے پاس اس کیوں کا جواب نہ تھا، ہاتھوں کو مٹھی کے انداز میں دبوچتا وہ سرد ہوا کے باعث ایک جھرجھری سی لے کر رہ گیا، ٹیرس کے دروازے کا پٹ ہلکا سا کھلا تھا، جس کے ذریعہ سرد ہوا کمرے کے اندر با آسانی داخل ہو رہی تھی، وہ چلتا ہوا دروازے تک پہنچا، ہاتھ بڑھا کر دروازہ بند کرتے کرتے وہ ٹھہر سا گیا، اس کے دماغ سے ایک گرم گرم سی لہر اٹھی، اس نے محسوس کیا کہ اس کے چہرے اس کے جسم سے آگ نکلنے لگی ہے، وہ اپنے آپ پر قابو پانے کی کوشش کرنے لگا، کہ اچانک باہر دھند لکے کے بیچ و بیچ درخت کی جانب بڑھتی وہ ایسے کسی بھٹکی روح سے کم دیکھائی نہ دے رہی تھی۔

''مانو!'' وہ بغور اس کی جانب دیکھتا، پھرتی سے کمرے کا دروازہ کھولتا، سیڑھیاں پھلانگتا باہر نکل آیا، اس نے اردگرد نگاہ دوڑائی، وہاں اس کے سوا اور کوئی نہ تھا، وہ تیزی سے آگے بڑھا کہ اسی پل دھند لکے سے ایک نسوانی آواز ابھری۔

''مانہ! ہم سب لوگ اندر جا رہی ہیں، رات کافی ہو گئی ہے، تم بھی اندر آ جاؤ، اس سے پہلے کہ مسکان اور جینی کی طرح تم بھی کھو کر ہم سب لوگوں کا سارا مزہ کرکرا کر دو، گو ٹو یور روم ناؤ۔'' لہجے میں بے رخی واضح طور پر محسوس کی جا سکتی تھی، الحان نے غور سے دیکھا، وہاں سحر کھڑی مانہ کو حقارت بھری نگاہوں سے گھورتی دیکھائی دی تھی، اسے دیکھتے ہی الحان مٹھیاں دبوچے اپنے دانت پیس کر رہ گیا تھا۔

''سحر! یو آر آؤٹ آف دس گیم، اس بار کی ایلیمنیشن میں سب سے پہلا نام تمہارا ہی لینے والا ہوں۔'' وہ گھورتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھتا زیر لب بڑبڑایا تھا، مانہ اپنا چشمہ درست کرتی اثبات میں سر ہلانے لگی تھی۔

''آتی ہوں..... تم لوگ جاؤ۔'' سحر واپس پلٹ چکی تھی، مانہ درخت کے سائے تلے بیٹھتے ہی لمبا سانس کھینچتی آسمان پر نگاہیں دوڑانے لگی، الحان قدم بہ قدم چلتا اس کے قریب آن کھڑا ہوا۔

''مانو! مجھے تم سے بات کرنی ہے؟'' وہ سرگوشی میں گویا ہوا، مانہ اس کی آواز سنی ان سنی کیے وسیع آسمان کی جانب دیکھتی رہی، الحان ٹک ٹکی باندھے اس کے خوبصورت وجود کا طواف

کرنے لگا تھا، وہ اس وقت چاند کی مدھم نیلی روشنی میں ازحد خوبصورت دکھائی دے رہی تھی، اس کی آنکھیں چاند کی روشنی میں چمکتی دکھائی دے رہی تھیں، لیکن ان خوبصورت آنکھوں کو پردہ دیئے چشمہ الحان کو بے حد زہر دکھائی دے رہا تھا، اگلے ہی پل وہ نظروں کا زاویہ گھمائے سرتا پا الحان کے وجود کی جانب دیکھنے لگی۔

''الحان ابراہیم!'' اس کا نام پکارتے ہی وہ دھیمے سے مسکرا دی، الحان خاموشی سے اس کی جانب دیکھتا رہا، وہ دھیمے لہجے میں پھر سے گویا ہوئی۔

''میں سو رہی تھی، مجھے یوں لگا کہ کوئی مجھے دور سے پکار رہا ہے، میں اٹھنے لگی تو نیند نے غلبہ کیا اور میری آنکھیں بند ہوگئیں، مگر سو نہیں سکی، پکارنے کی آواز مسلسل آتی چلی گئی، مجھے یوں لگا کہ کوئی دھیرے سے میرا نام لے رہا ہو، پھر یکا یک آواز میری طرف بڑھنے لگی، اس آواز میں اب پکار کی کیفیت نہ تھی، بلکہ کسی کے آہستہ آہستہ چلنے کی چاپ تھی، چاپ قریب آتی گئی اور پھر...... میرے سامنے آکر رک گئی۔'' وہ حیران کھڑے الحان کی جانب دیکھتی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''میں اس سارے واقعے پر حیران ہوں، مجھے لگا کہ چاند کی مدھم روشنی نے میرے واہمہ کو جنم دیا ہے، مجھے آپ کی سانسیں صاف سنائی دیتی ہیں، مجھے یقین ہے کہ میں اگر ہاتھ بڑھاؤں تو آپ کو چھو سکتی ہوں۔'' اس نے ہاتھ بڑھا کر الحان کو چھونا چاہا، اسے چھوتے ہی اس کا سارا بدن درد سے جھنجھنا اٹھا، وہ اس احساس سے کراہی، الحان حواس باختہ کھڑا اس کے نئے روپ کی جانب دیکھتا چلا گیا۔

''آپ واقعی موجود ہیں، وہ آواز واہمہ نہ تھی، آپ کی صورت واہمہ نہ تھی۔'' مانہ سرگوشی کرتی اس کی جانب دیکھنے لگی، براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگی، اس کے بدن میں درد بڑھتا چلا گیا، ناقابل برداشت ہوگیا، اس پر قابو پانے کی ہر کوشش ناکام ہوگئی، اس کا دل چاہا کہ وہ دھاڑیں مار مار کر رو دے، کہ کسی صورت اس کا یہ درد کم ہو جائے، اس کے لب کھلے اور اس نے سنا، اپنی ہی آواز اسے کوسوں دور سے آتی سنائی دی تھی۔

''آپ کے آنے سے پہلے میں سکون سے تھی، میرے ناولز میرا دکھ بٹاتے تھے، جو میں کہہ نہیں سکتی تھی، وہ ناول کی صورت لکھ چھوڑتی، زرین گھر آتی تو میں سب دکھ بھول جایا کرتی تھی، پھر جب میں یہاں آئی بلکہ زبردستی لائی گئی۔'' وہ پرنم نگاہوں سے خوبصورت مسکراہٹ لبوں پر سجائے بولی۔

''یہاں کی ہر شے مجھ سے بیگانی تھی، یہاں کی ہوا، یہاں کے چاند ستارے، یہاں کے پھول، یہاں کے درخت، یہاں کے پرندوں کی چہچہاہٹ، یہاں کے دن رات، سب کے سب اب آپ کے قدموں کی چاپ کے منتظر رہنے لگے، جہاں آپ کی چاپ سنائی دیتی ہے، وہاں سب کچھ خوشنما نظر آتا ہے، مجھے اس سب نے بالکل پریشان کر دیا ہے الحان؟'' وہ براہ راست اس کی نظروں میں جھانک رہی تھی، الحان کچھ دیر ساکت کھڑا مضطرب اس کی جانب دیکھتا رہا، پھر دھیمے لہجے میں گویا ہوا۔

''پریشان تو تم نے بھی مجھے بہت کر دیا ہے، تم یہاں کیوں آئی ہو؟ مجھے اتنا بے چین کر کے رکھ دیا تم نے، کیوں؟ اب اگر تم چلی جاؤ گی تو ہر شے پر تمہاری ملاقات کے نشانات موجود رہیں گے، سورج تم کو ایک افق سے دوسرے افق تک ڈھونڈتا پھرے گا، یہ چاند، یہ چاندنی، صرف

تمہارے لئے ہی رقصاں ہوگئی، یہ ہوا صرف تم ہی کو پکارتی پھرے گی، تم چلی جاؤ گی تو سب کچھ بدل جائے گا، میرا سکھ چین سب کچھ لوٹ لیا ہے تم نے۔''

''میں نے کچھ نہیں لوٹا، میں نے کسی سے کچھ نہیں چھینا، بلکہ میرے پاس جو کچھ بھی تھا، وہ یہاں لٹ گیا ہے، میرے پاس اب کچھ بھی نہیں۔''

''میں نے کہا تھا ناں کہ تم بھی مجھے پسند کرتی ہو، مگر تم نہیں مانیں، تمہارے بدلے رویئے نے مجھے پریشان کر کے رکھ دیا، کیوں کیا تم نے ایسا، بولو..... جواب دو مجھے۔'' وہ اسے دونوں ہاتھوں سے پکڑے اس کے چہرے کا طواف کرتا پوچھ رہا تھا، سرخ ہوتی نگاہیں الحان کے چہرے پر گاڑے وہ سرگوشی میں گویا ہوئی۔

''یہ سب کرنے کے لئے آپ ہی نے مجھے مجبور کیا۔''

''میں نے؟'' وہ اچنبھے سے اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''ہاں..... آپ نے..... آپ مجھے پسند کرتے ہیں اور میں اپنے لئے آپ کی پسندیدگی کو غلط ثابت کرنا چاہتی تھی اور آپ کا یقین کہ میں بھی آپ کو پسند کرتی ہوں کو جھٹلانا چاہتی تھی۔''

نشہ ایک بار پھر سے زور پکڑنے لگا تھا، اس کی آنکھیں اپنے آپ بوجھل ہوتی دیکھائی دی تھیں، الحان بہت غور سے اس کا جائزہ لیتا دیکھائی دیا تھا۔

''تم..... تم نشے میں ہو مانو؟ تم نے ڈرنک کی ہے؟ تم ایسا کیسے کرسکتی ہو؟'' وہ پوچھ رہا تھا مگر مانہ اسے ان سنا کیے اپنی ہی کہے چلی جا رہی تھی۔

''اس آئس لینڈ پر موجود تمام لڑکیوں سے الگ لگتی تھی آپ کو، میں نے سوچا کیوں نہ میں بھی ان جیسی بن جاؤں، اسی بہانے آپ کو میں الگ نہیں لگوں گی، انہی جیسی لگوں گی۔'' اس کی آنکھیں بند ہونے لگی تھیں۔

''تم نے یہ سب اس لئے کیا، تاکہ میں تم سے دور رہوں؟'' وہ خاصہ حیران دیکھائی دینے لگا تھا، مانہ اثبات میں سر ہلاتی پھر سے سرگوشی کرنے لگی۔

''ہاں..... تاکہ آپ مجھ سے دور رہیں۔'' جواباً الحان اپنی آنکھیں میچ کر رہ گیا۔

''اف میرا سر پھٹ رہا ہے۔'' اس نے دیکھا، وہ اپنا سر تھامے تکلیف سے کراہ رہی تھی۔

''تم نے ڈرنک بھی اس لئے کیا تاکہ میں تمہیں ان سب جیسا سمجھ کر تم سے دور ہو جاؤں، تمہیں نوٹس نہیں کروں؟ تمہیں اگنور کروں، تم سے دور رہوں؟'' وہ اب غصے میں پھنکارنے لگا تھا۔

''اوں ہوں۔'' وہ دھیمے سے مسکراتی بمشکل آنکھیں کھولے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''لیکن مجھے لگتا ہے کہ میں یہ سب کچھ غلط کر رہی ہوں، دیکھیں ناں، اتنی محنت کے باوجود آپ میرے سامنے موجود ہیں۔'' الحان تحمل کا مظاہرہ کرتا، آنکھیں بند کیے خود پر کنٹرول کرنے لگا۔

''تو یہ سب کچھ مجھے خود سے دور کرنے کے لئے کیا گیا؟'' وہ اس کے چہرے کی جانب دیکھتا دل ہی دل میں ہم کلام تھا۔

''مگر کیوں؟ پسند تو یہ بھی مجھے کرتی ہے، مگر انا پرست لڑکی منہ سے کچھ بولے گی نہیں کبھی، آج جو کچھ بھی اس نے مجھ سے کہا، شاید صبح تک بھول چکی ہو، مگر اچھا ہے، اس کچھ یاد نہیں رہے، یہ جانا چاہتی ہے تو میں اسے جانے دوں گا، اس

کی یہی خواہش ہے تو یہی سہی۔'' وہ من ہی من میں فیصلہ کر چکا تھا۔

''اگر تم اسے اتنی آسانی سے واپس جانے کی اجازت دے دو گے تو سوچ لو الحان ابراہیم، شاید یہ تمہاری زندگی کی پہلی اور آخری لڑکی ہو، جسے بھولنے میں تمہاری عمر گزر جائے، جسے ڈھونڈنے کی چاہ میں تم پاگل ہو جاؤ گے، مت جانے دو، یہی وہ لڑکی ہے، مت جانے دو۔'' اپنی ہی آواز خود کی سماعت سے ٹکراتے ہی وہ یکا یک چونک اٹھا، اردگرد نگاہ دوڑاتا وہ ایک بار پھر سے جھولتی مانہ کی جانب دیکھنے لگا، کچھ دیر اسے دیکھنے کے بعد وہ ایک بار پھر سے گویا ہوا۔

''تم اس وقت اپنے ہوش میں نہیں مانو! بہتر یہی ہے کہ تم اپنے روم میں چلی جاؤ۔''

''لیکن......!''

''اپنے روم میں جاؤ، ورنہ میں اپنا پرامس توڑ دوں گا جو میں نے تم سے کیا تھا، ٹاپ فور والا پرامس۔'' اس نے یاد دلانے کی کوشش کی، مانہ دھیمے سے مسکرا دی، الحان اسے سہارا دیئے چوب محل کے مین دروازے تک آیا تھا، سیڑھیوں تک پہنچتے ہی وہ بری طرح سے لڑکھڑا گئی تھی، الحان تیزی سے اس کی جانب لپکا اور اسے سہارا دیئے سیڑھیاں چڑھنے لگا، کمرے کے دروازے تک پہنچتے ہی مانہ مسکراتے ہوئے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''تھینک یو!'' وہ اس وقت بے انتہا خوبصورت دیکھائی دے رہی تھی، الحان اس کے چہرے کی جانب دیکھتا اس کے مزید قریب ہوا، مانہ بوجھل ہوتی نگاہوں سے اس کی جانب دیکھ رہی تھی، الحان نے دھیرے سے اس کا ہاتھ تھاما اور جھک کر اس کے ہاتھ پر اپنے گلابی ہونٹ پیوست کرتے بوسہ دیا، مانہ حیرانگی سے اس کی جانب دیکھنے لگی، الحان ایک بار پھر سے سیدھا ہو کھڑا ہوا تھا۔

''گڈ نائٹ مانو!'' سرگوشی کرتا وہ ہینڈل گھما کر اس کی جانب دیکھنے لگا، مانہ دبے قدموں اندر داخل ہو گئی، دروازہ بند کرتا وہ تیزی سے چلتا، اپنے کمرے میں داخل ہوا تھا، کمرے میں ایک کونے سے دوسرے کونے تک چکر کاٹتا وہ لب بھینچے مسلسل کچھ سوچے چلا جا رہا تھا۔

''ہم دونوں آل ریڈی ڈیل کر چکے تھے، اس کے باوجود مانو نے ایسا کیوں کیا؟ لیکن مجھے خوشی ہے کہ نا چاہتے ہوئے بھی میں مانو کے دل و دماغ پر سوار ہوں۔'' سوچتے سوچتے وہ ایک دم مسکرا دیا، وہ کمرے کے بیچ و بیچ رک کھڑا ہوا، لبوں پر خوبصورت مسکراہٹ سجی تھی۔

''مانو کو صبح تک کچھ یاد نہیں رہے گا کہ وہ اپنا تمام پلان مجھ سے شیئر کر چکی ہے، اب میں پلان کروں گا کہ مجھے کیا کرنا ہے، مانو! اب آئے گا کھیل کا اصلی مزہ۔'' دل ہی دل میں پلان کرتا وہ بیڈ پر لیٹتے ہی ایک بار پھر سے مسکرا دیا۔

☆☆☆

جزیرے میں اونچے اونچے درختوں کے درمیان پھول کھلے تھے، چوب محل ڈوبتے سورج کی کرنوں سے دمک رہا تھا، الحان اپنے بیڈ پر دنیا جہاں سے بے خبر گہری نیند سو رہا تھا، ٹیرس کے بند دروازے کی سائیڈز سے سورج کی کرنیں اندر داخل ہو رہی تھیں، ایک شوخ کرن دوڑ کر الحان کے بیڈ پر چڑھ گئی اور الحان کی پلکوں میں گدگدی کرنے لگی، الحان نے پہلو بدلا اور آنکھیں کھول دیں، کچھ دیر اٹھ کر یونہی بیٹھا رہا جیسے کسی آواز پر کان دھرے ہوئے ہوں، پھر جیسے کوئی آواز نہ سن کر گھبرا کر اٹھا، اس نے ٹیرس سے باہر جھانکا، سبز نیلے پانیوں پر دور ایک بادبان

دیکھائی دیا اور پھر نظر سے اوجھل ہو گیا، الحان مڑا اور کمرے سے باہر بھاگا، چوب محل میں گھستے ہی متلاشی نگاہیں اِدھر اُدھر دوڑاتا سیڑھیاں پھلانگتا ہر ہر کمرے کی تلاشی لینے لگا، تمام کمرے خالی تھے، وہاں کوئی بھی نہ تھا، متلاشی نظریں ادھر ادھر دوڑاتا وہ محل سے باہر نکل آیا، اس کے خوبصورت پھولوں کو دیکھ کر وہ سب کچھ بھول گیا اور پھر ان پھولوں کو دیکھتا دیکھتا ایک کنج میں جا نکلا، اس کنج میں ایک چشمہ ابل رہا تھا، چشمے کا پانی پھولوں سے لدے پودوں کے درمیان نہر کی صورت میں بہہ رہا تھا، اس نہر کے ایک موڑ پر پھولوں کے سایہ میں کوئی سو رہا تھا، وہ اس سونے والے کی طرف بڑھا مگر سورج ڈوب گیا اور ہر طرف اندھیرا چھا گیا، وہ اندھیرے میں سونے والے کی سمت بڑھتا رہا، دھیرے دھیرے دبے دبے قدموں، راستہ ہر قدم کے ساتھ لمبا ہوتا رہا، وہ تھک کر رک گیا، یکا یک اس کے سامنے سے پورا چاند نکل آیا، اس کی روشنی میں اس نے دور تک نگاہ کی مگر وہاں نہ وہ پودہ تھا نہ ہی کوئی سونے والا، وہ وہیں حیران کھڑا چاند کی جانب دیکھتا رہا، اگلے ہی پل ایک دم اس کے پیچھے سے گھٹی ہوئی چیخ فضا میں پھڑ پھڑائی، وہ مڑا اس کے پیچھے اس کے سایہ میں پھولوں کے درمیاں ایک خوف زدہ دوشیزہ منہ پر ہاتھ رکھے بیٹھی تھی، اس کے مڑتے ہی اس دوشیزہ نے سسکی بھری، وہ چاندنی کی راہ سے ہٹ گیا، اب چاندنی اس دوشیزہ پر تھی، الحان کے منہ پر بھی تھی، وہ اس کی جانب بڑھا اور پوچھنے لگا۔

''کون ہو تم؟'' آواز سنتے ہی سر اٹھا کر بولی۔

''تم آ گئے الحان! تم نہ آتے تو نجانے کتنی صدیاں سوئی رہتی میں۔'' الحان چونکا، یہ آواز مانو کی تھی، وہ اس کی جانب بڑھا، وہ حیران تھا اس کے ساتھ ہی اس کی آنکھ کھل گئی۔

''یہ کس قسم کے خواب آ رہے ہیں آج کل مجھے؟'' وہ زیر لب بڑبڑایا، پھر کچھ سوچتے سوچتے دھیمے سے مسکرا دیا، اس نے انگڑائی لی اور ساتھ ہی لحاف بھی اتار دیا، سلیپر پہنتے ہی وہ اٹھ کھڑا ہوا۔

''چلو مانو میڈم، آج ہماری باری۔'' شریر مسکراہٹ لبوں پر بکھیرے وہ واش روم میں داخل ہو گیا۔

☆☆☆

پہلو بدلتے ہی وہ کسمساتی ہوئی اٹھ بیٹھی، اس کے سر میں شدید درد تھا، سر دونوں ہاتھوں میں تھامے وہ کراہ کر رہ گئی۔

''اٹھ گئیں میڈم!'' مسکان ہاتھوں پر لوشن سے مساج کرتی آئینہ میں سے ہی اس کی جانب دیکھتے ہوئے بولی، مانہ نے سر اٹھا کر اس کی جانب دیکھا، اس کا چہرہ اسے دھندلا سا دیکھائی دیا۔

''سر میں شدید درد ہے۔'' مانہ آنکھیں بند کرتے ہوئے بولی۔

''کیا ہوا؟''

''پتا نہیں۔''

''کل رات کافی دیر تک تم کمرے سے باہر رہی، شاید ٹھنڈ لگ گئی ہو گی، میں نے تو تمہیں منع بھی کیا تھا پر تم نے میری ایک نہیں سنی۔'' وہ مصروف انداز میں گویا تھی، مانہ اچنبھے سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔

''میں...... میں تو تم سب سے پہلے ہی کمرے میں آ گئی تھی۔''

''ہاں...... اس کے بعد آپ دوبارہ کمرے سے باہر تازہ ہوا کے لئے گارڈن ایریا میں گئی

تھیں۔"
"نہیں تو۔" وہ منتشر دکھائی دینے لگی۔
"ارے۔" مسکان پلٹ کر قریب آ کھڑی ہوئی، وہ بول رہی تھی۔
"تم تھوڑی دیر کا کہہ کر گئی، لیکن کافی دیر تک واپس نہیں آئی تو میں بھی پریشان ہونے لگی، مجھے لگا شاید اس بار تم کہیں کھو جاؤ گی اور پھر مجھ میں تو ہرگز ہمت نہیں کے میں جنگل میں جا کر تمہیں ڈھونڈتی، شکر ہے تم واپس آ گئیں، لیکن جب تم واپس آئی تھیں تب تم مسکرا رہی تھیں، میں نے مسکرانے کی وجہ پوچھی تو تم بیڈ پر گرتے ہی نیند کی وادیوں میں گم ہو گئیں۔"
اسے اچنبھا ہوا کہ وہ ایسا کیسے کر سکتی ہے، اگلے ہی پل وہ دھیمے سے مسکرا دی۔
"مجھے واقعی کچھ نہیں معلوم، کچھ بھی نہیں معلوم، کل کی رات بہت عجیب تھی یار، پتا نہیں کیا ہو گیا تھا اچانک مجھے۔"
"ہوں...... کل رات بھی تمہارے سر میں درد کی شکایت تھی۔" مسکان پریشانی سے گویا ہوئی۔
"ہاں اور ابھی بھی شدید درد ہے، ایسے لگ رہا ہے جیسے ابھی بلاسٹ ہو جائے گا۔"
"اوکے، تم ریسٹ کرو، میں تمہارے لئے ناشتہ اور دوا بھجواتی ہوں۔"
"نہیں نہیں، میں نیچے ہی آ رہی ہوں، خود کو بیمار فیل کروں گی تو بیمار ہی پڑی رہوں گی، مجھے اس سب کی عادت نہیں، تم چلو میں آتی ہوں۔"
"اوکے۔" مسکان کمرے سے باہر نکل گئی، جبکہ مانہ کچھ دیر یونہی بیٹھی اپنا سر دباتی رہی، پھر اٹھی سلیپر پہنتی واش روم میں داخل ہو گئی۔

☆☆☆

الحان بہت خوش تھا، نک سک سا تیار ہوا گنگناتا وہ اپنے کیبن سے باہر نکلا، کیبن سے باہر قدم جماتے ہی سامنے نظر اٹھاتا وہ ایک دم ساکت سا ہو کھڑا ہوا، مانہ ازحد خوشگوار موڈ میں عاشر زمان کے ساتھ ساحل پر بیٹھی دکھائی دی تھی، الحان تیوری چڑھائے لب بھینچے قدم بہ قدم ان دونوں کی جانب بڑھنے لگا۔
"سو! تمہیں الحان پسند نہیں ہے؟"
"اف کورس نوٹ، ہرگز نہیں۔" عاشر بغور اس کے مسکراتے ہوئے چہرے کا جائزہ لینے لگا تھا۔
"تمہیں معلوم ہے، کہ یہاں سب تم دونوں کے بارے میں کیا کیا باتیں کر رہا ہے؟" عاشر، مانہ اچنبھے سے اس کی جانب دیکھنے لگی۔
"الحان جس طرح کی عزت تمہیں دیتا آیا ہے اور دے رہا ہے، میں اچھے سے سمجھ سکتا ہوں۔"
"ہوں، مجھے نہیں معلوم الحان کا کیا مسئلہ ہے، لیکن میری طرف سے ایسا کچھ بھی نہیں ہے عاشر!" عاشر اثبات میں سر ہلاتا اٹھ کھڑا ہوا۔
"اوکے...... مجھے بس کنفرم کرنا تھا، انجوائے یور ڈے۔"
"ہوں۔" عاشر واپسی کی جانب مڑ چکا تھا جبکہ مانہ کچھ سوچتی سمندر کی لہروں پر نظریں جما بیٹھی تھی، پھر بلا ارادہ وہ سر گھما کر اِدھر اُدھر دیکھنے لگی تھی کہ اس کی نظر الحان اور عاشر دونوں پر جا رکی، وہ دونوں اسی کی جانب دیکھتے نجانے کیا باتیں کر رہے تھے، وہ حیران ہوئی، پھر عاشر کے آگے بڑھتے ہی الحان کو اپنی جانب بڑھتا دیکھ وہ ایک بار پھر سے سمندر پر نظریں جما بیٹھی۔
"گڈ مارننگ لیڈی!" وہ اس کے نزدیک پہنچتے ہی اپنے مخصوص انداز میں گویا ہوا، جواباً مانہ بمشکل مسکراتے ہوئے گویا ہوئی۔

''گڈ مارننگ۔'' جینز اوپر کی جانب کھینچتا وہ وہیں اس کے ساتھ ہی برابر میں بیٹھ گیا۔

''عاشر کے ساتھ کیا باتیں چل رہی تھیں؟'' وہ براہ راست اس کی جانب دیکھتا گہری سنجیدگی سے گویا تھا۔

''کچھ بھی نہیں۔''

''تم...... عاشر کو پرسنلی جانتی ہو؟''

''ہاں میں جانتی ہوں، میں نے آپ کو بتایا تھا کہ ہم دونوں کے بیچ ایک کانٹریکٹ ہوا ہے اس سٹوپڈ شو کو لے کر، آپ بھول گئے؟'' وہ بے ساختہ بولی۔

''لیکن میں پوچھ رہا ہوں کہ تم عاشر کو پرسنلی جانتی ہو؟ اس شو سے ہٹ کر؟'' مانہ تیوری چڑھائے اس کی جانب دیکھنے لگی، وہ ازحد سنجیدہ دیکھائی دے رہا تھا۔

''الحان! میں اپنا موڈ خراب نہیں کرنا چاہتی، آپ کے ان تمام اسٹوپڈ سوالوں کے جواب دے کر، اس لئے پلیز۔'' وہ کہتے ہی اٹھ کھڑی ہوئی۔

''اور پلیز، ڈونٹ ٹچ می۔'' الحان کا اس کا ہاتھ پکڑنے کی کوشش پر وہ بھڑک اٹھی، الحان گہری سانس کھینچتا اٹھ کھڑا ہوا۔

''او کے آئی ایم سوری، لیکن میں خوش ہوں کہ مجھے میری پرانی والی مانو واپس مل گئی۔''

''پتا نہیں کیا بولتے رہتے ہیں، میری سمجھ سے تو باہر ہیں آپ۔'' وہ قدم بہ قدم آگے کی جانب بڑھنے لگی، الحان اس کے تعاقب میں تھا۔

''مطلب کہ تمہیں کچھ بھی یاد نہیں؟ کہ کل رات تم مجھے اپنے پلان کے بارے میں سب کچھ صاف صاف بتا چکی ہو، کہ یہ سب کچھ تم نے کیوں کیا اور تو اور تم نشے میں تھیں کہ......''

''نشے میں...... میں نے زندگی میں کبھی نشہ نہیں کیا، لاحول ولا قوۃ...... حد ہوتی ہے جھوٹ بولنے کی الحان؟'' وہ اس کے مقابل کھڑی غصے سے پھنکارنے لگی، الحان اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر بکھیرے براہ راست اس کی جانب دیکھنے لگا۔

''بہت اچھا لگتا ہے، تمہارے منہ سے میرا نام سننا۔'' وہ آنکھیں نکالے اسے گھورنے لگی۔

''اور یہ تمہارا غصہ، بات بات پر روٹھنا، قسم سے بہت مس کیا میں نے تمہیں مانو۔'' وہ نظروں کا زاویہ گھمائی ایک بار پھر سے آگے کی جانب بڑھنے لگی۔

''اور بائے دی وے میں جھوٹ نہیں بول رہا، تم کل رات نشہ میں تھیں اور تمہی نے مجھے بتایا کہ تم ایکٹنگ کر رہی تھیں صرف اس لئے تاکہ میں تم سے دور رہوں اور سنو میری بات تم اپنی ایکٹنگ میں فیل ہو گئیں، تم نے مجھ سے اپنی پسندیدگی کا اظہار بھی کیا۔'' وہ اس کے تعاقب میں چلتا کل رات کی سچائی بیان کرتے کرتے ساتھ میں ایک جھوٹ بھی بول گیا، تیزی سے اٹھتے آگے کی جانب بڑھتے قدم ایک جھٹکے سے رکے، وہ حواس باختہ آنکھیں پھیلائے الحان کی جانب دیکھنے لگی۔

''پلیز رونا نہیں، میں جھوٹ نہیں بول رہا، کل رات تم نے اپنی محبت کا اظہار کیا تھا اور مجھے صاف لفظوں میں بتایا کہ تم مجھے خود سے دور کرنے کے لئے ایکٹنگ کر رہی تھیں بولو یہ سب سچ ہے یا نہیں؟'' وہ براہ راست اس کی آنکھوں میں جھانکنے لگا، مانہ کو کچھ یاد نہ آ رہا تھا، لیکن وہ سچ بول رہا تھا، کچھ تو ہوا تھا کل رات

''ویلکم بیک مانو!'' بولتا وہ واپس پلٹ گیا، جبکہ مانہ وہیں کھڑی پیچ و تاب کھاتی لب بھینچ کر رہ گئی۔

(باقی اگلے ماہ)

مجھے شفاف رہنا ہے

امِ ایمان

"تم نہیں جانتی ہو شفاف! تم کس قیامت کا فیس اور فگر رکھتی ہو، ایک دفعہ ایک دفعہ اسکرین پر آ جاؤ پھر دیکھو کیسی دھوم مچتی ہے چھوٹی اور بڑی سکرین پر ساری آج کی ٹاپ کلاس اداکارائیں پانی بھرتی نہ نظر آئیں تمہارے سامنے تو میرا نام بدل دینا۔" متوسط درجے کے اس ہوٹل میں آج وہ ایک بار پھر اماں کو کالج میں پارٹی ہے کا بہانہ بنا کر اس کے سنگ آنکھیں بند کیے چلی آئی تھی اور ایسا آج ہی نہیں ہوا تھا، گزشتہ سال سے ہی ان کی یہ ملاقاتیں جاری تھیں، ثاقب حسن سے اس کی ملاقات اس کی دوست رانیہ کی سالگرہ میں ہوئی تھی، وہ نہ صرف ٹی وی کے ایک نجی چینل میں کام کرتا تھا بلکہ لفظوں کا کھلاڑی ہونے کے ساتھ خوبرو بھی تھا۔

شفاف اسے اپنی معصومیت اور خوبصورتی کی بنا پر پسند آ گئی تھی، اس نے اس کی جانب بڑھنے کی پہل کی تھی تو غربت اور گھر کے حالات سے سدا کی شاکی شفاف نے بھی گرمجوشی سے اس کے جذبات کا خیر مقدم کیا تھا، سکول، کالج میں اس کے حسن کو غیر معمولی پذیرائی ملتی جبکہ کوئی تعریف جب وہ اماں کے سامنے بیان کرتی تو ان کی بے نیازی اسے بے حد تاؤ دلاتی، اچھی شکل و صورت پہ کیا اترانا، جوانی ہو یا صورت وقت کے ساتھ ڈھل جانے والی چیزیں ہیں، ہاں انسان کے اعمال ایسے ہونے چاہیں جو اس کے لئے آخرت میں جزا بن جائیں، وہ مشین سے دھاگہ توڑتے ہوئے عام لہجے میں بولتیں تو وہ منہ بنا لیتی کہ وہ ایسی ہی پذیرائی کی اپنے گھر میں

مکمل ناول

بھی خواہاں تھی۔

"کیا ہے اماں؟ یہ اتنے خوبصورت ہاتھ بھلا اس قابل ہیں کہ انہیں برتن دھو دھو کر ضائع کیا جائے، رانیہ لوگوں کا کچن دیکھ لیں اماں تو آپ کی آنکھیں ہی کھل جائیں اماں، چمکتی ٹائلز میں چہرہ نظر آئے اور برتن ایسے لش لش کرتے کہ ہاتھ لگاتے ہوئے ڈر لگے، یہاں یہ سلور کی کٹوریاں، دیگچے کوئلوں سے مانجھتے ہاتھ گھس جائیں اور یہ کم بخت کوئلے سو بار ہاتھ دھونے کے بعد بھی ہاتھوں کی لکیروں میں ایسے گھستے ہیں کہ نکلنے کا نام ہی نہیں لیتے۔" وہ جھنجھلا کر بار بار ہاتھ دھوتی، اماں بے حد خاموشی سے اس کی بے سروپا سنے جاتیں۔

"اللہ کی رضا میں راضی رہنے میں ہی عافیت ہوتی ہے، کیا کمی ہے ہم میں، بہتوں سے بھلے ہیں، اپنا کماتے اور کھاتے ہیں، کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑتا، شکر ہے میرے مالک کی پاک ذات کا۔" اماں کے ایسے قناعت بھرے جملے اس کے اندر کڑواہٹ بھر کر اسے پیر پٹخنے پر مجبور کر دیتے اور وہ دو کمروں کے ڈھائی مرلے والے گھر میں بے چین روح کی مانند چکراتی پھرتی، جہاں ایک کمرے میں ابا کا معذور، بے بس وجود اس کی بے زاری کو سوا کر دیتا، حالانکہ ابا جب سے معذور ہوئے تھے، بہت زود رنج ہو گئے تھے، بچوں کی سی توجہ چاہتے تھے، اماں کا سارا دن یا تو مشین پر کپڑے سیتے گزرتا یا شام کو پارہ پڑھنے آنے والی بچیوں کے ساتھ، ایسے میں اماں کی پوری کوشش ہوتی کہ ابا کو بھی بھرپور توجہ دیں لیکن سارا دن ان کی پٹی سے لگے رہنا بھی ممکن نہیں تھا ان کے لئے ایسے میں کبھی کبھار آمنہ اماں کے گھر آ نکلتی تو چھوٹا سا گھر رونق سے بھر جاتا، اس میں ایسے ماحول سے نکلنے کی نئی راہ اسے کالج میں لڑکیوں نے دکھائی تھی۔

"ارے شفاف! تمہارا شریک سفر تو تمہاری ٹکر کا ہونا چاہیے، بالکل بھئی ہماری شفاف تو اتنی خوبصورت ہے کہ دل کرتا ہے گھر میں لے جا کر کسی گڑیا کی مانند سجا کر رکھ دیا جائے، پر افسوس میرا کوئی بھائی ہی نہیں ہے۔" بگڑی ہوئی رئیس زادی رانیہ نے جو شکل وصورت میں واجبی سی تھی نے کہہ کر اسے مزید سر پر چڑھا لیا، پھر انہی دنوں جب اسے رانیہ کے توسط ثاقب حسن کی طرف موبائل فون کا تحفہ ملا تھا، وہ رات اس کی زندگی حسین ترین رات تھی جب صنف مخالف کی طرف سے ملائے گئے اس کے حسن کے قصیدے اسے حقیقی آسمانوں کی سیر کو لے گئے تھے۔

پھر آنے والے ہر دن اس نے خود کو زمینی مخلوق کم اور آسمانی مخلوق میں شمار کرنا شروع کر دیا تھا، آس پاس کے لوگ اب اسے کیڑے مکوڑے لگتے، اماں کی باتیں وہ ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے اڑا دیتی، ابا کے بے ضرر وجود سے اس کی بیزاری میں مزید اضافہ ہو گیا اور تو اور آمنہ کی ولید کے حوالے سے ہونے والی ہلکی پھلکی چھیڑ چھاڑ اسے بے حد بری لگنے لگی، ولید اس کا چچا زاد جو کہ آمنہ کے شوہر نوید کا بھائی تھا، دونوں بھائی پڑھے لکھے تھے اور ان کے بازار میں چلتے ہوئے تین جنرل سٹور تھے، چچا تو کب کے گزر گئے تھے، چچی نے ولید کے کہنے پر ایک دوبار شادی کے لئے عندیہ دیا تھا چونکہ بہنوں کی بات بچپن سے دونوں بھائیوں سے طے تھی، لیکن ثاقب حسن کی محبت کا جادو کیا سر پر چڑھ کر بولا۔ تو اس نے امتحانوں کا بہانہ بنا کر بات ٹال دی تھی۔

☆☆☆

"کتنی غلط اور نیچ حرکت کی ہے تم نے

شفاف! جب میں نے منع کر دیا کہ میرے پاس کسی بھی پارٹی کے لئے کوئی سوٹ بنانے کے پیسے نہیں ہے، تمہارے پیش نظر تمہاری تعلیم اہم ہونی چاہیے نہ کہ پارٹیاں وغیرہ، تو تم میری اجازت کے بغیر نہ صرف گئیں بلکہ سلائی کے لئے آنے والا پٹواری صاحب کی بیگم کا سوٹ بھی پہن کر چلی گئیں۔'' اماں تو صدمے سے پہلے کچھ دیر بول ہی نہ سکیں، جب اسے پرایا سوٹ جو آج انہوں نے پارہ پڑھنے آنے والی بچیوں کے ہاتھ بجھوایا تھا، پہنے دیکھا تو لمحوں میں ہی وہ اس چپ کا مطلب سمجھ گئی تھیں، جو انہیں پرسوں معنی خیز لگی تھی جب اس نے اماں سے کالج میں پارٹی کے لئے سوٹ پہننے کے لئے پیسے طلب کیے تھے۔

''شفاف! اپنے گھر کی حالت سے تم بے خبر تو نہیں ہو بیٹا، تمہارے ابا کی پینشن کے ساتھ صرف یہ سلائی ہے جس سے میں کئی جتن سے تمہارے ابا کی دوائیوں، گھر کا خرچ اور تمہاری پڑھائی کا خرچہ کیسے پوری کرتی ہوں یہ میں جانتی ہوں، ایسے میں تمہاری بے جا فرمائشیں مجھے سمجھ میں نہیں آتیں۔'' اس کے لہجے میں بغاوت کی بو پاتے ہی اماں پہلی بار قدرے سختی سے بولی تھیں۔

''میں نے ایسی غیر نصابی سرگرمیوں سے تمہیں کبھی نہیں روکا جس سے تمہاری پڑھائی متاثر ہوتی ہو۔'' ان کا اشارہ پچھلے دنوں کالج کی طرف سے جانے والے ایک ٹرپ کی طرف تھا جو مقامی شہر میں ایک شوگر فیکٹری اور آئس فیکٹری کے علاوہ ایک دو تفریحی جگہوں کا تھا جس میں شفاف نے بڑے زور و شور سے شرکت کی تھی۔

''لیکن ایک پارٹی میں اگر تم شرکت نہیں کرو گی تو تمہارا کوئی حرج نہیں ہوگا، آمنہ نے ہر قسم کے جہیز لینے سے منع کر دیا ہے لیکن پھر بھی ہم ایسے کیسے خالی ہاتھ تمہیں رخصت کر سکتے ہیں، تمہارے ابا کی ہفتہ ہو گیا ہے دوائیاں نہیں آئیں کہ تین چار لوگوں نے سلائی کے پیسے یکم تک روک لئے ہیں اور تم سب کچھ دیکھ کر بھی اپنے نئے سوٹ کی فرمائش لے کر آن بیٹھی ہو۔'' وہ دکھ آمیز حیرت سے بولی تھیں۔

شفاف کچھ دیر تنفر بھری خاموشی سے وہیں اماں کے پاس بیٹھی رہی پھر جھٹکے سے آ کر جا کر دوسرے کمرے میں بند ہو گئی تھی، اماں طویل سانس لے کر دوبارہ مشین پر جھک گئیں اور سمجھی تھیں کہ شاید وقتی طور پر ناراض ہو کر چپ ہو گئی ہے۔

اماں آج بہت دنوں بعد وقت نکال کر ہمسائی کی عیادت کو گئی تھیں، جاتے ہوئے ابا کو ناشتا اور دوائی دے کر وہیل چیئر پر بٹھاتی گئی تھیں، پھر ان کو اخبار میں مگن اور شفاف کو اندر سوتا دیکھ کر اطمینان کرتی بیرونی دروازہ پار کر گئی تھیں، واپس آنے پر شفاف نظر نہیں آئی تھی، ابا سے پوچھنے پر انہوں نے کہا تھا کہ وہ تو کالج چلی گئی ہے، اماں بھی مطمئن ہو کر گھر کے کام کاج میں مگن ہو گئی تھیں، پھر اس کی واپسی چار بجے شام کو ہوئی تھی، اصل میں وہ کسی پارٹی میں نہیں ثاقب حسن سے مل کر آئی تھی، اس کے تن پر سجا وہ دیدہ زیب سوٹ دیکھ کر اماں اس کی دیر سے آمد بھول گئی تھیں، جو انہوں نے رات کو بے حد محنت کے بعد بیٹھ کر مکمل کیا تھا آج رات وہ سوٹ واپس دینا تھا اب وہ شفاف کے سانچے ڈھلے جسم پر بہار دکھلا رہا تھا۔

''وہ اماں......'' وہ ہاتھوں میں پکڑے کلچ کو چور نظروں سے دیکھتے ہوئے بولی جس میں سیل فون تھا۔

''کیا اماں؟ کیا غلط تو جیہ پیش کرو گی اپنے اس غلط عمل کی اور اگر جو پٹواری صاحب کی بیگم

کی نظر پڑ گئی ہوئی ہوتی تو کتنی قابل اعتماد رہ جاتی میں ان کے نزدیک۔'' اماں کا رنج ہی نہیں کم ہو رہا تھا کہ صدیقہ بیگم جس کی ایمانداری، راست گوئی اور شرافت کی سارا محلہ گواہی دیتا ہے ان کی بیٹی کی اتنی ہلکی حرکت۔

''افوہ اماں کیا ہو گیا جو میں نے چند ایک گھنٹوں کے لئے سوٹ پہن لیا، اب اور کوئی ڈھنگ کے کپڑے نہیں تھے میرے پاس تو یہی سامنے رکھا نظر آیا، ابھی تبدیل کر کے صرف ڈال کے دھو دیتی ہوں، استری کے بعد پتہ بھی نہیں چلے گا کہ کچھ دیر کو پہنا گیا ہے۔'' وہ آرام سے کہتی اماں کے تخت کے پاس سے گزر کر اپنے کمرے کی جانب بڑھ گئی تھی، اماں کو پہلی بار اس کے اندر بغاوت کی بو آئی اور کچھ نہ کچھ غلط ہونے کے احساس نے انہیں جیسے ساکت رہنے پر مجبور کر دیا تھا۔

☆☆☆

وہ نہایت الجھن میں گھر آیا تھا، ایک بزنس میٹنگ کے سلسلے میں آفس کی طرف سے جو تین لوگ ہوٹل غیر ملکی وفد سے ملاقات کرنے جا رہے تھے وہ ان میں شامل تھا، گاڑی کی پچھلی سیٹ پر بیٹھے بیٹھے اس نے فائل کھول کر ایک بار پھر اہم اہم مندرجات کو ذہن میں دہرایا، آج چونکہ اس کے کیریئر کی پہلی بزنس ڈیل تھی، اس کی جاب کو ہوئے صرف ڈیڑھ ماہ ہونے کو آیا تھا، سوچا تھا کہ اپنی قابلیت سے کچھ کر دکھائے، ہوٹل پہنچنے سے کچھ دیر قبل ہی اس نے فائل بند کر کے ساتھ بیٹھے صدیقی صاحب کی طرف بڑھا دی اور خود اپنے ذہن کو ریلیکس کرنے کی خاطر آنکھیں موندنا ہی چاہتا تھا جب سیٹ بیک سے کمر ٹکائے ٹکائے اس کی نگاہ سائیڈ میں ذرا دور کھڑی گاڑی پر پڑی جس میں فرنٹ سیٹ پر ایک خوبرو لڑکے کے ساتھ بیٹھی یقیناً شفاف ہی تھی، جدید تراش خراش کے ریڈ کلر کے خوبصورت سوٹ میں دوپٹہ گلے میں ڈالے بے تکلفی سے باتیں کرتی ہوئی وہ یک ٹک اسی طرف دیکھتا چلا گیا، لیکن یہ شفاف کیسے ہو سکتی ہے؟ وہ تو اسم بامسمیٰ ہے اپنے نام کی مانند شفاف، ٹھیک ہے وہ حجاب نہیں لیتی تھی لیکن دوپٹہ کے بغیر تو ولید نے کبھی اسے دیکھا ہی نہیں تھا، باہر کہیں آتے جاتے اور کالج جاتے ہوئے بھی وہ بڑی سی چادر لپیٹ کر جاتی تھی، دنیا میں دو لوگوں کے درمیان اتنی مشابہت بھی ہو سکتی ہے وہ سوچ کر حیران ہوا اور اسی سوچ نے اس کے تنتے ہوئے دماغ کو تھوڑا ڈھیلا کیا اس سے پہلے کہ وہ کچھ اور سوچ پاتا سگنل آن ہونے پر گاڑی اس کی نظر سے اوجھل ہو گئی، ہوٹل آنے پر اس نے قصداً ساری سوچیں جھٹک کر میٹنگ میں اپنی پریزینٹیشن پر دھیان لگایا نتیجتاً مقابل پارٹی کا رویہ کافی حوصلہ افزا تھا، کمپنی کے لئے یہ ڈیل فائدہ مند تھی سو ایم ڈی سمیت سب افراد بہت پر جوش تھے اسی خوشی میں شفاف والی بات ذہن سے نکل گئی مگر گھر آنے پر پہلا سامنا آمنہ بھابھی سے ہوتے ہی اسے پھر سے وہ سب کچھ نئے سرے سے یاد آیا۔

شفاف، آمنہ اس کی ہم عمر، سگی چچا زاد، بہنوں جیسی دوست پھر سب سے بڑھ کر بھابھی جس سے اس نے بھی کچھ نہیں چھپایا تھا اور تو اور اس کی نک چڑھی بہن سے متعلق وہ خوبصورت جذبات بھی جو پتہ نہیں کب سے اس کے اندر موجود تھے، آمنہ تو حیران ہی رہ گئی تھی اور کسی قدر خوش بھی یہ سب جان کر کہ وہ شفاف کو پسند کرتا ہے اور شادی کرنا چاہتا تھا۔

''میرے لئے اس سے بڑی خوشی کی بات کیا ہو گی ولی کی شفاف تمہارے حوالے سے اس

گھر میں میری دیورانی بن کر آئے۔'' وہ خوش ہو کر بولی تھی۔

''اور آپ کی بہن؟'' ولید نے پوچھا تھا۔

''اسے بھلا کیا اعتراض ہوگا؟'' آمنہ نے حیرت سے کہا، پھر آمنہ نے جیسے ہی اماں کے کان میں یہ بات ڈالی تھی اماں بے ساختہ ہی خدا کا شکر بجالائی تھیں، ان کے دیور کے دونوں بچے ہی بے حد لائق فرمانبردار اور سلجھے ہوئے تھے، آمنہ نوید کے ساتھ بے حد خوش تھی، اماں کو اور بھلا کیا چاہتے تھا، آمنہ نے ایسے ایک دن شرارت میں اسے اپنی مستقبل کی دیورانی کہا تھا تو وہ پہلے تو بے حد حیرت سے بہن کو دیکھتی رہی تھی پھر کھلکھلا کر ہنس دی تھی۔

''تم ہوش میں تو ہو ناں آمنہ؟'' آمنہ کی مسکراہٹ یکدم سمٹی تھی۔

''کیا مطلب؟''

''مطلب یہ کہ ایک دفعہ اگر میں اس گھر میں تمہاری بہن بن کر پیدا ہوئی ہوں تو لازمی نہیں دم چھلا بن کر ہمیشہ تمہارے ساتھ رہوں، تمہاری اگر اس گھر میں شادی ہوئی ہے، تم خوش بھی ہو تو اس کا یہ مطلب کب ہوا کہ میں بھی وہاں جا کر خوش رہوں گی، تم مجھے غور سے دیکھو، خوب سوچو اور پھر بتاؤ کہ تمہارا وہ پانچ مرلے کا گھر زیادہ سے زیادہ گریڈ سولہ یا سترہ تک کی نوکری حاصل کر لینے والا تمہارا دیور اس قابل ہیں کہ مجھ جیسی لڑکی کے خواب دیکھیں۔'' کمرے میں دیوار سے چپکے بوسیدہ آئینے میں اپنے آپ کو دیکھ کر اٹھلا اٹھلا کر کہتی شفاف نے اس دن صرف یہ نہیں اور بھی بہت کچھ کہا تھا، اپنے حسن کے قصے آمنہ کے گھر کی غریبی کی داستان اس کے دیور کے تعلیم حاصل کر چکنے کے بعد نوکری کی تلاش کو بہت بھونڈے انداز میں بیان کرتے وہ یہ بھول گئی تھی کہ جن گلیوں محلوں اور طبقے کا وہ مذاق اڑا رہی ہے اور وہ خود اسی کا حصہ ہے، آمنہ تو پھیکے پڑتے چہرے کے ساتھ بس اسے دیکھتی رہ گئی تھی، پھر وہ اسے ابھی پوری طرح نہ سمجھ بھی نہ سمجھا پائی تھی کہ ابا کو ہونے والے فالج نے ان کی پرسکون زندگی میں ایک طوفان لا کھڑا کیا تھا، بہت دن لگے تھے انہیں اس تلخ صورتحال کو قبول کرنے اور اس کا حصہ بننے میں، آمنہ کے ذہن میں اگر شفاف کی باتیں آتیں بھی تو اس کا بچپن سمجھ کر بھول جانے کی کوشش کرتی ہاں اس دن کے بعد شفاف پہلے جیسی نارمل دکھائی دی تھی تو اس نے بھی دوبارہ یہ موضوع نہیں چھیڑا تھا اس کے سامنے، پھر ولید کو جاب ملتے ہی اسی کی خواہش پر وہ اور نوید مٹھائی لے کر اماں ابا کے پاس باقاعدہ رشتہ لے کر حاضر ہوئے تھے، ابا اب وہیل چیئر کے محتاج تھے، اماں پر دوہری ذمہ داری آن پڑی تھی لیکن آمنہ کے لئے خوشی کی بات یہ ہوئی تھی کہ اس بار شفاف نے اماں سے اصرار کیا تھا کہ وہ شادی تو کیا ان کی سب باتیں مانے گی بس اس کو اس کا بی اے مکمل کرنے کی مہلت دی جائے، اماں بھی چپ ہو گئی تھیں لیکن ولید کے نام کی انگوٹھی ضرور شفاف کے مومی ہاتھوں کا حصہ بن گئی تھی۔

یہ وہ دن تھے جب اس کی ثاقب سے ملاقات نہیں ہوئی تھی، مگر دو ماہ بعد رانیہ کے گھر ہونے والی ثاقب سے ملاقات اور اس کی تعریفوں نے جہاں اس کو سر چڑھا کر اس کے باغی خیالات کو ہوا دی تھی وہاں اس کے اندر ایک نیا شوق پروان چڑھا تھا، شوبز کی جگمگاتی دنیا کا حصہ بننے کا، اپنے حسن کے خراج لینے کا، وہ خود کو ابھی سے ایک سٹار سمجھنے لگی تھی اور پھر ایک دن اس ولید کے نام کی انگوٹھی انگلی سے کھینچ کر پرانی

ڈریسنگ ٹیبل کی دراز میں ڈال دی کہ اس کی جگہ اب ایک جگمگاتے سفید رنگ والی خوبصورت انگوٹھی نے لے لی تھی، جو ثاقب نے اس کی سالگرہ پر اس کی انگلی کی زینت بنائی تھی۔

''کس سوچ میں گم ہو ولی؟'' آمنہ چائے لے کر آئی تو اس کو کسی گہری سوچ میں دیکھا، وہ چونک کر سیدھا ہو بیٹھا، اصل میں کل والے واقعے نے دماغ کو اتنا الجھایا تھا کہ آج آفس سے واپسی پر وہ سیدھا چچا جان کی طرف چلا گیا تھا کہ ان کی طبیعت کا پوچھے بہت دن ہو گئے تھے دوسرے دشمن جاں کو دیکھنے کا ایسا شوق چڑھا تھا کہ بے حد تھکا ہونے کے باوجود بائیک کو مخالف سمت میں موڑ لیا تھا، مگر وہاں جا کر بھی صرف چچی اور چچا سے ہی ملاقات ہو پائی تھی، شفاف کے کالج کوئی فنکشن تھا آج، کہہ کر گئی تھی دیر سے آئے گی، اس کی متلاشی نظروں کو یہاں وہاں کچھ تلاشتے دیکھ چچی نے بتایا تھا۔

''شفاف کے امتحان کب ہیں بھابھی؟''

''دو ماہ تک ہیں اور بے فکر رہو میرے بھائی، صرف تمہیں ہی نہیں تمہارے بھائی کو اور مجھے بھی شدت سے ان دنوں کا انتظار ہے اور میں نے ابھی سے چھوٹی موٹی تیاریاں بھی شروع کر دی ہیں آخر کو دونوں طرف سے بڑی میں ہوں۔'' اس کے خوشدلی سے کہنے پر وہ بھی مسکرا دیا، پھر نوید بھائی کے آ جانے پر دونوں بھائی باتیں کرنے لگے تو آمنہ نوید کے لئے چائے لانے چلی گئی تھی۔

☆☆☆

''کیا کہہ رہے ہو ثاقب؟ میں نے حامی ضرور بھری تھی کام کی لیکن اتنی جلدی کیسے ہو سکتا ہے یہ سب؟ ابھی تو میں نے گھر میں بات بھی نہیں کی اور گھر والوں کو منانے میں بھی تو کچھ وقت لگے گا ناں؟'' وہ نوید کی بات پر گھبرا کر بولی۔

''جیسا تمہارے گھر کا ماحول ہے تو مجھے نہیں لگتا کہ وہ لوگ مانیں گے تم خود بتاتی ہو تمہارے پیرنٹس بے حد سخت ہیں، ٹی وی تک رکھنے کی اجازت نہیں ہے تو اس پر کام کرنے کے لئے تو تمہیں قیامت تک اجازت نہیں ملے گی۔''

''یہ ساری باتیں ایک طرف ثاقب لیکن میرے خواب بھی بہت اہم ہیں میرے لئے، میں ایک دو دن میں سوچ کر جواب دیتی ہوں تمہیں۔'' کچھ سوچ کر اس نے عزم سے کہا پھر وہ تھی اور ثاقب حسن کے دکھائے جانے والے خواب۔

☆☆☆

''پتہ ہے شفاف میں نے گھر میں ماما سے بات کر لی ہے بس تم گرین سگنل دو تو پھر انہیں تمہاری طرف لے آؤں، ایک دفعہ تم میری ہو جاؤ پھر دنیا کی کوئی طاقت تمہیں شوبز میں آنے سے نہیں روک سکتی۔'' دروازے میں کھڑی اماں کو جیسے کسی نے مجسمے میں تبدیل کر دیا تھا، ان کی تربیت میں کہاں چوک ہوئی تھی۔

''یا اللہ! اگر یہ آزمائش تھی نہایت کڑی تھی اور اگر سزا تھی تو میرے ان گناہوں کو درگزر کر دے مالک۔'' ان کا رواں رواں اپنے رب سے فریاد کر رہا تھا۔

''میں نے تمہارا نام شفاف رکھا تھا، پھر کہاں سے یہ چور دروازے ڈھونڈ کر خود کو میلا کرنے کا بندوبست کر لیا۔'' روز ابا کی ٹانگوں کی مالش کرنے کے بعد وہ ان کو دوائی کھلا کے عادتاً سارے گھر کا چکر لگاتیں شفاف کے کمرے میں آئیں اس پر آیات دم کر کے اسے دروازہ بند کرنے کا کہہ کر پھر اپنے کمرے میں لوٹ جاتیں

اور جاتے ہی اپنے اور شفاف کے کمرے کے درمیان کا ذیلی دروازہ بند کر دیتیں۔

آج شاید ان کی سماعتوں نے وہ قیامت خیز الفاظ سننے تھے جبھی پہلے ایک سوٹ مکمل کیا کہ اپنے قول کی پابند تھیں جس تاریخ کو کہتیں اسی کو ہی کپڑے سلائی کر کے دیتیں پھر نماز، قرآن پاک کی تلاوت کے بعد ذرا دیر کو شفاف کے کمرے میں آئی تھیں۔

اسے کتابوں میں مگن دیکھ کر واپس لوٹ گئیں تھیں، ابا کی ٹانگوں کی مالش کرنے کے بعد ٹائم دیکھنے پر پتہ چلا کہ آج معمول سے کہیں زیادہ وقت بیت چلا تھا، ساڑھے گیارہ سے اوپر کا ٹائم تھا، لائٹ آف کرتی وہ دبے پاؤں شفاف کے کمرے کی طرف آئیں کہ اگر وہ نیند میں ہو تو بغیر اس کو جگائے اس کے کمرے کے دروازے کو اندر سے بند کر کے ذیلی دروازے سے اپنے کمرے میں آ جائیں گی، مگر جب اندر گئیں تو دیکھا لائٹ آف کیے ان کی بیٹی دیوار کی طرف پشت کیے کچھ بول رہی تھی، ایک پل کو خوفزدہ ہوئیں کہ وہ کس سے باتیں کر رہی تھی مگر سامنے کی دیوار پر ہلکی سی روشنی یقیناً موبائل فون کی مرہون منت تھی جو اس وقت شفاف کے ہاتھ میں تھا، پوری بات سننے کے بعد وہ خاموشی سے پلٹ آئیں، پوری رات بستر پر جیسے انگارے اگ آئے تھے۔

''یا اللہ! میں نے کبھی کسی کا برا نہیں چاہا، میں خود بچیوں کو بے راہ روی سے بچنے کا درس دیتی ہوں، اپنی پرائی سب کی بچیوں کو بتاتی رہی کہ بے جا آزادی، بے جا پابندی، دونوں ہی چور راستوں کی طرف رہنمائی کرتی ہیں، پھر کیسے شفاف اس خار دار راہ میں الجھ گئی، میری بچی کو ہدایت دے میرے مالک، خیر عطا فرما۔'' وہ بلک بلک کر روتی رہیں، نماز کے فوراً بعد ہی ہلکا اجالا نمودار ہونے پر ہمسائی کے گھر آمنہ کو فون کرنے چلی آئیں۔

سکینہ جو کہ ان کی بے حد اچھی اور خیال کرنے والی ہمسائی تھی ان کو اتنی صبح دیکھ کر حیران رہ گئی۔

''اللہ کا کرم ہے، خیریت ہی ہے آمنہ نے بہت دن ہوئے چکر نہیں لگایا، اس کے ابا رات سے ہی یاد کر رہے ہیں اسے، میں نے سوچا نوید بیٹے کے دفتر نکلنے سے پہلے ہی فون کر آؤں کہ آمنہ کو چھوڑتا ہوا جائے گا۔'' سکینہ کے اتنی صبح آنے کے استفسار اور پریشانی پر انہوں نے کہا تھا اور آمنہ کو آج ہی گھر چکر لگانے کا کہہ کر الٹے پاؤں واپس لوٹ آئی تھیں۔

''شفاف اٹھو، نماز پڑھ لو، وقت نکل رہا ہے۔'' آج ان کے لہجے میں وہ پیار اور حلاوت مفقود تھی جو ان کی شخصیت اور لہجے کا خاصہ تھی، بہت بار پکارنے پر بھی شفاف جو رات کو نجانے کس پہر سوئی تھی بے خبر پڑی سوتی رہی ٹس سے مس نہ ہوئی، ان کو یاد آیا کہ ایسا تو اب وہ ہفتے میں دو تین بار کرنے لگی تھی، باقی کی نمازیں مارے باندھے ہی سہی ان کے ہزار کہنے پر منہ بنا کر پڑھ لیا کرتی تھی، مگر کچھ دنوں سے صبح کی نماز میں ڈنڈی مارنے لگی تھی، انہوں نے اسے امتحانوں کے نزدیک ہونے کی وجہ سے رات دیر تک پڑھائی کی وجہ جانا تھا مگر دن کو اسے اس کوتاہی پر ڈانٹنا ہرگز نہیں بھولتی تھیں نتیجتاً اچھا اماں، اب ناشتہ دیں آئندہ ایسا نہیں ہوگا کہہ کر جان چھڑا لیتی تھی۔

ابا اٹھ گئے تھے، ان کی کئی ماہ کی کوشش اور خدمت سے اب وہ لاٹھی کے سہارے چند سیکنڈ کھڑے ہو جاتے لیکن اتنی سی کوشش میں ہی

ہانپ ہانپ جاتے، دھان پان سے ابا بیماری سے مزید کمزور ہو گئے تھے، پھر بھی تھے تو مرد ناں، ان کو واش روم تک لے جاتے اماں بے حد تھک جاتیں، نڈھال ہو جاتیں، شفاف دیکھ بھی رہی ہوتی تھی تب بھی انجان بنی رہتی، اب بھی ان کو واپس لے کر آ کر بستر لٹانے میں ہی بے حال ہو گئیں، لیکن ایسی تھکن کا احساس آج سے پہلے کبھی نہیں ہوا تھا ان کو کچن میں ناشتہ بنانے کے دوران ہی صبح کے ٹائم آنے والے کچھ بچے اپنا سبق دہرا رہے تھے، ایسے وقت میں اماں کو خاصا سکون ملتا جب ان کے گھر کی فضا قرآن کے پاک الفاظ سے گونجتی مگر ہر روز کی طرح شفاف ان ہی بچوں کی آوازوں پر ناگواری سے آنکھیں ملتی باہر آئی۔

''کتنی دفعہ کہا ہے آہستہ آہستہ پڑھا کرو، ایک تو اماں آپ کمرے کا پورا دروازہ کھول دیتی ہیں، سکون کی نیند محال ہو جاتی ہے۔'' ہینڈ پمپ کو چلا کر منہ دھوتی وہ کم وبیش روزانہ والے فقرے دہرا رہی تھی مگر اماں کے کلیجے میں آج اس کا ایک ایک لفظ انی بن کر اتر گیا، ناشتہ کر کے وہ معمول کے مطابق تیار ہوئی۔

''آج..... آج چھٹی کر لیتیں آمنہ آ رہی ہے۔'' چادر کو اپنے گرد لپیٹتی شفاف چونک گئی۔

''تو.....اس میں چھٹی کی کیا ضرورت ہے، واپسی پر مل لوں گی آمنہ سے، ویسے بھی امتحان نزدیک ہیں تو چھٹی سے کافی حرج ہو جاتا ہے، اچھا اماں اللہ حافظ۔'' اپنی بات کا جواب سنے بغیر وہ بیرونی دروازہ پار کر گئی، اماں تھکی تھکی سی پارہ پڑھتے بچوں کے پاس آ گئیں کہ ان کو سبق دے کر اپنا روزمرہ کے کام نمٹا سکیں۔

آمنہ کے آنے کے بعد اماں نے ساری بات بتائی، آمنہ فق چہرے کے ساتھ یہ سب سنتی گئی تھی اور بہت دیر چپ کی چپ بیٹھی رہ گئی اتنی کہ گھٹی گھٹی آواز میں روتی ماں کو بس خالی نظروں سے دیکھے گئی۔

☆☆☆

ولید نے ارجنٹ چھٹی کی درخواست دی اور آفس سے نکل آیا تھا، ابھی تو جلدی سے نکاح کے انتظامات کرنے تھے، آج صبح معمول کے مطابق دفتر آتے وقت اس کے ذہن میں بھی نہیں تھا کہ جس وقت اور گھڑی کا وہ اس قدر شدت سے منتظر ہے وہ وقت آیا ہی چاہتا ہے، آفس آنے پر بے شمار کام اس کی توجہ کے متقاضی نظر آئے اور ابھی اس نے تھوڑا بہت کام ہی سمیٹا تھا کہ بھابھی آمنہ کی کال پر حیران رہ گیا تھا، انہوں نے روتے ہوئے کہا تھا کہ رات چونکہ اماں کی طبیعت بے حد خراب ہو گئی تھی تو اب تو وہ بہت بہتر ہیں لیکن بہت گھبراہٹ اور بے یقینی کا شکار ہیں، ان کی شدید خواہش اور اصرار ہے کہ آج ہی ولید اور شفاف کا نکاح اور رخصتی ہو جائے، آمنہ بھابھی کے بعد چچی نے فون پر روتے ہوئے ایسے ہی خیالات اور اپنی زندگی کے متعلق ایسے اندیشوں کا اظہار کیا تھا کہ وہ خود گھبرا گیا تھا، ان کی اثبات میں حامی بھرنے کے بعد اور تسلی دینے کے بعد وہ ارجنٹ چھٹی لے کر اٹھ گیا تھا جس وقت وہ نکاح خواہ، نوید بھائی اور چند دوستوں کو مٹھائی کے ہمراہ لے کر چچی کے گھر پہنچا تھا سہ پہر ہو رہی تھی۔

''آخر تم مجھے بتا کیوں نہیں رہی ہو کہ یہ کیا تماشا ہے؟'' کالج میں تین پیریڈ بنک کر کے اس نے ثاقب حسن سے مستقبل کی سنہری زندگی کے کئی سنہری خواب بن ڈالے تھے، کالج کی پچھلی سائیڈ پر جہاں کچھ نئے کمروں کی تعمیر کا کام جاری تھا، لڑکیوں اور ہیڈ گرلز جو کہ کالج انتظامیہ کی

طرف سے ڈسپلن کی دیکھ بھال کے لیئے معمور تھیں کی نظروں سے بچ کر وہاں آ گئی تھی، پھر چھٹی کے وقت ہی اسے اس وقت اوقت اتنی جلدی گزر گیا کا احساس ہوا تھا جب سیل فون بیٹری ختم ہو جانے کے باعث بند ہو گیا تھا، گھر آنے پر شدید نیند کی خواہش حاوی ہو رہی تھی کہ ساری رات جاگنے سے اب سر ہلکا ہلکا درد کر رہا تھا، مگر آمنہ نے بے حد خوبصورت ہلکے گلابی رنگ کا کامدار سوٹ دے کر واش روم میں دھکیل دیا تھا کہ دس منٹ میں آؤ کہیں جانا ہے۔

''اف آمنہ تم اور اماں جاؤ جہاں جانا ہے میں بے حد تھکی ہوئی آئی ہوں، لیکن ایسا کرو یہ پیارا سا سوٹ مجھے دے دو، کتنا پیارا کام ہے اس پر۔'' وہ کسلمندی سے بیگ کھونٹی پر لٹکاتی ہوئی بولی اور بیڈ پر آ کر سوٹ پر ہاتھ پھیرتے بولی، لیکن آمنہ نے سوٹ اٹھا کر بغیر کچھ کہے اسے بازو سے پکڑ کر اٹھایا اور باتھ روم میں دس منٹ کے الٹی میٹم کے ساتھ دھکیل کر دروازہ بند کر دیا، ٹھنڈے پانی کے غسل نے دل و دماغ پر خوشگوار تاثر چھوڑا سو وہ گلابی سوٹ زیب تن کر کے باہر آ گئی، اپنے کمرے میں آنے پر اسے ان کپڑوں کے ہمراہ جیولری اور شوز بھی میچنگ نظر آئے پھر آمنہ نے کچھ نہ بتاتے ہوئے ایک شاپر میں سے میک اپ کا سامان نکال کر اپنا شادی شدہ ہونے کا تجربہ اور ہنر آزمانا شروع کیا پھر جب وہ اس کو دوپٹہ اوڑھانے لگی تو وہ چیخ ہی پڑی تھی۔

''میں پوچھتی ہوں کوئی بتائے گا یہ کیا ہو رہا ہے؟''

''دو منٹ چپ رہو ابھی پتہ چل جائے گا۔'' آمنہ یہاں وہاں بکھرا میک اپ کا سامان اور چیزیں سمیٹتی اس پر ایک نظر ڈال کر پھر نظر چرا گئی کہ ہلکے پھلکے زیور اور میک اپ نے اس کے حسن کو دو آتشہ کر دیا تھا، پھر آمنہ کے باہر جاتے ہی اسے باہر کچھ ہلچل اور آوازیں سنائی دیں اور ابھی وہ اٹھ کے باہر جانا ہی چاہتی تھی کہ بے حد پژمردہ سی اماں اندر داخل ہوئیں۔

''اماں...... وہ آمنہ...... یہ سب کیا ہے؟'' ان کی شکل پر ایسا کچھ درج تھا کہ ہکلا گئی۔

''میری بات سنو شفاف! کچھ ناگزیر وجوہات کی بناء پر مجھے آج ہی ولید کے ہمراہ تمہارا نکاح اور رخصتی کرنی پڑ رہی ہے امید ہے اچھی بیٹیوں کی طرح کیوں، کیسے کس لئے جیسے الفاظ کے گورکھ دھندے میں پھنسے بغیر تم صرف یہ سوچ کر ہی ہاں کر دو گی کہ ماں باپ کا تجربہ اولاد سے کہیں زیادہ ہوتا ہے وہ اپنے بچے کے لئے وہ سوچتے ہیں جہاں کسی کی سوچ بھی نہیں جا سکتی، ابھی نوید نکاح خواں کے ساتھ نکاح نامے پر دستخط اور تمہاری مرضی لینے آئے گا، ہاں کے علاوہ کچھ اور تمہارے ذہن میں ہے تو یہ مجھے اور اپنے باپ کو اپنے ہاتھوں سے کھلا کر جو مرضی کر لینا۔''

اماں یہ سب کہہ کر اس کے پاس سفید کاغذ میں کچھ لپٹا اس کے پاس رکھ دیا اس کے دھماکے ہوتے دماغ کو کچھ سوچنے کا موقع دیئے بغیر، اگلے پانچ منٹ میں وہ ہو گیا جس کا وہ اگر حواس میں ہوتی تو یقیناً منہ پھاڑ کر انکار کر دیتی، آمنہ اس کے بے حد قریب آ کر بیٹھی۔

''ہاں کہو شفاف۔'' وہ اس کے کان میں مسلسل کہہ رہی تھی۔

''قبول ہے۔'' پتہ نہیں کیسے اس کے منہ سے ادا ہوا، مشینی انداز میں اس نے دستخط کیے، آمنہ نے نظریں اوپر اٹھا کر گویا اللہ کا شکر ادا کیا تھا۔

''ماں باپ ہمیشہ اولاد کا بھلا سوچتے ہیں شفاف! ایک وقت آئے گا تم میرے فیصلے پر شکر

بجالاؤ گی، اپنی ماں سے کبھی بدگمان نہ ہونا میری بچی۔'' کھانا کھاتے ہی شام کے سائے بھی منڈلانے لگے تھے، رخصتی کے سمے اماں نے اسے ساتھ لگا کر بہت کچھ کہا تھا مگر ایک سائیں سائیں تھی جو اس کی سماعتوں سے ٹکرا رہی تھی۔

''مر گئی آپ کی شفاف۔'' اماں کے ہاتھ جھٹک کر پہلا جملہ تھا جو ان چار گھنٹوں میں اس کے منہ سے ادا ہوا تھا اور اس فقرے میں چھپی نفرت اماں کو ایک اذیت سے دوچار کر گئی تھی، سسرال میں موجود تینوں نفوس کا بس نہیں چل رہا تھا کہ کیسے اور کن الفاظ اور جذبات میں اپنی خوشی کا اظہار کریں اور وہ اس کے اندر صرف بے بسی کا احساس تھا، ان تمام افراد کے لئے شدید نفرت کا احساس تھا جنہوں نے مل کر اسے ٹریپ کیا تھا، ولید کے والہانہ جذبات اور محبت کا اظہار بھی اس بھڑکتی آگ کو کم نہ کر سکا جو حقیقت کی تلخی کا ادراک ہوتے ہی اس کے اندر بھڑک اٹھی تھی، ولید اس کے اس قدر برفیلے رویے کا سبب یہ اچانک ہونے والا نکاح اور رخصتی سمجھا تھا اور اس کے جذبوں کی شدت کے آگے ہتھیار ڈال دینے والی شفاف اس وقت پھر ایک برف کی سل میں بدل گئی تھی جب اماں اس کے لئے ناشتہ لے کر آئی تھیں اس نے کسی سے کچھ کہے بنا خود کو کمرے میں بند کر لیا تھا تاوقتیکہ وہ مایوس ہو کر لوٹ نہیں گئی تھیں۔

''یہ کیا بات ہوئی شفاف، چچی کتنی محبت سے تم سے ملنے تمہیں دیکھنے آئی تھیں، جب تمہارا یہاں آنا طے تھا تو کیا پہلے کیا بعد میں، ان کے اس فیصلے میں بھی تمہاری بھلائی پوشیدہ تھی، تمہیں اگر اعتراض اس بات پر ہے کہ ہم میں سے کوئی تمہاری پڑھائی میں رکاوٹ بنے گا تو ایسا نہیں ہو گا، تم اسی طرح سے کالج جاؤ جیسے پہلے جاتی تھی،

اپنے ایگزامز دو جہاں کہو گی ویسے بھابھی سے پتہ چلا تھا کہ تمہیں شمالی علاقہ جات دیکھنے کا بہت شوق ہے میں اگرچہ وہاں جا چکا ہوں مگر تمہارے ساتھ ان خوبصورت مقامات پر جانا میرے لئے اعزاز کی بات ہو گی۔'' سنجیدگی سے بولتا ہوا وہ آخر میں شوخ ہو گیا، مگر شفاف کیا ہی اس بات پر خوش ہوتی الٹا ثاقب حسن کی یاد چٹکی لے کر بیدار ہو گئی، جب اس نے کہا تھا کہ اگرچہ ابھی وہ اسے ورلڈ ٹور پر لے جانے کی حیثیت نہیں رکھتا پھر بھی کسی فارن کنٹری میں تو ضرور ہی لے کر جائے گا اور اس کا ورلڈ ٹور پر جانے کا خواب بھی ضرور پورا کرے گا، احساس زیاں اس قدر شدید تھا کہ دل ایک بار پھر سختی کے خول میں بند ہو گیا۔

''نہیں ہیں وہ میری ماں، ماں ہوتیں تو ایسے نہ کرتیں میرے ساتھ، کیا قصور تھا میرا جو چوروں کی طرح رخصت کر دیا، نہ پوچھا نہ بتایا، نہ سکھیوں نے گیت گائے نہ لال جوڑا پہنا، ایسے ہوتی ہیں شادیاں، کیا سوچے گی دنیا ایسا ویسا کچھ دیکھا ہو گا لڑکی میں جو ایسے آناً فاناً کچھ سوچے سمجھے بغیر گھر سے نکال باہر کیا۔'' وہ تنفر سے اس کا ہاتھ جھٹک کر بولی۔

''اُفوہ شفاف! تمہیں میں ہی نہیں بھابھی بھی بتا چکی ہیں، چچا کی بیماری کے بعد چچی بہت ان سیکیور فیل کرنے لگی ہیں، تمہارے حوالے سے خصوصی طور پر فکر مند تھیں پھر طبیعت کی خرابی کے باعث زیادہ ہی پریشان ہوئیں تو ایمرجنسی میں ہم سب کو اعتماد میں لے کر یہ فیصلہ کیا، چچی کیا ہم میں سے کوئی بھی تمہارے متعلق کچھ نہیں سوچ رہا ریلیکس ہو جاؤ اور سرخ جوڑے کی جہاں تک بات ہے ایک چھوڑ ایسے دس جوڑے لا کر دوں گا میں تمہیں......'' اس کی ذہنی رو ابھی تک پہلی والی بات میں اٹکی تھی۔

''اچھا چھوڑو یہ سب، تم یہ بتاؤ میں تو ہر وقت ہر گھڑی تمہارے بارے میں سوچا کرتا تھا، تم نے بھی کبھی سوچا تھا میرے متعلق۔'' اشتیاق سے پوچھتا وہ اس کے قریب ہوا۔

''نہیں بالکل نہیں۔'' اس کے فٹ سے جواب دینے پر ولید کا چہرہ پھیکا پڑ گیا۔

''چلو کوئی بات نہیں پہلے تو خیالوں کی بات تھی اس پر کیسا گلہ شکوہ، اب تو ہم مجسم ایک دوسرے کے ہوئے۔'' اتنے میں ہلکی سی دستک دیتے ہوئے آمنہ بھی آ گئی تھی، ولید فوراً ہی سیدھا ہو کر تھوڑا دور ہو کر بیٹھا، آمنہ کے آتے ہی وہی باتیں جو اس سے قبل ولید کر چکا تھا کہ اماں بہت دکھی دل سے واپس گئی تھیں اور والدین کیا اتنا بھی حق نہیں رکھتے کہ اپنی اولاد کی زندگی کا فیصلہ اپنی مرضی سے کر سکیں، ولید اس گفتگو کا موضوع سنتے ہی باہر اٹھ کر چلا گیا تھا۔

پھر ولید کے اصرار پر مارے باندھے اس نے پیپرز دیئے تھے، اماں سے اس کا رویہ ہنوز برقرار تھا، وہ شادی کے بعد ایک دفعہ بھی اپنے میکے نہیں گئی تھی اور اماں کے دوبار ان کے گھر آن پر اس نے وہی پرانا طریقہ اختیار کیا تھا ان کے واپس جانے تک خود کو کمرے میں بند کیے رکھا تھا، سارا دن کمرہ بند کیے پتہ نہیں کیا کیا سوچتی رہتی، آمنہ اس کا ایسا روکھا پھیکا رویہ ہنسی خوشی برداشت کر رہی تھی، ولید ہی خود کوشش کر کے اسے بولنے پر مجبور کرتا تو نہ چاہتے ہوئے اس کی ایک آدھ بات کا جواب دے دیتی اس کے خیال میں وہ دنیا کی حسین ترین لڑکی تھی، اس کی جگہ یقیناً کوئی محل ہوتا یہ پانچ مرلے کا گھر ہرگز نہیں، خود ترسی کی عجیب سی کیفیت کے تحت وہ خود کو مظلوم ترین لڑکی تصور کرتی، پھر اپنی روکھے پھیکے دنوں میں اس نے بیوٹیشن کے کورس میں جی لگانے کے لئے خود کو آمادہ کیا کہ اسے لگتا اس چھوٹے سے گھر میں اس کا دم نہ گھٹ جائے، ولید کو اس کی خوشی سے مطلب تھا سو بخوشی اجازت دے دی، اب دن کا وہی حصہ اسے زندگی لگتا جب تک پارلر میں گزارتی باقی کا وقت بڑی مشکل سے گزرتا تھا۔

پھر کچھ دن گزرنے پر اس کی طبیعت کچھ خراب رہنے لگی تو آمنہ اپنے خوشگوار اندازے کی تصدیق کے لئے اسے ڈاکٹر کے پاس لے گئی، جہاں مختلف ٹیسٹوں کے بعد ایک خوشخبری ان کی منتظر تھی، آمنہ نے اسے زور سے بھینچ کر چٹا پٹ چوم ڈالا، وہ خود تین سال سے جس نعمت کو جھولی پھیلا کر اللہ سے مانگ رہی تھی وہ نعمت بن مانگے شفاف کو ملنے لگی تو وہ انکاری ہو گئی، اسے لینے سے۔

''نہیں نہیں اتنی جلدی کیے؟ ابھی تو میں نے فیصلہ نہیں کیا کہ میں نے یہاں رہنا بھی ہے یا نہیں، پھر یہ بچوں وچوں کے جھنجھٹ میں پڑ کر میں اپنی خوبصورتی برباد نہیں کر سکتی۔'' وہ آمنہ سے الگ ہوتے ہوئے ہذیانی انداز میں چیخی، گویا ابھی حواسوں میں آئی تھی، اسے لگا اس کے ساتھ بہت غلط ہو گیا ہے۔

''چپ کرو، شفاف خدا کے لئے ہوش کے ناخن لو اب تم بچی نہیں ہو، ایک شادی شدہ عورت ہو جس کی تکمیل ہی اسی صورت ممکن ہے، نکل آؤ اپنے فضول خوابوں سے جو تمہیں کہیں کا نہیں ہونے دے رہے، خدا سے معافی مانگو اپنے اول فول الفاظ کے جو بے سوچے سمجھے بول دیتی ہو، وہ تو شکر ہے ولید اپنی محبت کی شدت میں تمہارا یہ رویہ محسوس نہیں کر رہا، لیکن کب تک، نوید بہت مصروف رہتے ہیں لیکن مجھ سے بھی ایک دوبار دبے لفظوں میں مجھے کہہ چکے ہیں کہ شفاف کیوں خوش نہیں لگتی، اللہ کا شکر ادا کرو کہ اتنا چاہنے والا شوہر

ملا ہے اچھا گھر ہے، اب اللہ اپنے کرم سے اولاد جیسی انمول نعمت دے رہا ہے تو ناشکری کے کلمات منہ سے نکال کر اللہ کو ناراض مت کرو، مجھے دیکھو تین سال سے سراپا انتظار ہوں کہ کب وہ خوبصورت وقت آئے گا جب میری تکمیل ہو گی۔'' آمنہ کہہ کر آخر میں رونے لگی تھی، ولید کو بھی فون کر کے آمنہ نے ہی اطلاع دی تھی، جواباً وہ بے شمار کھلونوں اور مٹھائی کے ساتھ لدا پھندا آیا تھا، کمرے میں بیزار سی شفاف کو اکیلے کو پا کر بانہوں میں سمیٹ کر گھما ہی ڈالا۔

''آج میں بہت خوش ہوں، بہت بڑی خوشی دی ہے تم نے مجھے شفاف، یہ گھر ایسی خوشیوں کے لئے ترس رہا تھا، میں...... مجھے سمجھ نہیں آ رہا کیسے تمہارا شکریہ ادا کروں تم...... تم ایسا کرو کل سے یہ پارلر والر جانا بند، بس بیڈ پر بیٹھ کر حکم چلائے گی میری شفاف رانی۔'' اسے بیڈ پر احتیاط سے بٹھاتا ہوا بولا تو وہ بدک کر اٹھی تھی۔

''نہیں نہیں، کچھ نہیں ہوتا مجھے پارلر جانے سے مت روکیں صرف تین چار ماہ کی بات ہے پھر میرا کورس مکمل ہو جائے گا۔''

''ارے ولید یہ کیا، ابھی تو بہت وقت ہے بھئی، یہ سب کیا ہے۔'' آمنہ نے اندر آ کر کمرے میں پھیلے کھلونے دیکھ کر حیرت سے پوچھا۔

''ارے بھابھی! یہ تو کچھ بھی نہیں ہے میرا بس نہیں چل رہا تھا پورا بازار ہی خرید لیتا۔'' وہ خوشی سے بولا۔

''اچھا ٹھیک ہے منہ ہاتھ دھو لو، میں کھانا لگاتی ہوں، تمہارے بھائی بھی آتے ہی ہوں گے۔'' آمنہ کہہ کر کمرے سے باہر نکل گئی۔

☆☆☆

پانچواں ماہ ہی تھا، وہ صورتحال کو آہستہ آہستہ ہی سہی قبول کر لیتی اگر جو اسے اپنے موبائل والا پرانا بیگ نہ ملتا، موسم شدید خراب ہونے کے باعث اس دن وہ پارلر نہیں گئی تھی، نوید اور ولید آفس جا چکے تھے جب کہ وہ کسمندی سے بستر پر پڑی تھی، آمنہ نے ابھی تک گھر کی ذمہ داری اس پر نہ ڈالی تھی، تھوڑی دیر بعد آمنہ نے موبائل لا تھمایا کہ اماں کا فون تھا، ولید اور آمنہ کے بار بار سمجھانے پر اس نے اماں سے ہتک آمیز رویہ تو ترک کر دیا تھا تاہم دل میں ناراضی تو تھی بڑی سو ابھی تک واپس مڑ کر میکے کی دہلیز پر قدم نہ رکھا، ولید نے ہی چچا چچی کو موبائل دلوا دیا تھا بلکہ ولید، نوید اور آمنہ سب نے بہتیرا زور لگایا تھا کہ اماں، ابا ان کے ساتھ چل کر رہیں، دونوں ٹھہرے بلا کے وضع دار اور خوددار، ہر بار سہولت سے منع کر دیتے، ابا اب آہستہ آہستہ لاٹھی کے سہارے چند قدم بھر لیتے تھے، اماں نے اس کی طبیعت کا پوچھا پھر چند پیار بھری ہدایات کے بعد فون بند کر دیا، وہ بیزاری سے وارڈ روب تک آئی اور کپڑوں کی نئے سرے سے ترتیب لگانے لگی، جب بالکل آخر میں اسے کونے میں پڑا اپنا کالج بیگ نظر آیا، کھولنے پر جو چیز سب سے پہلے نظر آئی تھی، ثاقب حسن کا دیا گیا موبائل فون تھا، وہ اسے ہاتھ میں لئے گویا ماضی کے اس سفر پر نکل گئی جس پر ثاقب حسن کے ہمراہ بارہا چلی تھی۔

''پھینک دو، توڑ ڈالو، یہ وہ آگ ہے جس میں ہاتھ ڈالنے سے وہ نہ صرف خود جلے گی بلکہ اس کا گھر بھی لپیٹ میں آئے گا۔''

اب وہ ایک بیوی ہے اور ماں بننے والی ہے موبائل کو چارجنگ پر لگاتے سے دماغ زور زور سے چلانے لگا۔

''ایک بار اس سے رابطہ کر کے اپنے ساتھ

ہونے والے ظلم کی داستان سناؤں گی بس، ورنہ وہ مجھے بے وفا ہی سمجھتا رہے گا عمر بھر۔'' دل کی طرف سے ہونے والی دہائی پر اس نے قصداً دھیان یہاں دھرا اور بیس منٹ بعد بیٹری فل ہونے پر اس کے ہاتھ تیزی سے اس نمبر کو پریس کرنے لگے، آمنہ چونکہ سارا دن گھر کے کام کاج میں مصروف ہوتی سو اس کا آنے کا خطرہ کم ہی تھا۔

''ہیلو۔'' دوسری طرف سے دشمن جاں کی آواز سنائی دینے پر اس کی سانسیں جیسے رک گئی تھیں، ایک سسکی اس کے منہ سے نکلی اور درمیان سے چھ ماہ کا یہ عرصہ ولید، ہونے والا بچہ سب غائب ہوگیا تھا۔

شفاف تھی اور ثاقب حسن تھا، پھر جس وقت آمنہ کی آہٹ محسوس کرتے ہی اس نے کال ڈسکنیکٹ کی اس کے وجود پر پچھلے پانچ ماہ سے چھائی بیزاری غائب تھی، ایک سرخوشی و سرشاری اس کے انگ انگ سے ہویدا تھی، وہ آج بھی ویسا تھا، اس پر نثار ہونے والا، اس کی شادی کا سن کر اسے دکھ ضرور ہوا تھا پر اس کے لہجے کی بے تابی آج بھی اس کی بے قراری کا پتہ دے رہی تھی۔

''کیا بات ہے شفاف! آج بہت خوش لگ رہی ہے میری گڑیا۔'' آمنہ کو بھی اس کے انداز میں واضح فرق لگا۔

''دیکھو تو آمنہ کتنا خوبصورت جسم ہوتا تھا میرا ایکٹریس جیسا اب کیسا بھدا ہوتا جا رہا ہے، ایسے ہی مجھے تم نے ان فضولیات میں پھنسا دیا، مجھے تو بچے سرے سے پسند ہی نہیں ہیں، ہر وقت کی ریں ریں۔'' خوشگوار انداز میں آمنہ سے باتیں کرتے اس کی نظر اچانک سامنے رکھی ڈریسنگ ٹیبل کے آئینے پر کیا گئی، خود پر آیا ماتا کا نور، بھرا بھرا سراپا نظر انداز کر کے اس کو نظر بھی کیا آیا اپنی جسامت کا بھدا پن، موبائل فون آن کرتے سمے اس نے خود سے جو عہد کیا تھا کہ اسے ساری صورتحال بتا کر پھر رابطہ نہیں کرے گی، پر محض آدھے گھنٹے کی گفتگو نے پانی پھیر دیا تھا، ثاقب حسن نے جس بے قراری سے ملنے کی خواہش کی تھی اس پر سو وعدے قربان کر سکتی تھی وہ۔

''اچھا بس تم نے کون سا ایکٹریس بننا ہے اب، اب تم نے صرف بچہ پیدا کرنا ہے، پالنا تو میں نے ہی ہے ناں، میں تو ابھی سے ننھے منے ہاتھوں پیروں کا لمس اپنے ہاتھوں میں، اپنی بانہوں میں محسوس کرتی ہوں، خدا خیر سے وہ وقت لائے۔'' آمنہ کے جذب بھرے انداز پر وہ منہ بنا کر چپ ہوگئی، اب اسے ثاقب حسن سے ملنے کی سبیل نکالنی تھی۔

''وہ آمنہ! آج پارلر میں تین چار دلہنوں کی اپائنمنٹ ہے تو ہو سکتا ہے تھوڑی لیٹ ہو جاؤں۔'' تین دن بعد اس نے کچن میں مصروف آمنہ کو بتایا تھا جس نے محض سر ہلانے پر اکتفا کیا تھا۔

''ارے سنو شفاف! زیادہ مشقت والے اور کھڑے ہونے والے کام مت کیا کرو بتایا بھی تھا تمہیں۔'' آمنہ کو جیسے ہی یاد آیا بھاگ کر دروازے پر اس کے پاس پہنچی، شفاف جھنجھلا گئی۔

ایک تو آمنہ اور ولید کی ہدایات اسے چڑا دیتیں آمنہ تو چلو عورت تھی کچھ اولاد کی کمی کے باعث اس حوالے سے اتنی حساس تھی مگر ولید جتنا ٹائم آفس میں گزارتا تین چار بار کالز کر کے اسے اٹھنے بیٹھنے سے لے کر کھانے پینے تک کی ہزار ہدایتیں دے ڈالتا، پھر گھر لوٹ آنے پر شفاف

کی اصل شامت آئی رہتی، اس کے جوسز، فروٹس اور ڈائیٹ چارٹ کی ہدایات اسے ازبر تھیں کوئی اور لڑکی ہوتی ایسے شوہر، ایسے گھر اور ایسی قسمت پر پھولے نہ سماتی اور اللہ کا لاکھ شکر ادا کرتی مگر وہ شفاف تھی ناشکری کی سب سے اونچی سیڑھی پر براجمان ایک ناعاقبت اندیش لڑکی، جس پر نہ تعلیم اثر انداز ہوئی تھی نہ اماں کی تربیت کے رنگوں نے اثر کیا تھا، اس کے لئے سب سے اہم چیز اس کا نفس تھا جس کے پیچھے پیچھے سرپٹ دوڑتی اس نادان کو احساس نہیں تھا کہ نفس کا گھوڑا یونہی اندھا دھند دوڑاتا ہے اور انت میں منزل بھی کوئی نہیں ملتی بلکہ ایک ایسی اندھی کھائی میں جا کر گراتا ہے کہ جس سے نکلنے کا راستہ ڈھونڈتے ڈھونڈتے انسان کی زندگی کا چراغ گل ہو جاتا ہے۔

☆☆☆

''ایک بار ہمت کر لیتیں شفاف پھر آگے کی زندگی گلزار ہوتی ہماری۔'' وہ اس کے ہاتھوں کو ہاتھ میں لے کر بولا، اتنے عرصہ بعد اسے سامنے دیکھ کر پہلے تو شفاف کو خود پر قابو پانا مشکل ہو گیا تھا، ثاقب حسن نے بڑی مشکل سے اسے چپ کرایا تھا۔

''تم خوش نہیں ہو شفاف تو میں کون سا جی رہا ہوں، مجھ سے پوچھو کیا گزری تھی مجھ پر جب تم نے ایکدم سے رابطہ ہی ختم کر ڈالا، تمہارے تو گھر کا ایڈریس بھی میرے پاس نہیں تھا، مایوس ہو کر روز تمہارے کالج کے کئی چکر لگا ڈالتا مگر کہیں سے کوئی خبر نہ ملی۔''

شفاف نے بھی کچھ نہ چھپایا، اپنوں کے ہاتھوں کس طرح جذباتی بلیک میلنگ کا شکار ہوئی سب کہہ سنایا۔

''کیسا ہے تمہارا رائیٹ مین؟'' یاسیت سے مسکراتے ہوئے اس نے پوچھا۔

''ویسا ہی ہے جیسے مرد ہوتے ہیں، تم بھی نہ ملے ثاقب حسن اور اسے بھی صحیح مقام نہیں دے پائی میں کبھی، بہت چاہا کہ دل سے تمہاری تصویر کھرچ ڈالوں، مگر ممکن ہی نہیں تھا میرے لئے، ایسا تصور ہی میری سانسیں بند کر دیتا تھا، یہ پانچ چھ ماہ گویا کسی قفس میں گزارے ہیں میں نے، میرا دم گھٹتا ہے وہاں ثاقب۔'' وہ ایک بار پھر رو رہی تھی، پھر پرانی محبت کی نئی تجدید میں وہ وقت تیزی سے بیت گیا، ثاقب حسن ایک بار پھر اسے اسی رنگین راہ گزر پر لے آیا تھا، جس میں وہ ایک شار تھی دنیا جس کے حسن کی شیدائی تھی۔

''اب کی بار میں قربانی نہیں دوں گی ثاقب، میری زندگی پر میرا بھی کچھ حق ہونا چاہیے۔'' وہ بولی تھی۔

''اس مصیبت سے جان چھڑاؤ پھر ایک گولڈن چانس تمہارا منتظر ہے، جو تمہیں دنوں میں شہرت کی بلندیوں تک لے جائیں گے۔'' اس کے بھرے سراپے کو دیکھ کر جس انداز سے وہ بولا تھا شفاف نے لاشعوری طور پر اپنی چادر کو اپنے پیٹ پر مزید پھیلایا، حالانکہ ثاقب حسن سے ملتے وقت وہ خود کو مکمل طور پر لپیٹ کر آئی تھی، شاید اپنے اندر ہونے والی تبدیلی پر اسے ثاقب حسن کے سامنے شرمندگی کا احساس تھا، وہ شرمندہ ہو کر سر جھکا گئی اور ایک بار پھر خود کو اور اس وقت کو کوسا جب اس نے یہ خبر ملتے ہی کوئی فوری فیصلہ نہیں لے لیا تھا اس مصیبت سے چھٹکارے کا جو اس کی زندگی کا سب سے بڑا خواب پورا کرنے میں رکاوٹ تھی۔

ثاقب حسن کی اس کی زندگی میں دوبارہ آمد نے ولید کے لئے اس کے جذبات و احساسات میں سخت بیزاری بھر دی تھی، پہلے جو تھوڑی بہت اس کی باتوں کا جواب دے دیا کرتی تھی اب اس

سے بھی اکتانے لگی تھی، شادی کے بعد والا رویہ گویا پھر سے لوٹ آیا تھا، اسے ایک بار پھر سب لوگ اپنی خوشیوں کی راہ میں رکاوٹ لگنے لگے تھے، مگر اس بار اس کے رویے کی بیزاری نے کسی کو پریشان نہیں کیا تھا، سب لوگ اسے ایسی حالت میں بعض عورتوں میں پیدا ہو جانے والا چڑ چڑا پن سمجھے تھے، ہاں یہ تھا کہ بچے کی پیدائش کے آخری دو ماہ میں اس نے ثاقب حسن سے صرف فون پر رابطہ رکھا تھا ملنے نہیں گئی، اب وہ جلد از جلد اس انتظار میں تھی کہ ڈلیوری سے فارغ ہوتے ہی کوئی حتمی فیصلہ لے اور اس انتظار کی کیفیت گھر کے ہر فرد پر جدا جدا گزر رہی تھی، شفاف بچے کو کسی بوجھ کی مانند اتار کر پھینکنا چاہتی تھی، آمنہ اور ولید نے چیزوں، کھلونوں اور کپڑوں سے گھر بھر دیا تھا، آمنہ کے پاس گھر کے کام کاج سے جو وقت بچتا وہ ننھے ننھے کپڑے سیتی سویٹر بنتی، موزے، ٹوپیاں، سوائے شفاف کے اس بچے کا سب کو بے چینی سے انتظار تھا۔

☆☆☆

وہ آنکھیں موندے ان سب کی خوشی سے لبریز آوازیں سن رہی تھی جو بچے کی پیدائش کی خوشی میں تھیں، ولید، نوید بھائی، آمنہ اماں اور تو ابا بھی آج ان کی خوشی میں شریک ہونے کے لئے ان کے گھر آئے تھے، صرف وہ ہی ان سب کے درمیان ایسا فرد تھی جس کی سوچ کا مرکز اس کی کوکھ سے جنم لینے والا بچہ ہرگز نہیں تھا، اس نے پیدا کرنے کے بعد صرف ایک نظر ڈالی تھی اس پر بس، خیالوں کی پرواز کے ساتھ بلندی کے ایوانوں پر براجمان وہ شوبز کا چمکتا ہوا ایسا چاند تھا جسے نیچے زمین پر رہنے والے ننھے منے لوگ سر اٹھا اٹھا کر دیکھ رہے تھے۔

''کیا کہہ رہی ہو شفاف! پڑھی لکھی سمجھدار لڑکی ہو کر بے وقوفوں والی باتیں کر رہی ہو، ماں کا دودھ بچے کا دنیا میں آنے کے بعد وہ پہلا حق ہے جو قدرت کی طرف دیا گیا ہے پھر اس میں تمہیں کیسی قباحت نظر آ رہی ہے۔'' ابا زیادہ دیر وہیل چیئر کے سوا نہیں بیٹھ سکتے تھے سو اماں اور ابا کو ولید گھر چھوڑ کر آیا تھا، واپس آنے پر ہی نیا تماشا دیکھنے کو ملا، بچہ بھوک سے چلا رہا تھا، آمنہ مسلسل شفاف پر زور دے رہی تھی کہ پیدائش کے فوراً بعد اس نے بچے کو جب دودھ پلانے سے انکار کیا تھا سب لوگ اس کی ڈلیوری کے فوراً بعد ہونے والی نقاہت اور کمزوری سمجھے تھے سو ولید وہیں ہسپتال میں ہی فیڈر اور دودھ کا ڈبہ لے آیا تھا اب تو وہ لوگ گھر آ چکے تھے، شفاف بھی بظاہر تو ٹھیک ٹھاک ہی لگ رہی تھی لیکن ایک بات جو آمنہ اور ولید دونوں نے نوٹ کی تھی اس نے ایک بار بھی نومولود کو نہ تو گود میں اٹھایا تھا نہ ہی دیکھنے کی کوشش کی تھی، سوائے پہلی دفعہ کہ جب آمنہ نے بچے کو اسے ہسپتال میں دکھایا تھا، اب وہ بچے کو اپنا دودھ پلانے سے مسلسل انکاری تھی، آمنہ دکھ سے اور ولید حیرت سے گنگ رہ گئے کہ کیسے اس ناسمجھ کو اس امر سے راضی کریں مگر اس کی ضد کے آگے وہ دونوں ہار مان گئے تھے، دنیا میں لاکھوں بچے اوپر والے دودھ پر پلتے ہیں بلکہ اب تو یہ فیشن ہی ختم ہو گیا ہے کہ ماں کا دودھ پلانے والا، کون اپنا فگر برباد کرے، اس کی لن ترانیوں پر آمنہ کچھ دیر تاسف سے دیکھتی رہی، جبکہ ولید کچھ دیر پہلے ہی اس بحث سے غصے میں آ کر باہر جا چکا تھا کیونکہ اسے لگا تھا اگر مزید کچھ دیر وہ اس کے کمرے میں موجود رہا تو غصے سے بے قابو ہو کر شفاف کو کچھ الٹا سیدھا بول نہ دے جو اپنی فضول ضد پر اڑی ہوئی تھی۔

''اور آمنہ تم اسے اپنے پاس ہی سلایا کرو تو

زیادہ بہتر ہے تمہیں تو پتہ ہے مجھے فضول شور شرابے اور گندگی سے کراہت محسوس ہوتی ہے ویسے بھی میں تو اس بچے کے حق میں بھی نہیں تھی وہ تو تم نے کہا تھا کہ تم نے تو صرف پیدا کرنا ہے پالوں گی تو میں ہی ناں، اب اپنا وعدہ مت بھولو۔'' وہ جو پہلے بیڈ کراؤن سے ٹیک لگائے بیٹھی تھی تھکن کا احساس ہوتے ہی دوبارہ سے تکیے پر سر رکھ کر لیٹ گئی، آمنہ کی گود میں بچے پر دھیان دیئے بغیر جو بھوک سے چلا چلا کر ایک بار پھر نیند کی آغوش میں تھا۔

''پہلے تو جو کچھ بھی تھا شفاف لیکن میں تو یہ سوچ کر حیران ہوں کہ ایک ماں کیسے اتنی سنگدلی کا مظاہرہ کر سکتی ہے؟ اس معصوم کی پیاری شکل دیکھ کر میں اپنے اندر ایک ممتا کا وسیع سمندر اٹھتا محسوس کر رہی ہوں، اس کے پھولوں جیسے نقش دیکھتے دیکھتے آنکھیں نہیں سیر ہو رہیں اور تم حقیقی ماں ہو کر ایسی بے رخی دکھا رہی ہو، میں اپنے وعدے سے انکار نہیں کر رہی نہ ہی ذمہ داریوں سے گھبرا رہی ہوں، بلکہ میں تو اپنے اللہ کا لاکھ شکر ادا کرتی ہوں جس نے مجھ پر کرم کی انتہا کرتے ہوئے ہمارے گھر میں یہ نعمت بھیجی ہے، لیکن تم ماں ہو اس کی، اولاد کے ماں پر بے شمار حقوق ہوتے ہیں، بہر حال اس وقت تم سمجھنے سمجھانے کے موڈ میں نہیں ہو، میں اسے اپنے کمرے میں لئے جا رہی ہوں، تم آرام کرو پھر بات ہو گی۔''

اپنی بات کے جواب میں آمنہ نے اسے بغیر کسی تاثر کے آنکھیں موندے دیکھا تو بچے کو اٹھا کر کمرے سے باہر نکل گئی تھی، پھر ویسا ہی ہوا جیسا اس نے چاہا تھا، ولید اور آمنہ کے جذبات بچے کے لئے جتنے والہانہ تھے اس کا رویہ اتنا ہی بے زاری لئے ہوئے تھا۔ بچے کا نام ولید نے کاشان رکھا تھا، کاشان آمنہ کا ہی بیٹا لگتا، وہی اس کو سنبھالتی تھی، ولید کی شفاف سے محبت اپنی جگہ مگر اپنے لخت جگر سے اس کا رویہ کبھی اسے الجھا دیتا تو کبھی شفاف سے الجھنے پر مجبور کر دیتا، اس دن آمنہ کاشان کو سلا کر کچن میں آئی، حسب معمول ناشتہ بنا کر نوید، ولید کو رخصت کیا، ایک نظر شفاف کے کمرے پر بھی ڈال آئی تھی کہ وہ اٹھ گئی ہو تو اسے ناشتہ بنا کر دے مگر وہ ابھی سوئی ہوئی تھی، تھوڑی دیر بعد شفاف کے اٹھنے پر اس نے اسے ناشتہ بنا کر دے رہی تھی جب آمنہ کے کمرے سے کاشان کے رونے کی آواز آئی، آمنہ نے ایک نظر ناشتے کے انتظار میں کسی سوچ میں گم بیٹھی شفاف کو دیکھا جس پر بچے کے رونے کا چنداں اثر نہ ہوا تھا۔

''تم روٹی دیکھو میں کاشی کو دیکھ آؤں۔'' آمنہ تیزی سے اپنے کمرے کی طرف لپکی۔

''افوہ آمنہ بچے کو روتے ہی ہیں تم مجھے ناشتہ بنا کر دیتی جاؤ، آج مجھے جلدی نکلنا ہے۔''

اس کے اس قدر کٹھور رویے پر آمنہ صرف افسوس ہی کر سکی تھی، سو تاسف سے سر ہلاتی وہ کاشان کے پاس چلی گئی، کاشان کی پیاری صورت پر بے ساختہ ہی اسے پیار آ گیا، شفاف پتہ نہیں کیسی سنگدل ماں تھی، آمنہ اسے لے کر شفاف کے پاس بیٹھی بھی رہتی تب بھی وہ ایک نظر دیکھتی تک نہ تھی اسے، اس کی اس بے گانگی کی کمی ولید کی محبت پوری کر دیتی تھی، آمنہ جب دوبارہ کاشان کو لٹا کر باہر آئی تھی، شفاف کو ٹک سک سے تیار دیکھا تھا۔

''تم کدھر جا رہی ہو؟ خیریت ہے؟''

''کام پر جا رہی ہوں، تمہیں شاید بتانا بھول گئی تھی کہ پارلر میں مجھے جاب کی آفر ہوئی تھی، اس وقت تو میری کنڈیشن ایسی تھی کہ چاہتے ہوئے بھی ہاں نہیں کہہ سکی تھی، کل ان کا

پھر فون آیا تھا، میں نے ہاں میں جواب دے دیا تھا۔'' وہ اطمینان سے اپنے بیگ میں موبائل کی موجودگی چیک کرتے ہوئے بولی۔

''ولید کو بتایا؟'' کسی خیال کے تحت اس نے پوچھا، پرس میں کسی چیز کو چیک کرتے شفاف کے ہاتھ بھر کر رکے تھے۔

''نہیں ٹائم ہی نہیں ملا، جب وہ آئے میں سو رہی تھی، صبح جب اٹھی ہوں وہ جا چکے تھے، آج بتا دوں گی ناں، ویسے میں نے اس آفر کے بارے میں انہیں بتا دیا تھا، اچھا میں چلتی ہوں، پہلے دن ہی لیٹ گئی تو اچھا امپریشن نہیں پڑے گا۔'' آمنہ مزید کچھ کہے یا پوچھے نہ، یہ سوچ کر وہ اسے بولنے کا موقع دیئے بغیر تیزی سے بیرونی دروازہ پار کر گئی تھی، اسے واقعی پارلر کی طرف کام کی آفر ملی تھی مگر یہ کاشان کی پیدائش سے پہلے کی بات تھی، اب کی بار اس کا باہر جانا اپنے کیریئر کی طرف پہلا قدم تھا، ثاقب حسن کے ڈرامے کی شوٹنگ کا پہلا دن، ثاقب اپنے پراجیکٹ کی تکمیل تک کوئی بھی بدمزگی نہیں چاہتا تھا سو اسی کا مشورہ تھا کہ وہ پارلر کی جاب کا بہانہ بنا کر شوٹنگ کرانے آ سکتی تھی، اس لئے اس نے اس کی شوٹنگ کا شیڈول ایسے سیٹ کیا تھا کہ زیادہ سے زیادہ اس نے تین بجے تک فارغ ہو جانا تھا، دو تین اقساط میں تھوڑا کام رات کا بھی تھا، وہ اس نے کہا تھا کہ پارلر کی جاب ایسی ہے کہ جب وہ کہے گی کہ کام زیادہ سیکنڈ شفٹ میں ہے تو شاید وہ اعتراض نہ کریں، ویسے بھی شفاف کو اب کسی کے اعتراض، کسی کی ناراضی کی پرواہ کب رہی تھی اس روٹین کے تیسرے دن ولید نے اسے آڑے ہاتھوں لیا۔

''بس بہت ہو گیا شفاف، کاشان سے پہلے کی بات اور تھی میں تمہارا بچپنا سمجھ کر نظر انداز کرتا گیا ہوں کہ گرہستی اور گھر داری کی ذمہ داریاں شادی کے بعد ہر لڑکی میں شعور اور سنجیدگی لے آتی ہیں، پارلر میں کورسز کرنا تمہارا شوق تھا میں آڑے نہیں آیا، مگر جاب تو بچے کے ساتھ وہ عورتیں کرتی ہیں جنہیں معاشی مجبوریاں گھر سے نکل کر مردوں کے شانہ بشانہ کام کرنے پر مجبور کر دیتی ہیں، ہمارے ساتھ ایسا کوئی پرابلم نہیں ہے، میری تنخواہ بہت زیادہ نہ سہی اتنی تو ہے کہ تمہارا اور کاشان کا آسانی سے خرچہ اٹھا سکتا ہوں، آمنہ بھابھی کی ذمہ داری نہیں ہے ہمارا بچہ، تم بچی نہیں ہو کہ ہر بات تمہیں سمجھانی پڑتی ہے۔'' نرمی سے بولتے بولتے بھی آخر میں وہ تھوڑا سخت لہجہ اپنا گیا۔

''اور میری کوئی زندگی نہیں، کوئی خواب نہیں، نوے فیصد مردوں کی طرح آپ بھی اس لئے مجھے بیاہ لائے کہ ساری زندگی بچے پیدا کر کے پالتی رہوں بس لیکن آپ بھی سن لیں، آج میرے کچھ خواب ہیں جن کو پورا کرنا میرا حق ہے اور اس حوالے سے میں کسی کی نہیں سنوں گی۔'' ولید کے سامنے اس کی ہٹ دھرمی طبیعت پہلی بار اپنی تلخ حقیقت کے ساتھ سامنے آئی تھی، وہ حیرت سے اس کا تلخ رویہ دیکھ کر رہ گیا، جو ابھی تن فن کر کمرے سے باہر گئی تھی، ولید نے غصے میں تکیہ اٹھا کر بند دروازے کو مارا تھا، اسے شفاف کے رویے میں پہلی بار بغاوت نظر آئی تھی، کون سے خوابوں کی بات کر رہی تھی وہ۔

''آزادی کی یا اس سے آزادی کی۔'' پہلی بار غیر جانبداری سے سوچنے پر اسے نظر آیا تھا کہ شفاف کا رویہ تو شادی سے لے کر اب تک بیزاری ہی لئے ہوئے تھا، پہلے پہل جیسے وہ اچانک طے ہو جانے والی شادی پھر اتنی جلدی ماں بننے کے عمل میں کئی لڑکیوں کو جو قدرتی

گھبراہٹ ہوتی ہے وہ سمجھا تھا، مگر کاشان سے بے رخی، مسلسل ضد کر کے پارلر جاتے رہنا، گھر اور گھر والوں سے بیزار رویہ کچھ بھی تو نارمل نہیں تھا۔

کیا وہ کسی اور کو پسند کرتی تھی؟ اس سوچ کے آتے ہی اسے شرارے سے دماغ میں لپکتے محسوس ہوئے، اس کی اس ذہنی کشمکش سے بے نیاز شفاف ان تین دنوں میں ہونے والے کام اور ثاقب حسن کی پرجوش قربت کو سوچ سوچ کر خوش ہوتی رہی اور ابھی کل ہی تو ثاقب حسن نے اسے پروپوز کیا تھا۔

''چھوڑ دو وہ سب کچھ جو تمہیں اتنی تکلیف میں رکھے ہوئے ہے، اب تمہاری جگہ وہ گندی گلیاں، معمولی گھر اور وہ عام آدمی تھوڑا ہے، چند دنوں میں ہی میری شہزادی اپنی سلطنت سنبھال لے گی، میں اب اور نہیں رہ سکتا تمہارے بغیر شفاف۔'' بے حد جذباتی ہو کر جس پل ثاقب حسن نے کہا تھا شفاف سرشار ہی ہو گئی تھی، ایسا ہی شاندار مرد ہونا چاہیے اس کے ساتھ جس کی ہمراہی میں وہ فخر کر سکے جو اسے زمین سے اٹھا کر آسمان کی سیر کرا لائے۔

''میں خود کب وہاں سکون سے ہوں ثاقب، مجھے اپنا آپ قفس میں قید سنہری چڑیا کی مانند لگتا ہے جسے زبردستی قید کی سزا دے دی گئی ہو۔'' ثاقب حسن کے کندھے سے سر ٹکائے وہ افسردگی سے بولی تھی، وہ دونوں کچھ دیر کی بریک میں اس الگ جگہ آ کر بیٹھ گئے تھے، یہ الفاظ، یہ جذبے، یہ جگہ جس پر وہ لٹا رہی تھی وہ اس کا حقدار نہیں تھا، جو سچا حقدار تھا وہ شفاف کے ایسے رویے کے بارے میں سوچ سوچ کر اپنی یادداشت کھونے کے قریب تھا جس رات ان کی تلخ کلامی ہوئی تھی اس سے اگلے دن بغیر کسی شرمندگی کا احساس کیے بغیر وہ اس کے اٹھنے سے پہلے پارلر جا چکی تھی، آمنہ نے قصور وار نہ ہوتے ہوئے بھی نظریں چرا کر اسے بتایا تھا، بھائیوں جیسے پیارے سے دیور اور کزن کا پژمردہ چہرہ دیکھنے کی ہمت نہیں تھی اس میں، اس پل اس کا جی چاہا وہ اس بے حس لڑکی کو جھنجھوڑ کر رکھ دے جس نے اس گھر کو ایک بھی خوشی نہیں دی تھی اپنے بیزار رویے سے ہمیشہ سب کو فکر مند کیے رکھا تھا اور دوسری طرف ثاقب حسن کے علیحدگی کے مطالبے پر وہ پریشان سی کہہ رہی تھی۔

''یقین کرو ثاقب! میں سوچ سے ہی ایسا رویہ اپنائے ہوئے ہوں کہ وہ خود ہی مجھ سے بیزار ہو کر میرا پیچھا چھوڑ دے، اپنے بچے کو اس وجہ سے اپنا عادی نہیں کیا کہ وہ گھر وہ لوگ میری منزل نہیں ہیں مجھے بہت اونچی اڑان بھرنا ہے ابھی مگر اب مجھے لگتا ہے کہ مجھے صاف بات کرنی پڑے گی۔'' وہ حتمی فیصلہ لے کر بولی تھی۔

☆☆☆

''کیا کہہ رہی ہو آمنہ!'' آمنہ کی زبانی ساری بات سن کر اماں ششدر ہی رہ گئیں، ابا کی وجہ سے وہ ان کے گھر بہت کم آ پاتی تھیں مگر فون پر مسلسل رابطہ تھا ان کا، اب جو کچھ آمنہ ان کو بتا رہی تھی وہ ان کے ہوش اڑائے دے رہا تھا۔

''کہاں جاتی ہے؟ کیسی نوکری کرتی ہے جو اسے کبھی کبھی رات کو بارہ بجے بھی آنا پڑتا ہے، ولید نے بھی کچھ نہیں کہا اور...... اور کاشان کو ایک دفعہ بھی گود میں بھر کے نہیں دیکھا اس نامراد نے، یا میرے مالک، میں تو سمجھی تھی اس کی شادی کر کے میں نے خود پر آئی آزمائش کو مختصر کر دیا پر اب یہ کون سی نئی گھڑی آنے والی ہے جس کی ساعتیں میرا دل بے چین کیے رہے رہی ہیں۔''

''پتہ نہیں اماں! ہم تو سمجھے تھے کہ گھر کی اور

بچے کی ذمہ داریوں میں وہ سب کچھ بھول جائے گی، مگر وہ ایسی ہی ضدی اور ہٹ دھرم ہے جیسی پہلے تھی، اپنی بات کہہ کر پوری کرنے والی، ولید تو آج اس کے پارلر جانے کا ارادہ رکھتا ہے کہ یہ کیسا ادارہ ہے جہاں ورکرز کو کام کے حوالے سے دن رات کی کمائی کھسیں نہیں ہے۔''

پارلر اس کا دیکھا بھالا تھا کہ شادی کے شروع کے دنوں میں وہی اکثر شفاف کو بائیک پر ڈراپ کر دیا کرتا تھا، مگر وہاں جب اس نے شفاف کی بابت دریافت کرتے ہوئے ٹائمنگ کے حوالے سے بھی سپروائزر خاتون کی گوشمالی کی، پہلے تو وہ حیران رہ گئیں۔

''دیکھیئے سر آپ کو سخت غلط فہمی ہوئی ہے، یہ شہر کا مشہور اور ایک اچھی ساکھ کا ادارہ ہے جہاں بہت سی ٹریننگ لینے والی لڑکیاں اور آٹھ ورکرز لڑکیاں ہیں، جن کا ڈیوٹی ٹائم صبح نو سے دو بجے تک ہے اور سیکنڈ شفٹ کے لئے دو سے رات نو بجے تک اس کے بعد کوئی کسٹمر آ بھی جائے تو یا تو میڈم خود ڈیل کرتی ہیں ان کی غیر موجودگی میں، یا میں خود، کیونکہ نیچے ہمارا ادارہ ہے اور اوپر ہمارے پورشنز بنے ہوئے ہیں، جہاں میں اور میڈم اپنی اپنی فیملیز کے ساتھ رہائش پذیر ہیں، ہمارے ہاں رات نو بجے کے بعد کوئی ورکر نہیں رکتی اور شفاف نامی ایک ورکر لڑکی پانچ چھ ماہ میں اپنا ایک کورس مکمل کر کے جا چکی ہے، اسے یہاں کام کی آفر بھی دی گئی تھی مگر انہوں نے کہا تھا کہ سوچ کر بتا ئیں گی۔'' جیسے جیسے وہ خاتون بولتی جا رہی تھیں، ویسے ویسے ولید کے چہرے کا رنگ سرخ پڑتا جا رہا تھا، سن ہوتے دماغ کے ساتھ وہ کہیں گر جا کر یکسوئی سے کچھ سوچنا چاہتا تھا، مگر دماغ کو پرسکون رکھنے کی ساری کوششیں دم توڑ رہی تھیں، پھر اس نے اپنی زندگی کا بدترین منظر دیکھا تھا اور بے اختیار دعا کی تھی کہ اس سے پہلے وہ مر کیوں نہیں گیا، گھر سے خود کو چادر میں لپیٹ کر جانے والی شفاف اس وقت ایک بیش قیمت گاڑی میں فرنٹ سیٹ پر موجود تھی، اس کے تن پر موجود سوٹ ولید کا ہی لایا ہوا تھا، سوٹ کا ہمرنگ دوپٹہ سائیڈ پر لاپرواہی سے ڈالے اس شخص سے نہایت بے تکلفی کا مظاہرہ کرتی وہ سو فیصد شفاف ہی تھی، دفعتاً اس کے ذہن میں جھماکا ہوا اور تقریباً سال بھر پہلے کا منظر آنکھوں کے سامنے گھوم گیا جب اس کا بے حجاب انداز دیکھ کر اس نے آنکھوں دیکھی بات بھی جھٹلا دی تھی مگر اب ایک ایک کر کے سارے پردے ہی ہٹ کر اپنی تلخ حقیقت خود آشکار کرتے چلے گئے تھے، شفاف کا وہ بیزار اور کتایا رویہ جس کی اس نے ایک ہزار ایک وجوہات سوچ ڈالی تھیں، یکدم ہی سمجھ میں آ گئی، گاڑیوں کا بڑھتا شور اور مسلسل بجتے ہارن اچانک اسے ہوش میں لے آئے، مخالف سمت کی گاڑی اس کی محبت عزت اور قدر کا جنازہ لے کر نجانے کب کی روانہ ہو چکی تھی۔

☆☆☆

آج وہ بہت خوش تھی، اس کے ڈرامے کی پہلی قسط دو دن بعد آن ایئر ہونے والی تھی ناقدین اور تبصرہ نگار اسے انڈسٹری کا ایک خوبصورت اضافہ قرار دے رہے تھے وہ بہت سی نمبرون اداکاراؤں کا پتہ کاٹنے والی تھی، ثاقب کے ساتھ اسی لئے پہلے لانگ ڈرائیو پھر لنچ کے لئے آئی تھی، آج شوٹنگ کا آف تھا مگر ثاقب کی خوبصورت ہمراہی میں وقت کیسے گزرا پتہ ہی نہ چلا تھا، ایسے وقت میں وہ اپنا سیل آف کر دیا کرتی تھی کہ گھر سے کوئی ڈسٹرب نہ کر سکے، ثاقب نے ہمیشہ کی طرح اسے مین روڈ تک ڈراپ کیا تھا، آگے کی دو ذیلی گلیاں وہ خود ہی چل کر آئی تھی،

برآمدے میں اپنے کمرے کے سامنے ساکت بیٹھے ولید کی نظر بیرونی دروازے سے داخل ہوتی شفاف پر پڑی، وہ کالے رنگ کے لباس پر سفید چادر لئے ہوئی تھی، ایک پل میں ہی گاڑی میں بے تکلفی سے قہقہے لگاتا چادر کے بغیر اس کا سراپا دماغ میں کیا گھوما کہ وہ ایک جھٹکے سے اٹھا تھا۔

''کہاں سے آ رہی ہو تم؟'' اس کے ٹھنڈے برف لہجے میں ایسا کچھ تھا کہ ہمیشہ کی پر اعتماد شفاف گڑبڑا گئی۔

''وہ...... میں...... پارلر......''

''بکواس بند کرو۔'' اس کی بات مکمل ہونے سے قبل ہی وہ اتنی زور سے دھاڑا تھا کہ حلق میں خراشیں پڑ گئی تھیں، وہ ولید جس کی آمنہ نے آج تک صرف دھیمی آواز ہی سنی تھی آج جب سے گھر آیا تھا، سخت بے چین دکھ رہی تھی، اس نے آتے ہی کاشان کو بھی نہیں اٹھایا تھا جیسا کہ روزانہ کی روٹین تھی اس کی، وہ کبھی ٹہلنے لگتا، کبھی ہاتھوں میں سر پکڑ کر کرسی پر بیٹھ جاتا، کبھی ایسا لگتا جیسے مٹھیاں بھینچ کر اپنے غیض کو کم کرنے کی کوشش کر رہا ہو، آمنہ نے ایک دو دفعہ پوچھنے کی کوشش بھی کی تھی۔

''آپ کی بہن آ جائے تو اسی سے پوچھ لیجئے گا۔'' اس نے کہا تھا، آمنہ کا دل بے ساختہ دھڑک کر رہ گیا اس سے آگے کچھ پوچھنے کی جرأت ہی نہ ہو سکی کہ کیا ایسا سن کر یا دیکھ کر آیا ہے جو اس کی غصے سے غیر ہوتی حالت بتا رہی ہے، وہ اس کے آگے چائے کا کپ رکھ کر گئی تھی جو اب تک جوں کا توں رکھا تھا، نوید بھی آج کسی دوست کی شادی میں شرکت کے لئے گئے تھے اور لیٹ آنا تھا، وہ جلے پیر کی بلی کی مانند یہاں سے وہاں پھرتی رہی، ابھی کچھ دیر قبل ہی وہ کاشان کو سلانے گئی تھی جب بیرونی دروازہ کھلنے کی آواز پر وہ چونکی پھر باہر آنے ہی لگی تھی جب اس نے ولید کو شفاف سے بہت سخت الفاظ میں باز پرس کرتے سنا، وہ باہر آتی آتی پھر دروازے کی اوٹ میں رک گئی۔

''اچھا ہے، ولید ذرا سختی دکھائے تو پھر ہی شفاف سدھر سکتی ہے۔'' اس نے سوچا اور باہر جانے کا ارادہ ترک کر دیا۔

''یہ آپ کیسے بات کر رہے ہیں مجھ سے، مجھے ایسے لہجوں کی عادت نہیں ہے۔'' شفاف نے ناگواری سے کہا۔

''ہاں تمہیں عادت ہے دھوکہ دینے کی، جھوٹ بولنے کی، کام کے بہانے آوارہ گردیاں کرنے کی۔'' اس کے غصے سے کہنے پر شفاف ٹھٹک گئی۔

''کیا مطلب؟'' لہجہ ناگوار ہی تھا۔

''سفید کرولا میں بغیر دوپٹے کے ایک غیر مرد کے پہلو سے لگی تم کون سے پارلر کے کام نبٹا رہی تھی۔'' نزدیک آ کر اس کے بازو کو زور سے پکڑ کر وہ اسے اپنے مقابل لا کر اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بولا تھا، اندر کھڑی آمنہ کو لگا جیسے ساتوں آسماں اس کے اوپر آن گرے ہوں۔

''یا اللہ! ہمارے گھر پہ اپنا کرم کرنا اور اس ناعاقبت اندیش کی ہدایات دینا۔'' اس نے بے ساختہ اس گھڑی کے ٹل جانے کی دعا کی جس کے سائے میں ایک گھر کی بنیادی ہلنے لگی تھی۔

''تو یہ تھی تمہارے گریز بے رخی اور بے گانگی کی وجہ جسے میں تمہارا بچپنا سمجھتا رہا وہ تمہارا بچپنا ہرگز نہیں تھا، ایک غیر مرد کی محبت تھی جو میری عزت پر حاوی ہو گئی تھی، تم جیسی لڑکیاں اس قابل ہی نہیں ہوتیں کہ ان کو اس قدر عزت اور محبت دی جائے۔'' وہ غصے سے غراتا ہوا اس کے

بازو پر گرفت سخت کرتا ہوا بولا، اتنی شدت سے کہ تکلیف کے احساس سے شفاف کی آنکھوں میں آنسو آ گئے۔

''ہاں نہیں چاہیے مجھے تم لوگوں سے ایسی محبت اور عزت...... تھک گئی ہوں میں یہ ڈرامہ کرتے کرتے بہت تکلیف ہوتی ہے جب اس شخص سے آپ کو زبردستی دور کر دیا جائے جسے آپ اپنی جان سے زیادہ عزیز رکھتے ہوں اور زبردستی آپ پر ایسے شخص کو مسلط کر دیا جائے جس کا آپ کی سوچ میں کہیں گزر تک نہ ہو، ایسا ہی زبردستی کا فیصلہ تھا یہ شادی، میں محبت کرتی ہوں ثاقب حسن سے، شادی کرنا چاہتی ہوں، وہ میری زندگی میں آنے والا پہلا مرد ہے جس کا نام میرے دل کی سرزمین پر کھدا ہے کبھی نہ مٹنے کے لئے، وہی مجھے میرے خوابوں کی منزل دینے والا ہے، اس گھر میں تمہاری زندگی میں میرا آنا میری خواہش ہرگز نہیں تھی، ایک ایسی بلیک میلنگ کا شکار ہوئی تھی میں جو ایسے وقت میں ستر فیصد لڑکیوں کے ساتھ کر کے ان کو زندہ درگور کر دیا جاتا ہے، میں نہیں رہ سکتی تمہارے ساتھ مجھے طلاق چاہیے طلاق۔'' چیخ چیخ کر اپنی محبت کے قصے سناتی شفاف نہیں جانتی تھی کہ اس کے الفاظ نہیں تھے تیز دھار آلات تھے جو جیسے جیسے وہاں موجود نفوس کی رگوں کو کاٹ کاٹ کر اذیت سے دوچار کر رہے تھے ویسے ہی ان کی ضربیں اس کے گھر کی بنیادوں کو کمزور کر رہی تھیں، آمنہ تڑپ کر کمرے سے باہر آئی تھی اور روتی ہوئی شفاف کو بے دردی سے پیٹ ڈالا۔

''بے غیرت، بے حیا مر کیوں نہیں گئیں ایسے الفاظ منہ سے نکالنے سے پہلے۔'' وہ خود بھی رو رہی تھی اندر کاشان زور زور سے رو رہا تھا۔

''مت کریں بھابھی، یہ ایک بار اشارے میں بھی کہہ دیتی مجھے تو خدا کی قسم مجھے چچی کے پاؤں بھی پکڑنے پڑتے میں وہ بھی کر کے منا لیتا ان کو اور اسی سے اس کی شادی کرا دیتا، اتنی محبت تھی مجھے اس سے۔'' اس کے ٹوٹے لہجے اور الفاظ پر آمنہ پلٹ کر ولید کی طرف مڑی۔

''نہیں نہیں ولید یہ نادان ہے، بے وقوف ہے میں اس کو سمجھا لوں گی، تم کوئی آخری قدم مت اٹھانا، کاشان کا ہی سوچ لو تم لوگ۔'' آمنہ نے منت کرتے ہوئے پہلے ولید اور پھر شفاف کے آگے ہاتھ جوڑے۔

''ہونہہ، اس کا اس گھر میں میری زندگی میں آنا تم لوگوں کی خواہش تھی میری نہیں، میری زندگی پر میرا بھی کچھ حق ہے، میں کچھ بن کر دکھانا چاہتی ہوں، یہ گھر، تم لوگ میری منزل نہیں ہو، میں ڈراموں میں کام کر رہی ہوں، ایک ڈرامہ مکمل ہونے کو ہے اور ایک فلم بھی سائن کی ہے میں نے۔'' ہر بار کی لگائی گئی ضرب پہلے سے زیادہ شدید تھی اور دل اور روح پر پڑنے والی چوٹ شدید تر، آمنہ کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں، اس نے بے ساختہ اپنے دل پر ہاتھ رکھ لیا اور ولید احمد گویا اس پل کسی برف کی سل میں تبدیل ہو گیا تھا۔

''میں ولید احمد بقائمی ہوش و حواس تمہیں طلاق دیتا ہوں۔'' تین بار یہ الفاظ دہرانے کے ساتھ ہی زمین پر موجود ایک آدم اور حوا کی دنیاوی دنیا ٹوٹ گیا تھا، اللہ ناراض ہوا تھا، شیطان کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا، اللہ کو ناراض کرنا بھلا معمولی کام تھوڑا تھا، ولید آہستہ آہستہ کسی ہارے جواری کی مانند چلتا آمنہ کے کمرے کی جانب بڑھ گیا تھا جہاں کاشان مٹھیاں بھینچ بھینچ کر گویا اس گھر کے نقصان پر رو رہا تھا، ولید احمد نے بے ساختہ اسے اٹھا کر سینے سے لگا لیا، دو گرم آنسو اس

کی آنکھوں سے نکلے پھر ننھے کاشان کے گھنے بالوں میں کہیں کھو گئے، باہر آمنہ زور زور سے روتے چلاتے ہوئے شاید اسے گالیاں دے رہی تھی، کوس رہی تھی، مگر اب اس سب کا کوئی فائدہ نہیں تھا۔

''نہیں۔'' آمنہ نے جیسے ہی فون پر روتے ہوئے اماں کو یہ ساری بات سنائی تھی، دل پر ہاتھ رکھے وہ وہیں پر ڈھے گئی تھیں، پھر کبھی نہ اٹھنے کے لئے، کسی بھی ملال کی پرواہ کیے بغیر شفاف نے فوراً بیگ سے سیل نکال کر آن کیا تھا اور ثاقب حسن کو مختصراً ساری بات سنا کر فوری پہنچنے کو کہا تھا، اب اس گھر سے اس کا کوئی تعلق نہیں تھا، کچھ بھی لئے بغیر وہ انہی کپڑوں میں انہی قدموں پر واپس پلٹ کر اس گھر کی دہلیز پار کر گئی تھی جب ثاقب حسن نے اسے تھوڑی دیر بعد باہر آنے کو کہا تھا، ایک نہیں دو قیامتیں تھیں جو اس گھر کے مکینوں پر ٹوٹی تھیں، شفاف کا اس گھر سے طلاق لے کر چلے جانا ہی بہت بڑا دکھ تھا، ہمیشہ لو دینے والا، داغ تھا کبھی نہ مٹنے والا، ناشعور تھا ہمیشہ رسنے والا کہ اماں بھی یہ غم سہار نہ پائیں اور انہیں روتا بلکتا چھوڑ کر یہ دنیا چھوڑ گئی تھیں، ابا اس گھر میں اماں کی یادوں کے سہارے اکیلے رہ گئے تھے آمنہ اور نوید ایک بار پھر انہیں اپنے ساتھ لے جانے کو آئے تھے مگر جواباً اماں کی زندگی میں اماں کے ساتھ بیٹی کے گھر پر جا کر رہنا گوارا نہ کر سکے تھے وہ ان کے جانے کے بعد کیسے گوارا کرتے، قدرت نے ان کی شریک حیات لی تھی تو ان کو دوبارہ سے چلنے پھرنے کی ہمت بھی عطا کی تھی سو انہوں نے سہولت سے انکار کرتے ہوئے کہا تھا۔

''بس بچے، اب تو جو چند سانسیں بچی ہیں صرف انہی کے ختم ہونے کا انتظار ہے، یہ گھر جہاں تمہاری ماں بیاہ کر آئی، تم لوگ پیدا ہوئیں، پلی، بڑھیں، اب تو یہی یادیں ہی سرمایہ حیات ہیں، اس عمر میں اس سرمائے کو مجھ سے جدا مت کرو بچے، خوش رہو، جیتے رہو۔'' ان کا لرزتا ہاتھ آمنہ کے سر پر آن ٹکا اور اس کی گود میں لیٹے خود کو ٹکر ٹکر دیکھتے کاشان کو دیکھتے بے ساختہ وہ بدنصیب یاد آئی اس کے کرم یاد آئے اور ایک ہوک سی دل سے نکلی تھی۔

☆☆☆

طلاق کے بعد کا کچھ عرصہ اس نے ثاقب حسن کے کسی دوست کے گھر پر گزارا تھا، اس کا ڈرامہ ہٹ ہوتے ہی وہ شہرت کی بلندی کو چھونے لگی تھی پھر جس دن اس کی فلم کا افتتاح ہوا اس نے ثاقب حسن سے سادگی سے نکاح کر لیا تھا، کچھ ہی دنوں میں جیسے اس کی ساری محرومیاں مٹ گئیں تھیں، وہ خوش تھی، بے حد خوش ایک پل کو بھی نہ تو اسے بھولے بسرے لوگ یاد آئے تھے، نہ بھولے بسرے رشتے، اس کی فلم کی شوٹنگ تین ملکوں میں ہونی تھی، اس کے اصرار اور خواہش پر ثاقب حسن بھی اس کے ساتھ تھا، ڈھائی ماہ کا یہ خوبصورت وقت گویا انہوں نے ہوا کے رتھ پر سوار ہو کے کیا تھا۔

آج کتنے ہی دن بعد وہ تھکا دینے والے شوٹنگ شیڈول سے فارغ ہو کر اپنے بے حد خوبصورت اور وسیع وعریض گھر پر تھی، مالکانہ احساس کے تحت گھر کے ایک ایک کونے میں پھرتی وہ بے حد خوش تھی، خوبصورت گھر، خوبصورت شوہر، ہن کی طرح برستی دولت، آسمان کی بلندی کو چھوتا اس کا نام، دیوانہ وار اس کے حسن کو سراہنے والے لوگ جو اس کی ایک جھلک کو ترستے رہتے، دن میں اگر سینکڑوں ہزاروں گھڑیاں تھیں تو وہ سینکڑوں ہزاروں بار اپنے

فوری فیصلے پر رشک کرتی، خود پر فخر کرتی، ثاقب حسن گزشتہ تین دن سے شہر سے باہر تھا، سو اس کے لئے راوی چین ہی چین لکھ رہا تھا، اس صوفے پر دراز ہوتے ہوئے ریموٹ ہاتھ میں لیا اور سامنے بڑی سی سکرین روشن ہوتے ہی اس میں مگن ہوگئی۔

☆☆☆

گھپ اندھیری رات کا سا منظر تھا جو اس گھر پر گزشتہ کئی ماہ سے رکا ہوا تھا، کاشان کے رونے اور کھلکھلانے کی آواز سے چھایا سکوت لمحہ بھر کو ٹوٹتا پھر ویسا ہی بیزاری اور یاسیت بھرا وقت ٹھہر جاتا، اس گھر کے مکینوں نے اس لڑکی کو کئی بار آتے جاتے شہر کے بڑے بڑے بل بورڈز پر مسکراتے، اتراتے دیکھا تھا، کبھی وہ ٹی وی پر بھی غیر مردوں کی بانہوں میں بانہیں ڈالے نظر آتی تھی، ایسے میں نہ چاہتے ہوئے بھی سب ایک دوسرے سے نظریں چرانے پر مجبور ہو جاتے، آمنہ نے بہت دنوں بعد آج ولید کو گھر پر دیکھا تھا ورنہ تو وہ صبح کا نکلتا تو رات گئے ہی گھر میں داخل ہوتا تھا، اسے کمرے میں داخل ہوتے دیکھ وہ فوراً چائے بنا کر اس کے کمرے میں چلی آئی تھی۔

''پھر تم نے کیا سوچا ولید؟'' سگریٹ پیتے ولید کو اس کے آنے کی آہٹ بھی محسوس نہ ہوئی تھی، وہ چونک کر سیدھا ہوا پھر سگریٹ کو سامنے پڑی ایش ٹرے میں بجھا کر سیدھا ہوا۔

''کس بارے میں بھابھی؟'' اس نے انجان بننے کی حد کرتے ہوئے کہا حالانکہ مسلسل ایک ڈیڑھ ماہ سے نوید اور آمنہ کا اصرار تھا کہ اسے شادی کر لینی چاہیے مگر اپنے سابقہ تلخ تجربہ کے پیش نظر وہ اس امر سے انکاری تھا، مگر ان دونوں کا مسلسل اصرار پہلے اسے دوٹوک انکار اور اب چپ رہنے پر مجبور کر گیا تھا۔

''ہر لڑکی ایک جیسی نہیں ولید میرے بھائی؟ تمہیں ایسے دیکھ کر مجھے خود پر افسوس ہوتا ہے کہ اس نے ایک دو بار تمہارا ذکر کرنے پر جیسے منہ بھر کر انکار کیا تھا مجھے اسی سے ہی سمجھ جانا چاہیے تھا اور تمہیں بھی سمجھا دینا چاہیے تھا پھر شاید ایسا نہ ہوتا، اب جب تک تمہیں خوش نہیں دیکھ لیتی، خود کو مجرم محسوس کرتی رہوں گی۔'' آمنہ نے بھرائی آواز میں کہا۔

''خوشیاں شادی سے مشروط نہیں ہوتیں آمنہ بھابھی، ایسا ہوتا تو ہر شادی شدہ فرد خوش ہوتا، آپ کو کچھ بھی سوچنے کی ضرورت نہیں ہے نہ پریشان ہونے کی، میری اور ہم سب کی زندگی میں ایسا ہونا لکھا تھا تو یہ تو ہو کر ہی رہنا تھا، میں یہ نہیں کہتا کہ عمر بھر شادی نہیں کروں گا، کروں گا، مگر اس کے لئے مجھے تھوڑا وقت دیں اور لڑکی کیسی ہو اس کے لئے بھی میری ایک شرط ہو گی۔'' اس کے اس طرح کہنے پر آمنہ کے چہرے کی رونق لوٹ آئی تھی کہ شکر ہے وہ راضی تو ہوا، لڑکی جیسے جو اور جیسی بھی ہوتی شفاف سے ہر گز کم نہیں ہو سکتی تھی۔

''تھینک یو میرے بھائی، یقین کرو مجھے بہت ہلکا کر دیا تم نے، میری تمام دعائیں تمہارے ساتھ ہیں، اللہ تمہیں تمہاری روٹھی ہوئی تمام خوشیاں دے آمین۔'' آمنہ چائے کا خالی کپ اٹھا کر اٹھ کھڑی۔

☆☆☆

''اتنا بڑا دھوکہ، اتنا بڑا فریب ثاقب، میری زندگی کا کون سا ایسا گوشہ تھا جو میں نے پوشیدہ رکھا تم سے اور تم اتنی بڑی بات چھپا گئے کہ تم نہ صرف شادی شدہ ہو بلکہ دو بچوں کے باپ بھی ہو۔'' ہاتھ آئی ہر چیز اس پر پھینکتی وہ چلا رہی تھی رو رہی تھی، چیخ رہی تھی، اس کی دوسری فلم بھی تکمیل

کے مراحل میں تھی مگر اس بار شفاف کی خوشی کا تناسب پہلی کی مقابلے میں ذرا کم تھا کہ ثاقب حسن جو شادی کے شروع کے دنوں میں مہینے میں کوئی ایک آدھ چکرا اپنے آبائی گاؤں کا لگا لیا کرتا تھا، وہاں اس کے ماں باپ پورا خاندان آباد تھا، اب ہفتے میں ایک چکر تو لگ ہی جاتا تھا اس کا اور کبھی وہ ایک چکر دو تین پر محیط ہوتا تو کبھی تین دن پر، فون پر وہ ملتا ہی نہیں تھا کہ گاؤں کا نمبر اس کے پاس تھا نہیں اور ثاقب حسن جب گاؤں جاتا اس کا نمبر آف ملتا تھا، پھر شفاف کے پرسنل سیکرٹری نے اس شرط پر اسے بتایا تھا کہ اس کا نام درمیان میں نہ آئے تو ہی وہ بتا سکتا ہے کہ وہاں نہ صرف اس کا پورا خاندان بلکہ خاندانی بیوی بھی دو عدد بچوں کے ساتھ موجود ہے، وہ کتنی ہی دیر ساکت بیٹھی اس کی طرف دیکھتی رہ گئی تھی۔

''معاف کیجئے گا میڈم، ثاقب حسن کے بارے میں تو ساری انڈسٹری جانتی ہے کہ دولت اور حسن دو چیزوں کے شیدائی ہیں، ان کی پہلی بیوی میں یہ دو خوبیاں تو ہیں سو ہیں تیسری خوبی جو سب سے بھاری ہے وہ ان کا خاندانی ہونا ہے، پتہ نہیں آپ کو ان کے بارے میں کسی نے کیوں نہیں بتایا، آپ سے پہلے رینا نامی اداکارہ کو تو دیکھا ہی ہوگا آپ نے، اس کی مالا جپتے نظر آتے تھے ثاقب صاحب، جب تک وہ ان کو اپنے حسن اور دولت سے مستفید کرتی رہی صاحب آگے پیچھے پھرتے رہے پھر اس راہ میں اس کو کوئی اور مسافر مل گیا تو وہ اس کی ہوگئی اور صاف کو لفٹ ملنی بند ہوگئی، اس کے چار پانچ ماہ بعد ہی ثاقب صاحب آپ کو اس نگر میں لے آئے۔'' الفاظ نہیں کوڑیالے ناگ تھے جو اپنا زہر پھینک پھینک کر اس کو بھسم کیے دے رہے تھے، عورت لاکھ بدگمان، ناراض سہی مرد کا محبت بھرا لہجہ اس کی ساری بدگمانی ناراضی بہا لے جاتا ہے۔

''شفاف میری جان، میری زندگی، ہاں یہ سچ ہے کہ میں پہلے سے شادی شدہ دو بچوں کا باپ ہوں، تم سے چھپایا بھی تو اس لئے کہ تمہیں تکلیف نہ ہو، میں اگر وہاں جاتا بھی ہوں تو صرف اپنے ماں باپ اور بچوں کے لئے اس عورت سے میرا کوئی تعلق نہیں سوائے اس کی وہ میرے نام کے سائے میں میری چھت کے نیچے بیٹھی ہے ایک زبردستی اور مجبوری کے سودے کے عوض ہمارے ہاں شادیاں آپس میں ہی کرنے کا رواج ہے، میری بہن میری بیوی کی بھابھی ہے، شادی سے انکار کی صورت میں ان ظالموں نے میری بہن کو تین معصوم بچوں سمیت گھر سے نکال دیا کہ جب تک ثاقب شادی کے لئے ہاں نہیں کرتا ماں باپ کے گھر پر ہی رہنا، انکار کی صورت میں عمر بھر وہیں رہنا، طلاق مل جائے گی، بس بہن کی زندگی، گھر گرہستی بچانے کو یہ کڑوا گھونٹ پینا پڑا تھا۔'' وہ سر جھکائے ہولے ہولے اپنی مجبوری کی داستان سنا رہا تھا، ثاقب حسن جیسا گھاگ کھلاڑی جانتا تھا کہ کس وقت لوہا گرم ہوتا ہے اور کب چوٹ زیادہ اثر کرے گی سو شفاف جیسی لڑکی کو پٹانا کون سی مشکل بات تھی، اپنی مجبوری کے قصے کے بعد شفاف سے عشق کی روداد تھی، اس کے حسن کو سراہنے کے الفاظ و انداز تھے جس کے بعد شفاف سب کچھ بھول گئی تھی، اس کی محبت کے والہانہ مظاہرے نے پہلی بیوی کے ہونے کو بے تحاشا شاپنگ نے دو بچوں کے غم کو ختم نہیں تو کم ضرور کر دیا تھا۔

☆☆☆

ہر انسان کو اس کے حصے کی خوشیاں ضرور ملتی ہیں، اسے اپنے صبر اور اپنی دعاؤں پر یقین تھا، آج جب کاشان دو سال کا ہونے کو آیا تھا، اللہ

نے اس کی جھولی بھر دی تھی، وہ ایک بیٹی کی ماں بن گئی تھی، اس عرصہ میں ولید کی بھی شادی ہوگئی تھی اوراس کوتین ماہ ہونے کوآئے تھے، اس نے اپنے آفس میں کام کرنے والی اپنے سے چند سال بڑی عقیلہ کا انتخاب کیا تھا جسے بانجھ ہونے کی پاداش میں اس کے شوہر نے طلاق دے دی تھی اب وہ اپنے بھائی کے گھر تھی وہاں بھی بھابھی اپنی باتوں سے جینا حرام کیے رکھتیں، شروع سے ہی اکٹھے کام کرنے کی وجہ سے ولید کو اس کے تقریباً حالات پتہ ہی تھے، سو جب بھی وہ اپنے دکھڑے نازیہ سے بیان کرتی بظاہر کام کرتے ولید کے کانوں میں بھی بہت کچھ پڑ ہی جایا کرتا تھا، پھر شادی کے لئے ہاں کرتے ہی اس کے ذہن میں عقیلہ کا سراپا در آیا، آمنہ کو بتاتے ہی اس نے دیر نہیں کی تھی اوراسے بیاہ کر لے آئی تھی، عقیلہ نے اس سب کو مایوس نہیں کیا تھا، کاشان کو اپنی گود میں یوں سمیٹ لیا تھا گویا اس کی بچھڑی ماں وہی ہو، آمنہ کو بھی گویا بہن مل گئی تھی، ولید کے کہنے پر اس نے جاب چھوڑ دی تھی، کاشان تو اس کا ایسا عادی ہوا تھا کہ آمنہ کے پاس بھی کم ہی جاتا، مشکل سے ہی سہی زندگی کی ریل گاڑی اب رک رک کر ہی سہی چلنے لگ پڑی تھی۔

☆☆☆

''کیا کہہ رہے ہو ثاقب؟ میں کیسے جاسکتی ہوں اور کیوں جاؤں بھلا؟ فلم کے یونٹ کے ساتھ جانا اور بات ہے وہ میرا پروفیشن ہے مگر اس طرح کیسے؟'' وہ شاید سمجھی نہیں تھی یا جان بوجھ کر انجان بن رہی تھی۔

''اس میں اتنا حیران ہونے والی کون سی بات ہے، خانزادہ صاحب جو اس کی دوسری فلم جو کہ مارکیٹ میں آنے کو بس تیار ہی تھی کے پروڈیوسر تھے، پچپن ساٹھ سالہ خانزادہ صاحب کو شفاف اتنی بھائی تھی کہ وہ اس کی شوٹنگ دیکھنے بھی تقریباً روز ہی پہنچ جاتے تھے، دو تین دفعہ صرف اس کی وجہ سے پورے یونٹ کو بہترین قسم کا لنچ و ڈنر بھی کرا چکے تھے، مقصد شفاف کے ساتھ کچھ دیر قربت تھی، شفاف بھی بہت اچھی طرح سے پیش آئی تھی ان کے ساتھ، مگر ان کی، کی گئی تعریفوں کو اپنا حق سمجھ کر قبول کیا تھا، مگر اب ایک ناقابل فہم بات جو ثاقب نے اس سے کہی تھی کہ خانزادہ صاحب ایک ہفتہ کے لئے اسے بھوربن لے جانا چاہتے ہیں۔

''افوہ شفاف اس میں اتنا حیرانگی و پریشانی کی کیا بات ہے اس ملک میں ہزاروں کی تعداد میں ہے تمہارے فینز کی تعداد، خانزادہ صاحب کو بھی پسند ہو تم اور تمہارا کام، بس کچھ دن تمہارے ساتھ گزارنا چاہ رہے ہیں سکون سے، اوراب جو بات تمہیں بتاتے لگا ہوں وہ سن کر تو شاید تم اچھل ہی پڑو، ڈیفنس میں جس خوبصورت بنگلے کو دیکھ کر تم مچل گئی تھی اور جس کے خریدنے کے لئے تم سرمایہ اکٹھا کر رہی ہو وہ خانزادہ صاحب نے تمہارے لئے لے لیا ہے، اب اس وزٹ میں وہ یہ تمہیں گفٹ کریں گے۔'' اب کی بار بات شفاف کی سمجھ میں آئی کہ اس کا دماغ بھک سے اڑ گیا، ثاقب حسن اسے یعنی اپنی بیوی کو کسی غیر مرد کے ساتھ وقت گزارنے کے لئے بھیجنا چاہ رہا تھا اور جس کی قیمت بھی طے ہو چکی تھی۔

''کیا ایسی ہی کوئی آفر تم اپنی خاندانی بیوی کو دو گے ثاقب حسن؟''

''کیا بکواس کر رہی ہو تم شفاف، اس کا یہاں کہاں سے ذکر، وہ گھر میں رہنے والی عورت ہے اور تم فلموں میں کام کرنے والی ایک ایکٹریس۔''

''لیکن ہیں تو دونوں عورتیں ہی ناں ثاقب، دونوں ہی تمہاری بیویاں ہیں پھر ایک کو تم نے از خود شریف قرار دے کر دوسری کو بازاری بنا دیا، تمہیں غیرت بھی نہیں آئی خانزادہ سے یہ سودا طے کرتے ہوئے، کسی غیر مرد کے پاس اس کا وقت رنگین کرنے کے لیئے۔'' کہتے ہوئے وہ چلائی۔

''مجھے غیرت نہیں آئی تو تم نے کون سا شرم کی تھی شفاف جب اس کے ساتھ ہنس بول کر باتیں کیں، اکیلے میں لنچ ڈنر اڑائے، مہنگے مہنگے تحائف لیئے، اب تمہیں غیرت یاد آئی ہے۔'' وہ بھی تلخ ہوا۔

''وہ میرے پروفیشن کا تقاضا تھا۔''

''تو اس چیز کو بھی اپنے پروفیشن میں شمار کر لو، مجھے کوئی اعتراض نہیں ہے تو تم کیوں اتنا اوور ری ایکٹ کر رہی ہو؟'' اب کی بار وہ پھر سے نرم لہجہ اختیار کر گیا، شفاف بس چپ چاپ اسے دیکھے گئی، نجانے کہاں سے دو آنسو پھسل کر اس کے شفاف چہرے پر سے ہوتے ہوئے نیچے گر کر بے مول ہو گئے۔

☆☆☆

آمنہ بے ساختہ ساکت رہ گئی تھی، کتنا ہی عرصہ ہو گیا تھا اس کو دیکھے ہوئے مگر آج اسے ٹی وی سکرین پر دیکھ کر وہ پلکیں بھی نہ جھپک سکی، پہلے سے کہیں زیادہ خوبصورت، کہیں زیادہ خود اعتماد، مگر نجانے کیوں آنکھوں میں اداسی کی رمق دکھائی دیتی تھی آمنہ کو، عقیلہ نے اس کو حقیقی بہن کا سا سکھ دیا تھا، اب بھی عقیلہ نوید اور ولید کو ناشتہ بنا کر دینے کے بعد وہ ان دونوں کا ناشتا بنا کر لاؤنج میں لے آئی تھی اور حسب عادت ٹی وی آن کر لیا تھا، کوئی مارننگ شو تھا جس میں وہ مدعو تھی آمنہ کا منہ کی طرف نوالہ لے کر جاتا ہاتھ وہیں ٹھہر گیا۔

''اپنی کامیابیوں میں کس کو شریک ٹھہراتی ہیں شفاف!'' ہوسٹ کا سوال سن کر وہ اداسی سے مسکرائی تھی یا شاید آمنہ کو ہی ایسا لگا تھا۔

''آمنہ کتنی خوبصورت ہے ناں یہ ایکٹریس۔'' وہ جو اس کا جواب سننا چاہ رہی تھی عقیلہ کی بات سن کر چونک اٹھی۔

''ہوں۔'' اس نے کہا اور پھر سے ٹی وی کی طرف متوجہ ہو گئی۔

''بچے؟ ارے کیسی بات کر رہے ہیں ابھی تو میرے کھیلنے کودنے کے دن ہیں۔'' ہوسٹ کے سوال پر اس نے اونچا مگر کھوکھلا قہقہہ لگا کر کہا تھا۔

''اپنے بہت ہی پیارے لوگوں کا دل مت دکھائیں کبھی، کہ اپنے کبھی آپ کو بد دعا نہیں دیتے مگر ان کا صبر آپ کو جینے بھی نہیں دیتا۔'' آخر میں ہوسٹ کے کہنے پر جو آخری بات اس نے کہی تھی اس سے نجانے کیوں اس کی آنکھیں نم ہو گئی تھیں اور آمنہ نے اپنے آنسوؤں کو بمشکل روکا تھا۔

☆☆☆

''کچھ بھی ہو، میں تمہاری یہ خواہش ہرگز پوری نہیں کر سکتا، کس چیز کی کمی ہے تمہارے پاس، دولت، جائیداد، گھر، بینک بیلنس، شہرت، خوبصورتی، پھر مجھے یاد ہے تم خود کبھی بچے پسند نہیں کرتی تھی۔''

''یہ میرا حق ہے ثاقب حسن، خدا کے لیئے مجھے اس سے محروم مت رکھو، پہلے کی بات اور تھی مگر اب میں ماں بننا چاہتی ہوں میں نے تمہاری ہر بات ہر خواہش مانی ہے اور تو اور اپنی عزت تک کو قربان کر دیا بدلے میں میری صرف ایک ہی خواہش ہے۔'' وہ گڑگڑائی تھی۔

''میرے اوپر الزام مت دو شفاف یہ صرف میری خواہش نہیں تھی، تمہارے خواب تھے جن کی تعبیر پانے کو تم نے سب کچھ کیا ورنہ اگر تم چاہتی تو میں زبردستی تو نہیں کر سکتا تھا، لیکن میں تمہاری یہ خواہش پوری کرنے سے قاصر ہوں، میں نے خود سے اور میرے خاندان سے عہد ہے کہ میری اولاد صرف میری خاندانی بیوی سے ہو گی۔'' اس نے وہی بات پھر دہرائی تھی جو پچھلے تین سال سے دہرا رہا تھا، شفاف کچھ دیر اس کا بے چین چہرہ دیکھتی رہی پھر ہاتھ میں آئی ہر چیز اس کو مارتی گئی اور روتی گئی۔

''میں نے تمہارے کہنے پر خود کو برباد کر دیا، گھر بار چھوڑ دیا جان لٹانے والے شوہر سے طلاق لے لی، اپنے معصوم بچے کو نظر بھر تک نہ دیکھا۔'' ایسی باتیں اور فرسٹریشن کے وقت پڑنے والے ایسے دورے اب ان کی زندگی کا معمول تھے۔

تین سال پہلے خانزادہ کی پیشکش سختی سے ٹھکرا دینے والی شفاف کو جیسے ہی ثاقب حسن کی سوچ اور اپنی اہمیت پتہ چلی تھی کہ وہ صرف اس کے لئے سونے کا انڈہ دینے والی مرغی تھی اور جس دن اس نے انڈہ دینا چھوڑا وہ اسے لات مار کر اپنی زندگی سے نکالنے میں ایک لمحہ نہیں لگائے گا، احساس گناہ، احساس زیاں کس کس پچھتاوے نے اس کا دامن نہیں پکڑا تھا، پھر اس نے خود کو سزا دینے کا فیصلہ کیا تھا، اس نے ثاقب حسن کی ہر بات مانی تھی اپنی تذلیل اس سے بڑھ کر وہ اور بھلا کیا کرتی کہ آئے روز اس کا نام نہاد شوہر اس کے دن اور راتیں بیچ کر اس کے دام کھرے کرنے لگا، ہر بار اپنی ذات، اپنے وجود کو ملنے والی اذیت پر وہ خوش ہوتی کہ اس نے جو کچھ اپنے پیاروں کے ساتھ کیا یہ تو بہت کم تھا، انہی دنوں اسے ڈپریشن کے دورے پڑنے لگے وہ فرسٹریشن کا شکار ہو گئی، پھر ایسی حالت میں ایک ننھا منا لمس اسے بے چین بے قرار کر دیتا، اس کا بس نہ چلتا کہ وہ وقت کا پہیہ الٹا کر پیچھے لے جائے سب کے پاؤں پڑ کے گڑگڑا کر معافی مانگے، اپنے کاشان کو سینے سے لگا کر بھینچ لے اور پھر سے سب کچھ ویسا ہو جائے، اس کے بچے کی خواہش پر پہلے تو ثاقب حسن اسے بہلاتا رہا کہ وہ ملک کی نمبر ون ہیروئین ہے ان چکروں میں پڑ کر اپنا فگر تو خراب کرے گی سو کرے گی اپنی اہمیت بھی گنوا دے گی تو کتنے سالوں کی محنت سے اس نے بنائی تھی مگر اس کے اصرار پر اس نے بھی دو ٹوک انکار کر دیا تھا۔

جس دن ثاقب حسن نے اس کے دو نئے پراجیکٹ سائن کیے اس نے اپنی زندگی کا ایک عجیب فیصلہ کیا اور کئی دن کے تھکے ہوئے دماغ نے کچھ سکون محسوس کیا تھا۔

''جی میڈیم آپ کا کام ہو جائے گا مگر پیسے وقت پر مل جانے چاہیں۔'' دوسری طرف سے آتی ایک کرخت آواز کو اس نے غور سے سنا۔

''مل جائیں گے تمہاری اوقات اور کام سے زیادہ ملیں گے مگر خیال رکھنا ہے کہ تیزاب ایسے ڈالنا ہے کہ اس کا خوبصورت چہرہ ہمیشہ کے لئے مسخ ہو جائے۔'' کہتے ہوئے اس کی خوبصورت آنکھوں میں پانی بھر آیا، پھر دوسری طرف سے تسلی ہو جانے کے بعد اس نے کتنی ہی دیر آئینے کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے چہرے کے نقوش کو ہاتھ لگا لگا کر چھوا تھا۔

''اماں......'' اس کے منہ سے ایک کرلاتی ہوئی آواز نکلی اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑی۔

اس دن دو لوگوں پر وہ رات بے حد بھاری تھی، ایک وہ جس سے اس کا خون کا رشتہ تھا،

ایک وہ جس سے اس کا دل سے رشتہ تھا، دونوں ہی کروٹیں بدل بدل کر اپنی اس بے چینی کی وجہ سوچ رہے تھے، ولید سگریٹ سلگا کر باہر آ گیا، چار سالہ کاشان اپنی ماں سے لپٹ کر سو رہا تھا، باہر آ کر تخت پر بیٹھی آمنہ پر اسے کسی سائے کا گمان ہوا۔

''کیا ہوا بھابھی؟ خیریت باہر کیوں بیٹھی ہیں؟''

''ویسے ہی نیند نہیں آ رہی تھی ولید، تم کیوں جاگ رہے ہو؟ کچھ چاہیے؟'' آمنہ کی تھکی ہوئی آواز پر یاسیت سے مسکرایا۔

''نہیں گھٹن سی ہو رہی تھی، سو باہر آ گیا۔''

پھر آمنہ کی موجودگی میں اسے باہر بیٹھنا ہرگز مناسب نہیں لگا سو واپس کمرے کی جانب آ گیا، حالانکہ گھٹن ویسے ہی برقرار تھی۔

سوئے ہوئے ابا کی اچانک ہی آنکھ کھلی وہ اٹھ کر بیٹھ گئے۔

''یا الٰہی خیر، میرے اور سب کے بچوں کو اپنی امان میں رکھنا۔'' دل بے حد تیز رفتاری سے دھڑک رہا تھا جبکہ شدید سردی میں وہ پسینے سے نہائے ہوئے تھے، آج بہت دنوں بعد اس کو خواب میں دیکھا تھا وہ جوان کی بے حد لاڈلی تھی اور بڑے لاڈ سے دھڑلے سے اپنی ہر فرمائش منوا لیا کرتی تھی، پھر اپنی بیماری کے دنوں میں انہوں نے اسے رشتوں سے بے حد بے پرواہ دیکھا ابا کے پاس بھی تب آتی جب اماں کسی کام سے بھیجتیں ورنہ تو سرسری سا ان کی طبیعت کا پوچھ کر چلی جاتی، پھر جب وہ ذرا بہتر ہونے لگے تھے کہ اماں نے اس کی شادی کر دی تھی، شادی کے بعد اس کا رویہ سب سے بہت روکھا اور بیزار ہو گیا تھا وہ ہفتوں ان کے گھر نہ آتی پھر اس کے اٹھائے گئے ظالمانہ قدم نے اماں کو جینے نہ دیا تو زندہ درگور تو انہیں بھی کر ڈالا تھا، اب جب بظاہر اس کی زندگیوں کے خلا پر ہو گئے تھے وہ انہیں بے تحاشا یاد آتی اور آج تو انہوں نے خواب میں اس کے وجود کو آگ میں بھڑکتے اور تڑپتے دیکھا تھا پھر جیسے وہ تھرا کر اٹھ گئے تھے اور اپنے بچوں کی سلامتی کے لئے دعا گو تھے، دعائیں کرتے کرتے تہجد کا ٹائم ہوا تو وہ وضو کرنے کے لئے چل دیئے تھے۔

اور اسی پل جب اس سے جڑے تین نفوس بہت گھبراہٹ کا شکار تھے اس وقت شوٹنگ سے واپسی پر کچھ نامعلوم افراد نے اس کی گاڑی زبردستی رکوا کر اس پر تیزاب پھینکا تھا اور فرار ہو گئے تھے، اس کی دلدوز چیخوں نے فضا میں چھائے سکوت میں دراڑ ڈال دی تھی۔

یہ چھوٹی چھوٹی خواہشیں اصل میں وہ تحریک ہوتی ہیں جو آپ کے نفس کو چلنے کا محرک فراہم کرتی ہیں، پھر ان کا وقت پر سدباب نہ کیا جائے پھر ان پر سوار ہو کر آپ کا نفس دوڑنے لگتا ہے اور یہی وہ وقت ہوتا ہے جب خود پر، بے جا خواہشات وضروریات پر قابو پا لیا جائے تو نفس آپ کے قابو میں آ جاتا ہے ورنہ ساری زندگی کے لئے خواری، ذلت اور رسوائی آپ کا مقدر بنا دیتا ہے، سارے کا سبق دینے کے بعد باجی جی نے روزانہ کی طرح آخر میں سب بچیوں کو تھوڑا سا سبق دیا تھا جو کہ آگے ان کی زندگی میں کام آ جائے۔

ہسپتال کے کمرے میں تین ماہ وہ زندگی اور موت کی کشمکش میں رہی تھی، ثاقب نے نامعلوم افراد کے خلاف پرچہ کٹوایا تھا، پہلی بار بے ہوش پڑے اس کے بگڑے نقوش والے چہرے کو دیکھ کر پھوٹ پھوٹ کر رویا تھا، نجانے اس کے عبرتناک انجام یا سونے کی مرغی اب انڈہ نہیں دے سکے گی

کے پیچھے چلا اور اس کا کام حد سے گزر گیا اور فرما دو کہ حق تمہارے رب کی طرف سے ہے جو چاہے ایمان لائے اور جو چاہے کفر، بے شک ہم نے ظالموں کے لیے وہ آگ تیار کر رکھی ہے جس کی دیواریں انہیں گھیر لیں گی۔" (القرآن)

اس نے قرآن پاک کا سبق پڑھا کر ترجمہ پڑھا پھر بچیوں کو اس کی تفسیر بتائی۔

"ابا میں ہوں شفاف!" عجیب الخلقت چہرے والی لڑکی نے ان کا دروازہ بجایا تھا اور ابھی وہ استغفار کا ورد دل میں کرتے ہوئے کہنا ہی چاہتے تھے کہ اس گھر میں وہ اکیلے رہتے ہیں وہ غلطی سے یہاں آ گئی ہے، اس کے منہ سے سرسراتی آواز نکلنے پر ساکت رہ گئے تھے، اس کے ساتھ ہونے والے اندوہناک حادثے کی خبر ولید اور آمنہ کو بھی ہوئی تھی، وہ بہت بار گئے تھے اس سے ملنے، اس کو دیکھنے مگر اس نے ملنے سے انکار کر دیا تھا، لیکن ابا کو نہیں بتایا تھا اس سب کے بارے میں۔

"دیکھا ابا! اس چہرے کا غرور تھا ناں مجھے، اسی کے ناز نے مجھے دنیا دین کسی کا نہیں رہنے دیا اور اب محلے میں کسی سے پتہ چلا کہ قرآن پڑھانے والی باجی بھی گزر گئیں، میری اماں، پیاری اماں مجھے معافی دیئے بغیر چلی گئیں۔" وہ چیخ چیخ کر روتے ہوئے ان کے دروازے کی دہلیز میں گرنے کو تھی جب ابا کے کمزور بازوؤں نے اسے سنبھال لیا۔

پھر اس نے ماں کی جگہ سنبھال لی محلے کی بچیوں کو قرآن پڑھاتی اور ساتھ ساتھ ترجمہ وتفسیر بھی۔

"پردہ تمہاری ڈھال ہے ہر مشکل، ہر کھٹنائی سے بچانے والی، پردہ نظر کا ہو یا جسم کا، چہرے کا ہو یا وجود کا تمہارے گرد حفاظت کا جال

اس لئے یا شاید بھولی بسری محبت نے ہی رلایا تھا اسے مگر اسے روز دیکھنا اس کے بس کی بات نہیں تھی نہ ہی اس بدصورت ترین چہرے کو دوبارہ وہ اپنے پاس یا اپنے گھر میں دیکھنا چاہتا تھا، سو اس کا علاج ہونے تک چپ رہا تھا پھر روبصحت ہوتے ہی اسے ثاقب حسن کا طلاق نامہ ملا تھا، یہاں اس کے پاس شیشہ نہیں تھا نہ ہی رکھنے اور دیکھنے کی اجازت مگر اس نے بھاری رقم دے کر نرس سے ایک چھوٹا سا آئینہ منگوا ہی لیا تھا، ایک آنکھ اس کی مکمل ضائع ہو گئی تھی، چہرے کے خوبصورت نقوش جیسے کسی بدوضع ہیئت میں بدل گئے تھے وہ عجیب سے اطمینان کے ساتھ اس بگڑی شکل کو دیکھتی رہ گئی تھی۔

☆☆☆

''یہ جو مائیں ہوتی ہیں بچو، یہ دنیا کی سب سے بڑی نعمت ہے دنیا میں، مائیں جو کہتی ہیں ناں بچیوں کو، جو سکھاتی ہیں وہ ان کی سالہا سال کی زندگی کا نچوڑ ہوتا ہے، ان کی باتوں کو سنو اور دل میں رکھ لیا کرو، دماغ میں بٹھا لیا کرو اور زندگی کو سنوارنے کا سب سے بڑا ذریعہ قرآن پاک ہے، پھر جس نے اس کو سمجھ لیا اور اپنی زندگیوں پر لاگو بھی کر لیا، زندگی بھر نہیں بھٹک سکتا۔''

ترجمہ:۔

''اور تلاوت کرو اپنے رب کی کتاب کی اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں اور ہرگز تم اس کے سوا پناہ نہ پاؤ گے اور اپنی جان ان سے مانوس رکھو جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اس کی رضا چاہتے ہیں اور تمہاری آنکھیں انہیں چھوڑ کر کسی اور پر نہ پڑیں، کیا تم دنیا کی زندگانی کا سنگار چاہو گے اور اس کا کہا نہ مانو جس کا دل ہم نے اپنی یاد سے غافل کر دیا اور وہ اپنی خواہش

بن دیتا ہے جس میں کسی شیطان کو گھسنے کی جرأت نہیں ہوتی، شیطان کو سب سے زیادہ نفرت نظر کے پردے سے ہے جو اس کی لاج رکھ گیا اس نے شیطان کو پچھاڑ دیا، اپنے دوپٹوں کو اپنے سروں سے ڈھلکنے مت دو، اپنے آپ کو ڈھانپ کر رکھو، عورت ڈھکی چھپی ہو تو شیطان شرمندہ ہو کر خود آنکھیں پھیر لیتا ہے۔''

باجی کا دیا گیا آج کا پردے کے بارے میں سبق، ان سب بچیوں کو پھر سے مسمرائز کر گیا تھا، وہ ہر بات اتنے اچھے اور دلگداز لہجے میں بتاتیں کہ ادھر ان کے منہ سے الفاظ نکلتے ادھر بچیوں کے دل پر نقش ہو جاتے۔

آمنہ آئی تھی اس سے ملنے، کتنی ہی دیر دھاڑیں مار مار کر اس کو دیکھ دیکھ کر روتی رہی تھی۔

''بس کرو آمنہ، اس چہرے کو دیکھ کر رو ؤ مت، اسی نے مجھے دنیا کی غلاظت سے نکلنے میں مدد دی ہے، اب میری ہدایت اور اللہ کے حضور میری معافی کی قبولیت کی دعا کرو، مجھے کچھ نہیں چاہیے دعاؤں کے سوا، بس ایک بار'' وہ کہتے کہتے غمگین ہو گئی۔

''کاشان کو لے آنا، میں اندر چھپ کر اسے دیکھ لوں گی بچہ ہے، ڈر ہی نہ جائے اتنی خوفناک صورت دیکھ کر۔'' خود اذیتی کی انتہا پر اس نے کہا تھا، آمنہ نے بے ساختہ اپنی سسکیوں کو روکتے ہوئے اسے گلے سے لگا لیا تھا، پھر تین چار دن بعد ہی ولید بھی آمنہ کے ہمراہ آیا تھا کاشان کو ساتھ لئے، وہ دروازے کی جھری میں سے اس کی معصوم صورت کو دیکھتے روتی رہی تھی، ہو بہو شفاف جیسی شکل اور کسی حد تک عادات بھی اسی جیسی رکھتا ہوا وہ اس کا قرار لوٹ رہا تھا، اس کا جی چاہ رہا تھا بھاگ کر جائے اسے سینے سے لگا کر ممتا کی پیاس بجھا لے، اس کے ایک ایک نقش

کو چوم لے، محسوس کرے اس کا نرم لمس۔

"آمنہ ماما، نانو کا گھر کتنا چھوٹا ہے ناں اور کتنی گرمی بھی ہے ناں یہاں، چلیں ناں واپس چلیں پاپا۔" وہ منہ بنائے کہہ رہا تھا، شفاف بے ساختہ مسکرا دی تھی اس کی بات سن کر، پھر ولید نے اس سے ملنے کی اجازت طلب کی تھی، وہ منہ دوسری طرف کر کے کھڑی ہو گئی تھی، دوپٹے کو اپنے گرد مزید پھیلا لیا تھا۔

"جو بھی ہوا شفاف، میں سب کچھ بھول چکا ہوں، تم بھی بھول جاؤ میں...... میں تمہیں ایسے نہیں دیکھ سکتا، چچا بھی تمہاری وجہ سے بہت پریشان ہیں، میں تم سے دوبارہ نکاح کرنے کو تیار ہوں۔" جیسے کوئی دھماکہ ہوا تھا شفاف کے گرد، وہ اس شخص کی اعلیٰ ظرفی پر تڑپ کر رہ گئی تھی۔

"نہیں نہیں ولید مجھے بس معاف کر دیں اور اللہ سے میرے گناہوں کی معافی کی دعا کریں اس سے بڑھ کر میرے لئے اب کوئی چیز اہمیت نہیں رکھتی، میرے بچے کی تربیت اپنے جیسی کیجئے گا، اس میں میرے جیسی ناشکری والی خصلتیں پیدا مت ہونے دیجئے گا اور جب تک زندہ ہوں کبھی کبھار مجھے میرے بچے کی شکل دکھا جایا کیجئے گا، بس اس سے زیادہ اور کسی چیز کی چاہ نہیں ہے مجھے۔" کہہ کر وہ وہاں سے چلی گئی تھی۔

اس کی دنیا اب اور تھی اس کے تقاضے اور تھے اس نے اماں کی جگہ سنبھال لی تھی، بچیوں کو قرآن کی تعلیم دیتی اور خود بھی مدرسہ جاتی تھی، قرآن کی تعلیم لینے، دھیرے دھیرے ہی سہی قطرہ قطرہ سکون خود میں اترتے محسوس کرتی جب قرآن پڑھتی اور پڑھاتی، اس کے سجدے طویل ہو گئے تھے، اماں کے بعد ابا کا ذریعہ معاش اوپر کے پورشن سے آنے والا کرایہ تھا اور ابا کی پینشن تھی جس میں ان کی گزر بسر ہو جاتی تھی، باقی کا سارا وقت وہ قرآن پڑھتی یا ابا کی خدمت میں گزارتی، ایسے میں آمنہ ہر پندرہ روز بعد کاشان کو کچھ دیر کے لئے لے کر آتی ایسے میں وہ خود کو کمرے میں محصور کر کے دروازہ کی جھری سے اپنے جگر کے ٹکڑے کو دیکھ کر اپنی ممتا کی پیاس بجھاتی تھی، رمضان کا بابرکت مہینہ شروع ہوتے ہی اس کی مصروفیات بڑھ گئی تھیں، اس کی عبادات کا دورانیہ طویل ہو گیا تھا، پھر ستائیسویں کی بابرکت شب وہ رو رو کر گریہ کر رہی تھی جب دل میں ہوتے شدید درد کے ساتھ اس نے اس خوشبو اور روشنی کے حصار کو دیکھا، پھر بڑھتے درد اور پسینہ پسینہ ہوتے جسم کے ساتھ اس نے کراہ کر ابا کو بلانا چاہا مگر شدید درد نے مہلت ہی نہیں دی اور آخری الفاظ جو اس نے منہ سے نکالے تھے وہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اللہ معافی کے تھے اور پھر اس کی روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی تھی، تہجد کے لئے اٹھے ابا نے سجدے کی حالت میں پڑی شفاف کو بہت دیر دیکھا پھر آواز دینے پر کچھ عجیب سے احساس نے انہیں اسے پاس آ کر ہلانے پر مجبور کر دیا، سیدھا کرنے پر ایک جان لیوا انکشاف نے ان کو لرزا دیا کہ وہ اب اس دنیا میں نہیں تھی، انا للہ وانا الیہ راجعون کہہ کر انہوں نے اس کا بے جان جسم جائے نماز پر سیدھا کیا اور ڈھیلے قدموں سے آمنہ کو اطلاع دینے آگے بڑھ گئے تھے۔

☆☆☆

پربت کے اُس پار کہیں

نایاب جیلانی

ستائیسویں قسط کا خلاصہ

ہیام ،نشرہ سے نکاح کے بعد اسے اپنے گاؤں لے آتا ہے جہاں عشیہ کے ساتھ تلخی پیدا ہوتی ہے، عشیہ اپنی والدہ کی وجہ سے انتہائی خوفزدہ دیکھائی دیتی ہے کہ اگر مورے کو پتا چل گیا تو کیا ہو گا، ہیام بہن کو ساری صورت حال بتاتا ہے جس کی وجہ سے اسے یہ قدم اٹھانا پڑا، عشیہ اپنے بھائی کی قربانیوں کو یاد کرتے ہوئے عہد کرتی ہے کہ وہ اپنے بھائی کو اس کا کھویا ہوا مقام ضرور لے کر دے گی۔

امام کا زندہ بچ جانا ایک معجزہ ہی ہوتا ہے، امام کی خالہ اسے فوری طور پر نوکری سے ریزائن کرنے کو کہتی ہیں۔

امام کو رحمت کی یاد آتی ہے جس کی شکل اس کی بہن گوہے سے ملتی ہے، وہ اپنی الجھن کا ذکر اپنی خالہ سے کرتا تو وہ پریشان ہو جاتی ہے۔

نیل بر اکیلی رہ کر گھبرا جاتی ہے اور وہ جہاندار سے کہتی تو جواباً وہ گھر کے کام کرنے کے لئے اسے کہتا ہے۔

پری گل کسی نہ کسی طرح امام کا نمبر حاصل کر لیتی ہے اور لا کر رحمت کو دیتی ہے۔

اب آپ آگے پڑھیئے

آٹھائیسویں قسط

''اچھا! تو تم منہ اٹھا کر آ گئے ہو؟'' اس کا سر سے لے کر پیروں تک پوسٹ مارٹم کر لینے کے بعد نومی نے خاصے دل جلے انداز میں کہا تھا، ہیام نے کھا جانے والی نظروں سے نومی کو گھورتے ہوئے کندھے پہ دھپ لگا کر پیچھے ہٹایا۔

''جاؤ، میاں! اپنا رستہ ناپو، کالی بلی بننے کی ضرورت نہیں۔'' اس کا انداز شاہانہ تھا اور تیور اب کرائے داروں والے نہیں تھے، نومی کے ڈیلے ابل کر باہر آ گئے۔

''ایسی دیدہ دلیری؟''

''یہ کالی بلی کسے کہا؟ کہیں شادی کے بعد دماغ تو نہیں گھوم گیا تمہارا، مذکر، مونث کے فرق سے بھی گزر گئے تم۔'' نومی نے منہ پھلا کر اس کی فاش غلطی کا احساس دلایا تو ہیام بھی خواہ مخواہ چونکا۔

''او...... سوری مجھے کالا بلا کہنا چاہیے تھا۔''

''بکو...... نہیں۔'' ہیام کو گھورتے ہوئے نومی بگڑ کر رہ گیا تھا، اب اس کی یہی اوقات رہ گئی تھی، کہ اسے جانوروں سے ملایا جاتا۔

''بندے کو تمیز میں ہی رہنا چاہیے۔''

''یہ اصول تم پہ بھی لاگو ہوتا ہے۔'' ہیام بھی جتانے سے باز نہیں آیا تھا، نومی کو بغلیں جھانکنی یاد آ گئیں۔

''آفٹر آل میں تمہارا بہنوئی ہوں۔'' اس نے سینہ پھلا کر ایک مرتبہ پھر نومی کو کسلایا تھا، وہ پہلو بدل کر رہ گیا۔

''ایک عدد ہم نے تمہارے سپرد اپنی بہن کی تھی، اس کا کیا بنا؟ برتنوں میں ہی گنوا آئے ہو اسے؟ ساتھ ہی لے آتے، اس گھر کا کونا کونا اس کے لئے اداس ہے۔'' نومی نے رقت آمیز لہجے میں کہا تھا، ہیام نے ٹھنڈی سی آہ بھری اور پھر ایک طائرانہ نظر پورے گھر پہ ڈالی، واقعی پورا گھر اور اس کا کونا کونا نشرہ کی پکار میں لگا ہوا تھا، ہر چیز سے فریاد اٹھتی نظر آ رہی تھی، یہ وہ گھر تو نہیں لگتا تھا، یہ تو کوئی کباڑ خانہ لگ رہا تھا۔

''نشرہ کے بعد اس گھر کی کیا حالت بن گئی؟'' ہیام کو حقیقی طور پر افسوس ہوا تھا اور نشرہ کا سگھڑاپہ بھی اس پہ آشکار ہوا، کتنی منظم، پھرتیلی اور سگھڑ تھی نشرہ۔

''تو اور کیا؟'' نومی نے آہ بھری۔

''ویسے تمہاری ایک اور بہن بھی اس گھر میں موجود ہے۔'' ہیام کو اچانک خیال آیا تھا۔

''اس کی تو بات ہی نہ کرو۔'' نومی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے، اندر لیٹی عینی نے سن لیا تھا اور سلگ کر باہر آ گئی تھی، ہیام کو دیکھ کر اور بھی غصہ آیا، نشرہ کے نصیب سے خار کھانے لگی تھی۔

''تمہیں لوگوں کے سامنے میری برائیاں کرنے کا سواد ہے، شرم نہیں آتی تمہیں۔'' وہ حلق پھاڑ کر چلائی تھی۔

''تم اپنے اندر اتنی خوبیاں پیدا کر لو کہ لوگوں کے سامنے تمہاری تعریف کی جائے۔'' ادھر بھی نومی ہی تھا، کہاں لحاظ رکھتا، دونوں میں تلخ کلامی چھڑ گئی تھی۔

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-
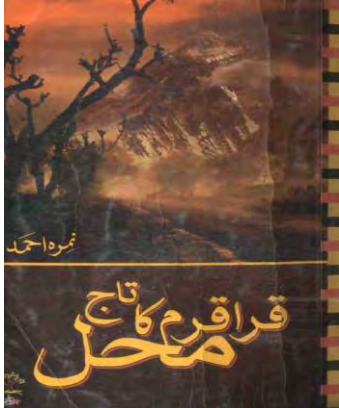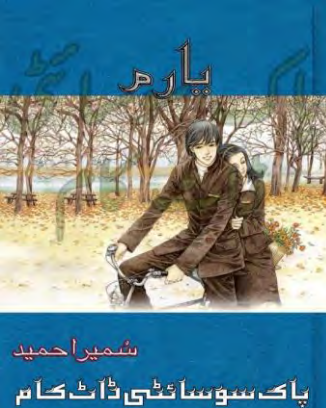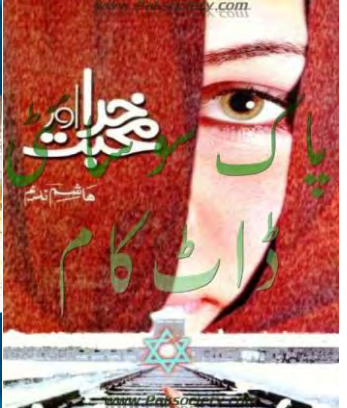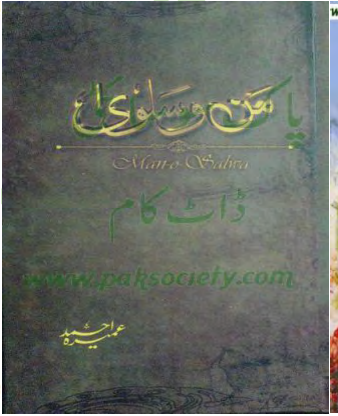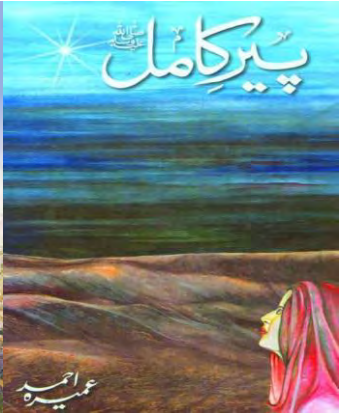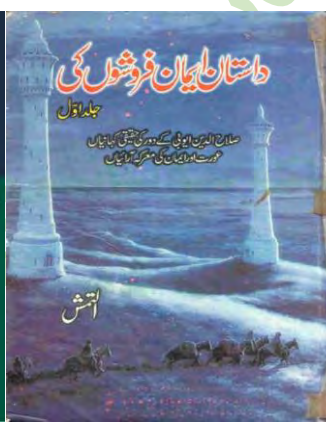
''تم سب ہی کمینے ہو، اتنی چہیتی تھی تو اس کی شادی ہی نہ کرتے، جانے کن لوگوں میں بیاہ دی، جب سے گئی ہے، کچھ اتا پتا ہی نہیں۔'' عینی نے سلگ کر بات کو ایک دوسرا رخ دے دیا تھا، ہیام کے ماتھے پہ ناگواری کی چھینٹ پڑ گئی تھی۔

''علاقہ غیر میں نہیں چلی گئی، بہت اچھے خاندان اور خاندانی لوگوں میں گئی ہے۔'' اب کہ ہیام نے خاصے مدہم مگر سخت لہجے میں جواب دیا تھا، وہ یہ نہ کہہ سکا۔

''کم از کم تم لوگوں جیسے تھرڈ کلاس نہیں ہیں ہم، عزت اور غیرت کو سمجھتے ہیں، عین وقت پہ باراتیں واپس لے کر نہیں جاتے۔''

''وہ تو پتہ چل ہی جائے گا، دیکھ لیں گے ہم، تمہارے گھر والے سنا ہے ابھی تک اس شادی سے ناواقف ہیں۔'' عینی سے اتنی دیدہ دلیری کی نومی کو بھی توقع نہیں تھی، جی چاہا کہ ایک جھانپڑ ہی رکھ کہ دے مارے، مگر ہیام کے ٹوکنے پہ اسے سنبھلنا پڑا تھا، جس نے اسے اشارے سے روک دی تھا۔

''اتنی ایمرجنسی شادی میں وہ شریک نہیں ہو سکے، اس کا یہ مطلب نہیں کہ وہ ابھی تک بے خبر ہیں، اگر چاہو تو میری بہن سے بات کر لو۔'' اس نے موبائل جیب سے نکالا تو عینی ''ہونہہ'' کرتی اندر پاؤں پٹخ کر چلی گئی تھی، ادھر نومی شرمندہ ہو رہا تھا۔

''امی آتی ہیں تو شکایت لگاؤں گا اس کی۔'' نومی نے خیف زدہ لہجے میں کہا تھا، ہیام نے سر جھٹکا۔

''اٹس اوکے۔'' پھر گھر کی ویرانی دیکھ کر حیرت سے بولا۔

''کہاں ہے اسامہ اور خالہ؟''

''وہ تو اسلام آباد چلے گئے۔'' نومی کو بھی یاد آیا تھا۔

''خیریت سے؟'' ہیام اپنا بیگ اٹھا کر جاتا جاتا پلٹ آیا تھا، اسلام آباد سے اسے دیامر میں زخمی ہونے والے مریض کا بھی خیال آیا تھا۔

''اب تک تو وہ ڈسچارج ہو چکا ہوگا، اللہ کرے خیریت سے ہو، عمر بھر کی معذوری سے بچ جائے، اس کی ٹانگیں بہت متاثر تھیں۔'' ہیام متفکر سا سوچ رہا تھا۔

اس کے پاس زخمی مریض امام کا فون نمبر بھی تھا، خیال ہی نہیں آیا کہ اس کی خیریت ہی پوچھ لیتا، سوچا کہ روم میں جا کر یہی کام کرے گا۔

''تمہیں نہیں بتایا کیا اسامہ بھائی نے؟'' اچانک نومی کی آواز اسے سوچوں کے بھنور سے کھینچ لائی تھی۔

''نہیں، میرا اسامہ سے رابطہ نہیں ہوا؟ کیا ہوا؟ خیریت؟'' ہیام نے بھنوں اچکا کر حیرت سے پوچھا۔

''امی کے رشتے داروں میں فوتگی ہوگئی ہے، وہ جو نادرن ایریا میں حادثہ ہوا، امی کی کزن ہیں اسلام آباد، ان کی بیٹی بھی حادثے میں جل گئی، بے چاری کی لاش بھی مسخ ہوگئی، اسامہ بھائی امی کے ساتھ گیا ہے۔'' نومی کے بتانے پر ہیام کو بھی اچانک یاد آ گیا تھا، علاقے میں بھی اس نے یہ خبر

سنی تھی اور اخبار میں بھی پڑھی تھی، خاصا افسوس ہوا تھا۔

''اسامہ نے ذکر تو کیا تھا، خیر اللہ مغفرت کرے، مجھے بھی بتا دیتا، میں بھی افسوس کر آتا، آخر میں بھی تم لوگوں کا رشتہ دار ہوں۔'' ہیام نے موبائل پہ مصروف نومی سے شکوہ کناں انداز میں کہا تو وہ جھٹ سے بولا۔

''امی کا فون آیا تھا، عینی کو لے کر آ جاؤں، کون سا جنازہ ہو گیا ہے، ہیام بھائی، تم بھی چلو، ویسے امی کا ہمیں بلانے کا ارادہ نہیں تھا، اپنے امیر رشتے داروں سے کوسوں دور بھاگتی ہیں، مگر لگتا ہے، وہاں ان کا موڈ بدل گیا رشتے داروں کے رویے دیکھ کے۔'' نومی نے جواب دیتے ہوئے ہیام کو ساتھ چلنے کی آفر دی، تو وہ نئی نئی رشتہ داری کا تقاضا سمجھتے ہوئے تیار تو ہو گیا تاہم کچھ تذبذب کا شکار تھا۔

''ویسے امی نے کہا تھا، ڈاکٹر آ گیا تو اسے ساتھ لے کر آ جانا، ویسے بھی ہمارے پاس کرایہ کوئی نہیں ہے۔'' نومی نے اپنے ازلی منہ پھٹ لہجے میں اس کا کندھا اور جیب تھپتھپائی تھی، ہیام کراہ بھی نہ سکا اور گہرا سانس بھرتا آگے بڑھ گیا تھا، جبکہ نومی، عینی کو تیاری کرنے کا کہتا ہوا باہر نکل گیا تھا۔

جیسے ہی ہیام نیچے آیا اوپر سے چچی آ گئیں، خوب لپٹا کر پیار کیا، شاید نیا نیا داماد سمجھ کر۔

''نشرہ کیسی ہے؟ ساتھ نہیں لائے؟ ویسے بڑی بختوں والی نکلی، ولید بھی کم نہیں تھا، مگر تمہاری تو بات ہی کچھ اور ہے بچے۔'' چچی کے بڑھتے پیار سے گھبراتا ہوا وہ نشرہ کی خیریت بتانے لگا۔

''اور تمہاری ماں بہنوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا؟'' کچھ ہی دیر میں وہ اپنے سابقہ ٹوہ لینے والے انداز میں پوچھ رہی تھیں، ہیام تو برا ہی پھنس گیا تھا اور اب تو ان سے جان چھڑوانے والا اسامہ بھی نہیں تھا۔

''آں، ہاں...... بتایا نہیں تم نے؟'' وہ اسے ٹٹولتی نظروں سے دیکھتی ہمیشہ سے بھی زیادہ بری لگی تھیں۔

''توبہ توبہ نشرہ ان لوگوں کے بیچ میں رہتی تھی۔'' ہیام کا تو دم ہی الجھنے لگا تھا۔

''لگتا ہے، معاملہ کچھ گڑبڑ ہی ہے، تم نشرہ کو ساتھ کیوں نہیں لائے؟'' چچی کے سوال اور کاٹ دار نگاہیں، ہیام کا تو میٹر ہی گھوم رہا تھا، اس ''کلاس'' کا تو سوچا ہی نہیں تھا جو بے سبب لگ رہی تھی۔

''ابھی کچھ دن وہاں رہ تو لے، میں اپنے ساتھ ہی لے آؤں گا اسے۔'' ہیام نے جان چھڑوائی تھی۔

''اچھا سنو! فرح کا یہاں فون آیا تھا۔'' کچھ دیر بعد چچی کو اچانک کچھ یاد آیا تھا، ہیام چونکا۔

''کون فرح؟''

''تو تم بھول گئے، نشرہ کی پھپھی۔'' چچی نے چہک کر بتایا تھا، ہیام ہونٹ سکیڑ کر رہ گیا۔

''تو میں کیا کروں؟'' اس نے خاصی ناگواری سے سر جھٹک کر کہا تھا۔

''ارے نشرہ سے بات کرنا چاہتی ہے۔'' چچی نے پچکار کر بتایا تھا۔

''کوئی رابطہ نمبر ہے تو دے دو۔''

''کس خوشی میں؟'' وہ تیکھے چتونوں کے ساتھ بولا تھا، اس کے بدلتے تیور دیکھ کر چچی کو معاملہ بگڑتا معلوم ہوا تھا۔

''پھپھی ہے اس کی، معافی مانگنا چاہتی ہے، بے چاری شوہر کے لالچ میں مجبور ہوگئی تھی، ورنہ تو اس کا ارادہ ایسا نہیں تھا۔''

''جو بھی تھا، وہ قصہ ختم ہی سمجھیں اور پلیز آئندہ مجھ سے اس موضوع پہ بات کرنے سے پرہیز کیجئے گا، کیونکہ میں بدلحاظی سے بچنا ہی چاہتا ہوں۔'' وہ ایک دم اپنی جگہ سے اٹھا تب ہی نومی اندر آگیا تھا اور اس نے شاید چچی کی باتیں بھی سن لی تھیں، ان کے بیچ تو لمبی تکرار شروع ہوگئی۔

''پھپھو کی پیامبر بن کر آپ کو کچھ نہیں ملے گا، بہتر ہے کہ یہ کام چھوڑ دیں، نشرہ اپنی زندگی میں خوش ہے اور پھپھو کی معافی کا نہ اسے کوئی شوق ہے نہ ضرورت، پھپھو اپنی شرمندگی اپنے پاس رکھیں۔'' نومی کے تلملاتے جواب پہ چچی اپنا سا منہ لے کر رہ گئی تھیں۔

''میں تو بھلا کرنا چاہتی تھی۔''

''نشرہ کو آپ کے بھلے کی ضرورت نہیں۔'' نومی نے تنک کر جواب دیا تھا، پھر ہیام سے مخاطب ہوا۔

''کوچ کی ٹکٹ کنفرم ہیں، اب نکلنے کی کریں۔'' وہ عینی کو آوازیں دیتا باہر جارہا تھا، ہیام نے بھی کھولتے دماغ کے ساتھ اس کا پیچھا کیا۔

☆☆☆

امام کے بنگلے پر تو صف ماتم کا سماں تھا۔

وہی ہوا جس کا وسوسہ انہیں بے چین کررہا تھا، وہی ہوا جس کے خوف کی سواری پلوشہ کو سکون لینے نہیں دے رہی تھی۔

اور اب کیا صورتحال نظر آتی تھی۔

پلوشہ کو کچھ ہوش نہیں تھا، وہ تو کومے کے مرنے کی اطلاع پہ ہی ہوش وحواس کھو چکی تھیں، انہیں ہسپتال شفٹ کردیا گیا تھا، وہ ایمرجنسی میں تھیں اور شانزے ان کے پاس تھی۔

باقی گھر مہمانوں سے بھرا تھا، جنہیں شانزے کی امی اور تائی دونوں سنبھال رہی تھیں، امام تو تھا ہی بستر پہ، اپنی بے بسی پہ دہاڑیں مار مار کر روتا تھا اور دیواروں سے ٹکریں مارتا تھا۔

ہمان کو موسم کی خرابی کی وجہ سے سیٹ ہی نہ ملی۔

وگین حادثے نے ان کے گھر میں ویرانی بھردی تھی، کومے کی مسخ شدہ لاش کو فوراً ہی دفنا دیا گیا تھا، جنازے میں جانے کون کون آیا، امام کو کچھ ہوش نہ تھا، اسے لگتا تھا، جیسے سب کچھ ہی برباد ہوگیا ہے، گھر میں اور زندگی میں آن کی آن میں اندھیرے بھر گئے تھے۔

اس کڑے وقت میں آن کے بکھرے گھر کو پلوشہ کی کزن نے ایسے سنبھالا کے اپنے تو اپنے پرائے بھی حیران رہ گئے تھے۔

یہ پلوشہ کی وہ کزن تھیں، جو امیری غریبی کے محسوس فرق کی بناء پر عمر بھر ان سے کبھی نہ ملیں،

شاید ان کے اندر کا احساس کمتری تھا، ورنہ پلوشہ اور امام کی والدہ دونوں بہنوں میں ایسی کوئی خودی نہیں تھی۔

لاہور سے آنے والے یہ مہمان اس بکھرے گھر کے مکین بن گئے تھے۔

اسامہ اور اس کی والدہ نے پورے گھر کو سنبھال لیا، اسامہ نے ہی سب انتظامات کروائے تھے، امام کو تو اس دھچکے نے کسی قابل نہیں چھوڑا تھا، اوپر سے وہ بیماری کی وجہ سے زیادہ ہی زدورنج تھا۔

تائی کی خدمات بھی قابل ذکر تھیں، جن رشتے داروں کو بس دور دور سے دیکھ کر دل جلا کرتا تھا، قریب آ کر جانا کہ ان مصیبت کے ماروں سے جلنے کا تو کوئی جواز ہی نہیں تھا، یہ تو اندر سے ٹوٹے بکھرے لوگ تھے، اندر سے ختم ہوئے، دکھوں کے مارے لوگ تھے۔

اور بچے گھروں کے ان مکینوں کی زندگیوں میں کسی ویرانی تھی؟ تائی توبہ توبہ کرتی پھر رہی تھیں، اسامہ بہت سنجیدہ تھا اور بہت مخلصانہ انداز میں اس نے امام کی ذمہ داریوں کو بانٹ لیا تھا، وہ گھر اور ہسپتال کے بیچ گھن چکر بن گیا تھا اور اسی دوران اسامہ کی شانزے سے بھی اچھی سلام دعا بن گئی تھی، کومے کی قل کے بعد اسامہ نے زبردستی شانزے کو گھر بھیجا تھا۔

''آپ کو آرام کر لینا چاہیے، بہت دنوں سے بے آرام ہیں، میں خالہ کے پاس ہوں، آپ بے فکر ہو کر گھر جا سکتی ہیں۔'' اسامہ کے شائستگی سے کہنے پہ شانزے نے تھکی تھکی تشکر بھری نگاہ اس اجنبی پہ ڈالی تھی، جو بہت دنوں سے کسی بہت اپنے کی طرح ان کے دکھوں اور ذمہ داریوں کا بوجھ اٹھائے بھاگ رہا تھا۔

''بہت شکریہ...... مگر میں پھپھو کو کیسے اکیلا چھوڑ دوں؟ ان کو کومے بھی چھوڑ کر چلی گئی۔'' شانزے کے آنسو بھل بھل گرنے لگے تھے، کومے ایک درد کی طرح ان کے دلوں میں گھس کر امر ہو گئی تھی، شانزے کو وہ نٹ کھٹ سی لڑکی بھولتی ہی نہ تھی، جسے اپنے کالج کے سب سے بڑے ڈونیٹر سے محبت ہو گئی تھی، پھر اس محبت کو اس نے اپنے بھائی کی زندگی پہ قربان کر دیا، کتنی عظیم تھی وہ چھوٹی سی لڑکی؟

کومے جو، اب ایک درد بھری یاد کا حصہ بن گئی تھی، کیسے بھول پاتے وہ لوگ اسے؟ کومے کے چلے جانے سے زندگی ایک جمود کا شکار لگتی تھی، ایسے لگتا تھا جیسے سب کچھ لٹا گیا ہے، اسامہ بڑی ہمدردی سے اس پرسوز سی لڑکی کو دیکھ رہا تھا۔

''کوئی بھی غم زندگی کو روک نہیں سکتا۔'' کچھ دیر بعد وہ دھیمی آواز میں کہہ رہا تھا۔

''ہمارے بہت اپنے چلے جاتے ہیں، اک یاد بن جاتے ہیں، ان یادوں کے مزاروں پہ صرف محبت کا چراغ روشن رہ جاتا ہے، جو کبھی انہیں بھولنے نہیں دیتا، آپ کا رونا اس کی روح کو تکلیف دے گا، آپ پلیز خود کو سنبھالیں، آپ کے اپنوں کو آپ کی بہت ضرورت ہے، امام اور خالہ، ان دونوں کی طرف دیکھیں، آپ کمزور پڑ جائیں گی تو انہیں کون دیکھے گا۔'' اسامہ کا ہمدردانہ لب ولہجہ اتنا زور آور تھا کہ شانزے کے بہتے آنسو رک گئے تھے، وہ اس کا سرخ چہرہ دیکھتا آہستگی سے بولا تھا۔

''اللہ کے ہر کام میں مصلحت پوشیدہ ہوتی ہے، اللہ کی رضا میں راضی ہونے سے ہی ذہنی و قلبی سکون حاصل ہوتا ہے، آپ خود سوچیں، آپ تو تدریس کے شعبے سے ہیں، چند دن تک بہل جائیں گی، مگر امام اور خالہ؟ ان پہ کیا گزر رہی ہے؟'' شانزے نے لب بھینچ کر سسکاری کو روک لیا تھا، اب وہ مزید اسامہ کے سامنے کمزور پڑنا نہیں چاہتی تھی۔

''آہ، امام۔'' اس کے اندر افسردگی کا غبار پھر سے بھرنے لگا تھا۔

''پھپھو کے گھرانے کو آفتوں نے گھیر رکھا ہے، پے در پے مصیبتیں پہلے امام کے ساتھ ہونے والا حادثہ، اس پہ قاتلانہ حملہ اور پھر کومے کا دنیا سے چلے جانا۔'' وہ بھیگی آواز میں کہہ رہی تھی۔

''امام پہ کس نے قاتلانہ حملہ کیا؟'' اسامہ نے کچھ چونک کر شانزے کی طرف دیکھا تھا۔

''جانے کون لوگ تھے، میں نہیں جانتی۔'' اس نے ناک سڑک کر آہستگی سے کہا تھا، اسامہ نے گہری سانس بھری، اسے کل سے ہیام بھی کچھ بتانا چاہ رہا تھا، کیا؟

اسامہ کو وقت ہی نہیں لگا تھا اس کی بات سننے کا، یہاں پہ کام ہی بہت تھا، کوئی انتظام دیکھنے والا نہیں اور اگر وہ لوگ بھی نہ آتے تو کیا ہوتا؟

یہ تو اللہ ہے جو وسیلے بنا دیتا ہے اور اسباب پیدا کر دیتا ہے۔

شانزے چلی گئی تو وہ بھی ڈاکٹر سے بات کرنے روم کی طرف بڑھ گیا تھا۔

اس گھر میں آنا اور رہنا نومی اور عینی کے لئے تو بڑا ہی انوکھا اور خوشگوار تجربہ تھا، گو کہ وہ کسی اچھے موقع پر نہیں آئے تھے تاہم اپنے ان رشتے داروں سے مل کر ان دونوں کو بہت اچھا لگا تھا، عینی تو بار بار حیرانی سے کہتی تھی۔

''یہ تو ڈراموں جیسا گھر ہے، خاموش، خوبصورت اور پرسکون۔''

اس نے نہایت دیدہ دلیری سے پورا گھر گھوم پھر کر دیکھ لیا تھا، مہمان کچھ جا چکے تھے اور کچھ یہیں تھے، کچھ ہر روز شام کو پرسہ دینے آتے تھے، امی ہی مہمانوں کی آؤ بھگت کر رہی تھیں، عینی کو تو گھر دیکھنے سے ہی فرصت نہیں ملتی تھی۔

گھر کی اکلوتی سربراہ خاتون ہسپتال میں تھیں اور اکلوتا مرد بستر پہ، یوں فی الوقت وہی اس گھر کے مالک مختار تھے، ہیام عینی کو ایکسائٹڈ سا گھومتا پھرتا دیکھ کر ٹھنڈی سانس بھر کے رہ گیا تھا۔

یہ نہیں کہ ماں کا ہاتھ بٹا لیتی یا امام کی خبر گیری کر لیتی، یہاں پہ اِدھر اُدھر دندنانے میں جانے کیا لطف مل رہا تھا؟

ہیام نے گہرا سانس بھرا اور امام کے کمرے کی طرف آ گیا، اسے آج واپس جانا تھا اور جانے سے پہلے وہ امام سے ملنا چاہتا تھا، وہی امام جس کی ہیام نے مدد کی تھی، گو کہ اس وقت والے امام میں بہت فرق تھا، اذیت، تکلیف اور خون کے دھبوں نے اس کے تاثرات کسی حد تک بدل دیئے تھے، تاہم ہیام نے پھر بھی امام کو پہچان لیا تھا۔

اور پہچان کا ایک مرحلہ امام نے بھی اسے دیکھ کر طے کر لیا تھا، وہ ہیام کو اپنے گھر میں دیکھ کر حیران رہ گیا تھا، وہ اس کا محسن تھا، تب بھی اور اب بھی۔

پہلے بھی اس نے امام کی مدد کی تھی، اسے زخمی حالت میں اٹھا کر ہسپتال پہنچایا تھا اور اب بھی،

وہ اسامہ کے ساتھ مل کر امام کے حصے کی ذمہ داریاں ایک فرض کی طرح ادا کر رہا تھا، تعارف کا مرحلہ تو گزر چکا تھا، یہ ہیام تھا یعنی اسامہ کا دوست اور بہنوئی۔

امام اسے تیار شیار دیکھ کر افسردہ ہو گیا، اس کا مطلب تھا، ہیام جانے والا تھا، ظاہر سی بات تھی، جانے والوں نے تو جانا ہی تھا، کوئی کہاں تک رک سکتا تھا؟ امام نے بمشکل ہی خود کو اس افسردگی کی قید سے باہر نکالا۔

''جا رہے ہو دوست؟ اب کب ملو گے؟'' امام نے اس کا بڑھا ہاتھ تھام کر ممنون سے لہجے میں کہا تھا۔

''ملوں گا نہیں، تم ملنے کے لئے آؤ گے، اپنے پیروں پہ چل کے۔'' ہیام نے جواباً اس کا کندھا محبت سے تھپکا تھا، امام کے چہرے پہ افسردگی سی پھیل گئی۔

''اب مجھے کسی بھی خوش گمانی کی امید نہیں ہے۔''

''تم پہ یہ مایوسی جچ نہیں رہی۔'' ہیام نے بے ساختہ ہی اسے ٹوک دیا تھا۔

''کیا سمجھتے ہو، بہت پر امید ہونا چاہیے مجھے، جس کا کچھ بھی نہ بچا ہو، وہ کہاں سے امید کی کرنیں تلاشتا پھرے۔'' امام کی ذہنی حالت بہت شکستہ تھی، ہیام نے گہرا سانس بھرا، وہ امام کی دلی کیفیات کو سمجھ رہا تھا، جس قسم کے حالات اور اذیت سے وہ گزر رہا تھا، اس میں یہ مایوس کن باتیں اچنبھے کا باعث نہیں تھیں، پھر بھی ہیام چاہتا تھا، وہ مایوسی کی انتہا پہ پہنچ کر جینے کی طلب کرنا چھوڑ دے۔

''ایک بات یاد رکھنا، انسان کو کوئی چیز ہرا نہیں سکتی، خود کو مصیبتوں کے سامنے ڈھال بنا لینا چاہیے، یہی کامیابی کا راز ہے۔'' ہیام نے محبت سے اس کا حوصلہ بندھایا تھا۔

''میں تم سے کامیابی کے گر ضرور سیکھتا اگر جو دل کے اندر کوئی جذبہ کوئی امید بچی رہتی۔'' امام نے دکھ بھرا سانس سینے کی قید سے آزاد کرتے ہوئے کہا تھا۔

''مجھے نوکری پکار نہ رہی ہوتی تو میں تمہیں سارے گر سکھا کر جاتا، لیکن اب بھی یہ ناممکن نہیں، نہ لاہور دور ہے اور نہ ہیام بہت مصروف، دوست! میں تم سے ملنے آتا رہوں گا۔'' وہ اس کا شانہ تھپک کر اپنے ساتھ کا یقین دلا رہا تھا، کوئی ایسا بھی مخلص ہوتا ہے؟ غیر ہو کر بھی اپنوں سے بہت آگے، امام کی آنکھوں میں تشکر کی نمی بھرنے لگی تھی۔

''میں......تمہارا شکریہ۔''

''آں ہاں...... میں یہ بھاری الفاظ کا بوجھ اٹھانے نہیں آیا، مہربانی فرما کر اپنا شکریہ اپنے پاس رکھو اور مجھے اجازت دو، اب کے آؤں تو اتنا اداس امام مجھے ہرگز نہ ملے۔'' اپنے خالص خانزادوں والے انداز میں بولتا اکھڑی اردو کے ساتھ یہ پٹھان دنوں میں اپنائیت اور دوستی کے کئی رشتے باندھ کر چلا گیا تھا۔

اس کے جانے پر افسردگی کے بگولوں میں اڑتا امام چند ماہ پہلے کے واقعات کو سوچتا خود کو کومے کے دکھ سے وقتی طور پر بہلا رہا تھا، نیل بر کی مدد سے لے کر رحمت کی فون کالز تک، اس پہ قاتلانہ حملہ، وقتی معذوری اور اب جوان بہن کے ساتھ ہونے والا حادثہ اور کیا پتہ یہ حادثہ نہ ہو؟

کچھ اور ہو؟ امام کا دل اور سوچ بند ہونے لگے تھے۔

''نہیں......نہیں مجھے اتنا منفی نہیں سوچنا چاہیے اور وہ ویگن حادثہ ہی تھا، بھلا اتنی بچیوں کے ساتھ دشمنی کون کرتا؟''

''آہ کومے۔'' اس کے اندر سے ہوک نکلی تھی۔

''کاش تم جانے کی اتنی ضد نہ کرتی، کاش میں تمہیں روک لیتا۔'' امام کی آنکھیں بھیگ رہی تھیں۔

''دیکھو، خالہ نے تمہارے پیچھے اپنی کیا حالت بنالی؟ انہوں نے خود کو کتنا بیمار کرلیا؟ تم نے خالہ کے بارے میں بھی نہ سوچا؟ وہ تمہارے بنا کیسے رہیں گی؟'' وہ سسکیاں دباتا بیڈ کراؤن سے ٹیک لگا کر جانے کتنی ہی دیر روتا رہا تھا۔

اپنی اس بے بسی پر، کہ وہ نہ خالہ کو دیکھنے جاسکا، نہ بہن کی میت کو کندھا دے سکا، وہ کس قدر مجبور اور لاچار ہوچکا تھا۔

''اگر میں حمت کی بات نہ مانتا تو اچھا تھا، میرے ساتھ یہ سب نہ ہوتا۔'' اکثر وہ مایوسی کے عالم میں یہ بھی سوچنے لگا تھا اور پھر خود کو دوسرے ہی پل ملامت کرنے لگتا۔

''میری محبت اتنی کمزور کیوں ہوتی جارہی ہے؟'' وہ خود کو جھٹلا کر یقین دلاتا، یہ حادثہ اس کی قسمت میں لکھا تھا، کیسے نہ اس کا نصیب بنتا؟ فائرنگ نہ ہوتی تو ایکسیڈنٹ ہوجاتا یا کچھ اور......

''اور حمت کو دیکھو، میرا نمبر پاس ہے، پھر بھی پوچھا تک نہیں۔'' اور جانے کتنے ہی شکوے اس کے اندر خود بخود جمع ہوتے جارہے تھے، وہ خود ہی سوال بن جاتا تھا اور خود ہی جواب بن جاتا تھا۔

''شاید اسے موقع نہ ملا ہو اور وہ تو بے چاری بے خبر ہی ہوگی، اسے کیا پتہ، مجھ پر کیا بیت رہی ہے۔'' دوسرے ہی پل وہ حمت کو ہر الزام سے بری کردیتا۔

وہ روایتوں کی زنجیر میں بندھی مجبور بے بس لڑکی بھلا کر بھی کیا سکتی تھی، ایسے ہی اس کا دل زیادہ بے قرار ہوا تھا تو اس نے موبائل اٹھا کر اسکرین دیکھی، نمبر نکالا اور پھر موبائل آف کردیا۔

اس میں حمت سے بات کرنے کی ہمت نہیں تھی، وہ اس کے سامنے کیسے کمزور پڑ جاتا؟ جبکہ اس نے امام کو بہت مضبوط دیکھا تھا۔

کچھ ہی دیر بعد اسامہ کی امی نے اندر جھانکا تھا، وہ اس کے لئے شاید کچھ کھانے پینے کی چیزیں لائی تھیں، وہ ان لوگوں کی اپنائیت تلے خود کو زیر بار سمجھتا تھا، پلوشہ ہسپتال میں تھیں اور سارا گھر خالہ نے سنبھال رکھا تھا، وہ شرمندہ سا ہوگیا۔

''خالہ! آپ کیوں تکلیف کررہی ہیں، مجھے یقین کریں شرمندگی......''

''اب تم غیروں جیسی باتیں کرکے دل دکھاؤ گے میرا۔'' انہوں نے مصنوعی خفگی سے ڈپٹ کر کہا تھا۔

''یقین مانیں...... کچھ بھی کھانے کو دل نہیں کررہا۔''

''کھاؤ گے نہیں، تو طاقت کیسے آئے گی؟ غم برداشت کرنے کے لئے ہمت طاقت کی بہت

ضرورت ہوتی ہے۔'' ان کے سمجھانے پہ وہ برے دل کے ساتھ سر ہلا گیا تھا کہ خود میں بحث کرنے کی ہمت بھی نہیں پاتا تھا۔

وہ ٹرے اس کے سامنے رکھ کر باہر آئیں تو عینی کو آئینے کے سامنے جے دیکھ کر بری طرح سے لتاڑا تھا۔

''شرم نہیں آتی، بوڑھی ماں کچن میں لگی ہے، تمہیں حسن سنوارنے سے فرصت نہیں، بندہ موقع محل ہی دیکھ لیتا ہے۔''

''موقع محل کیا دیکھوں؟ خود کو نہ دیکھوں، امی یہاں آ کر تو میں خوبصورت ہو گئی ہوں۔'' وہ اپنے گالوں پہ ہاتھ رکھے آئینے میں خود کو ہر زاویے سے دیکھتی چہکی تھی، انہوں نے اسے گھور کر دیکھا تھا۔

''بے شرمی کی حد ہوتی ہے، مرگ والا گھر ہے، کوئی نہ کوئی آ رہا ہے، کام والی کے ساتھ لگ کے صفائی ہی کروالو۔''

''میں نوکرانی نظر آتی ہوں آپ کو اور آپ نے مجھے میڈ سمجھ کر بلوایا تھا۔'' عینی کے سر پہ لگی تھی، بلبلا کر بولی۔

''نہیں تمہیں تخت پہ بیٹھانے کے لئے بلایا ہے، احمق لڑکی! بندہ کسی موقع سے فائدہ ہی اٹھا لیتا ہے، اگر قدرت نے تمہیں یہ موقع دیا ہی ہے تو اسے ضائع مت کرو، ایسے گھروں کے تو لڑکیاں خواب دیکھتی ہیں، بنی بنائی ہر چیز، نہ حیل نہ حجت، تھوڑی عقل استعمال کر لے میری نادان بیٹی! امام کے آگے پیچھے ہو لے، دیکھتی نہیں شانزے کس طرح آگے پیچھے پھرتی ہے، لوگ اسی طرح مردوں کو شیشے میں اتارتے ہیں۔'' ترکاری کی ٹوکری اٹھا کر انہوں نے عینی کو بڑے پتے کے گر سکھانے چاہے تھے، عینی منہ کے زاویے بگاڑتی ٹھنک گئی تھی۔

ایں؟ اس پہلو پہ تو اس نے سوچا ہی نہیں تھا۔

''امام؟'' اس کی آنکھیں لحظہ بھر کو چمکی تھیں، پھر معدوم ہو گئیں۔

''وہ تو نخریلا سا ہے اور خاموش طبع، کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں۔''

''تو کیا لڈیاں ڈالے، اس کی بہن مری ہے، ماں جیسی خالہ بیمار ہے، گھر ویران ہو گیا، قہقہے لگائے، بھنگڑے ڈالے کیا؟'' وہ تلملا کر بولی تھیں، عینی کا منہ اتر گیا۔

''پھر میں کیا کروں؟''

''بیوقوف! اس کے پاس بیٹھو، کوئی خدمت تواضع کرو، آگے پیچھے پھرو تاکہ اسے احساس ہو، ہم لوگ کس طرح اپنا گھر بار چھوڑ کر ان کے لئے قربانی دے رہے ہیں، تم رہنا عقل سے بیدل ہی، اس گونگی نشرہ سے بھی کچھ نہ سیکھا تم نے، جو بیٹھے بٹھائے اتنا قابل ڈاکٹر لے اڑی۔''

ماں کی بات اس کے لاپرواہ بھوسے بھرے دماغ میں سما ہی گئی تھی، اس نے سر ہلا کر حامی بھر لی۔

''اچھا دیکھتی ہوں، مگر مجھے نہیں لگتا، ان تلوں میں تیل ہو گا۔'' وہ ترکاری کی ٹوکری [illegible] کر کچن کی طرف بڑھ گئی تھی۔

☆☆☆

''مجھے یقین نہیں آتا کہ میری استانی ''رشتے دارنی'' نکل آئے گی۔'' نومی نے کوئی ایک سو چوبیس مرتبہ یہ بات دہرائی تھی، اب تو اسامہ کے کان پک چکے تھے، اس نے بے ساختہ اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس لی تھیں۔

''اب اگر تم دوبارہ بولے تو اللہ کی قسم، زبان کاٹ لوں گا۔'' نومی کا منہ اتر گیا۔

''اب کیا بندہ اتنے فلمی اتفاق پہ خوش بھی نہ ہو۔''

''کتنا خوش ہوتا ہے، میرا تو دل ہے، گلے میں ڈھول لٹکا کے ایک ہی مرتبہ ساری خوشی کا اظہار کردو۔'' وہ بھناتا ہوا پلنگ پہ دراز ہو گیا تھا، سر میں درد کی ٹیسیں اٹھ رہی تھیں، آنکھیں درد کر رہی تھیں جبکہ نومی کا بجتا بینڈ......؟

''اب مرگ والے گھر میں ڈھول بجاتا اچھا لگوں گا؟ کیا سوچیں گے، پاگل ہے یہ کیا؟'' نومی نے خفگی سے منہ بنایا تھا۔

''کم از کم تمہاری خوشی کا اظہار تو پورا ہو جائے گا نا۔'' اسامہ نے گردن موڑ کر کروٹ لی اور منہ پہ تکیہ رکھ لیا۔

''سونے لگا ہوں، اب نکلو یہاں سے، اور جا کر اپنی استانی کا سر کھاؤ، میری جان چھوڑ دو۔'' نومی اس صاف بے عزتی پہ کسلتا ہوا باہر نکل آیا تھا، سوچا، کسی کمرے میں بیٹھ کے ٹی وی ہی دیکھ لے، پھر فوتگی کا خیال آ گیا، اتنے بڑے گھر میں کرنے کے لئے کچھ بھی نہیں تھا۔

عینی بھی بولائی بولائی پھرتی تھی، امی البتہ بہت مصروف تھیں، انہوں نے تو کزنز کے گھر کو اپنا ہی گھر سمجھ کر سارے انتظامات اپنے ہاتھ میں کر لئے تھے، نومی تو ماں کی سمجھداری پہ اش اش کر اٹھا تھا، امی کا تو ارادہ ہی نہیں لگ رہا تھا یہاں سے جانے کا۔

وہ امی کو ڈھونڈتا ہوا باورچی خانے میں آیا تو ماں بیٹی کو مصروف دیکھ کر اسے اچھو ہی لگ گیا تھا۔

''یہ میری گنہ گار آنکھیں اتنے دنوں سے کیا دیکھ رہی ہیں، اپنے گھر میں ہل کر پانی نہ پینے والے اتنے مصروف؟ یا حیرت؟ کہیں مجھے ہارٹ اٹیک نہ ہو جائے؟'' نومی دل پہ ہاتھ رکھتا سلیب پہ لڑھکا تو امی کو تپ چڑھ گئی تھی، اس کی اداکاری بلکہ کھرے سچ پہ خاصا موڈ بھی بگڑا تھا۔

''اپنے گھر میں ایسا اٹالین کچن بھی تو نہیں ہے۔'' عینی نے بونگا سا جواز دیا تھا، جسے نومی نے کھانسی میں اڑا دیا۔

''تو جن کے اٹالین کچن ہوتے ہیں وہ ہر چیز سے کنارہ کر جاتے ہیں، کام کاج سے بری الذمہ ہو جاتے ہیں؟ یہ تو بڑے مزے کا لطیفہ سنا دیا تم نے۔'' نومی دانت نکوستا ماں کے قریب ہوا تو بڑی سی دھپ کندھے پہ پڑی تھی۔

''اب بک بک ہی کیے جا، دفع ہو، کام کرنے دے ہمیں۔'' وہ ترکاری میں الجھی ہوئی تھیں، غصے میں تڑخیں۔

''بڑے گھر میں آ گئی ہیں، تو بڑے گھر والے آداب بھی سیکھ لیں، بڑے گھروں میں مہذب

زبان میں بات کی جاتی ہے۔'' جاتے جاتے بھی وہ تیلی لگانے سے باز نہیں آیا تھا۔

''اب تو ماں کو تمیز سکھائے گا۔'' انہوں نے چھری کا دستہ ہلایا۔

''میری مجال۔'' نومی نے کانوں کو ہاتھ لگائے تھے۔

''پھر جاتا کیوں نہیں۔''

''میں تو آپ سے پوچھنے کے لئے آیا تھا، واپسی کا کیا پروگرام ہے؟'' وہ جان بوجھ کر انہیں چھیڑتے ہوئے بولا تھا۔

''تجھے کیا، دفع ہو یہاں سے، اپنی بہن کو بستر مرگ پہ چھوڑ کر چلی جاؤں کیا؟'' امی نے غصے میں نومی کو گھورتے ہوئے کہا تھا۔

''بڑی جلدی نہیں بہن کا خیال آ گیا؟'' نومی کا انداز معنی خیز تھا، صاف تپانے والا۔

''بہت ہی ذلیل ہے نومی تو۔'' انہوں نے سر جھٹک کر سبزی کی طرف دھیان دیا تھا۔

''ماں کی نیت پہ شک کرتا ہے۔''

''تو ماں کی نیت ہی ایسی ہے۔'' وہ دانت نکوستا نکل لیا تھا، پیچھے امی کی کھولتی آواز آتی رہی، وہ سنی ان سنی کرتا لان کی طرف آیا تو سامنے ہی شانزے کو لان چیئر پہ بیٹھا دیکھ کر فوری طور پہ اس کی طرف چلا آیا، پھر ذرا سا گلا کھنکار کر شانزے کو اپنی طرف متوجہ کیا تھا۔

''سنتی ہیں، آداب عرض کرتے ہیں۔'' شانزے گہری سوچوں میں غرق تھی، آواز کی سمت گھبرا کر دیکھا اور چونک گئی، اس کی کلاس کا سب سے زیادہ نالائق ترین اسٹوڈنٹ کھڑا تھا، اوپر سے اتفاقیہ طور پر رشتے دار بھی نکل آیا تھا، ویسے بھی وہ مروت والی لڑکی تھی، سو ذرا مروت نبھاتی مسکرائی اور سر کے اشارے سے سلام کا جواب دیا، نومی اتنی سی پذیرائی پہ کھل کر گلاب ہوتا وہیں گھاس پہ پھسکڑا مار کر بیٹھ گیا تھا۔

''آپ اس حسین اتفاق پہ کچھ کہیں گی نہیں، مجھے تو یقین نہیں آ رہا، یہ میری ٹیچر کا گھر ہے۔'' وہ اس کے بچکانہ انداز پہ ہلکا سا مسکرائی تھی، والد کی طرف سے یہ لوگ ان کے رشتے دار لگتے تھے، مگر سالوں سے کبھی ملاقات نہیں ہوئی تھی، اس لئے شانزے کو ان کا پتا ہی نہیں تھی، جن حالات میں یہ لوگ ملے تھے، یہ حالات بھی اچھے نہیں تھے، کومے کی ناگہانی موت، پلوشہ کی بیماری، امام کا بستر پہ ہونا یہ سب چیزیں باعث اذیت تھیں مگر ان لوگوں کا خلوص ایسا نہیں تھا، جو وہ بے مروتی کا اظہار کرتی۔

جس طرح نومی کی فیملی نے مشکل وقت میں سہارا دیا تھا، بڑا قابل تحسین عمل تھا خاص طور پر نومی کا بھائی بہت ذمہ دار اور مخلص انسان تھا۔

کچھ دیر بعد نومی شانزے سے ''بہناپہ'' گانٹھ کر اسے اپنی بے سروپا باتوں سے ہنسانے پر مجبور کر رہا تھا، موضوع گفتگو اس کا وہی والدہ اور بہن کے گرد ہی گھوم رہا تھا۔

''دنیا کی نکمی لڑکی، اٹالین کچن کے شوق میں کام کر رہی ہے، ورنہ اس جیسا تو کوئی ہڈ حرام نہیں تھا۔''

''ارے نہیں، ایسے نہیں کہتے، بہن ہے تمہاری۔'' شانزے نے بمشکل ہنسی روکتے ہوئے

اسے بے ساختہ ٹوکا تھا۔

''غلط تو نہیں کہہ رہا، یقین مانیں، ہمارے کچن میں ہر چیز کو پھپھوندی لگ رہی تھی، کھانا ان کو نہیں بنانا آتا، کپڑے دھوتے ہاتھ درد کرتے ہیں، صفائی کرتے سانس الجھتا ہے، گرد ناک میں گھستی ہے، برتن مانجھتے ہاتھ خراب ہوتے ہیں۔'' نومی تو نان اسٹاپ شروع ہی ہو گیا۔

''اور محترمہ فرماتی ہیں اٹالین کچن ہو تو کام کریں نا، اب جن کے اٹالین کچن نہیں، کیا وہ لوگ فاقے کرتے ہیں؟'' نومی کے شرارتی انداز پہ بات بات پہ مسکراتے ہوئے شانزے کو پتہ ہی نہیں چلا تھا کہ آج وہ کتنے دن بعد مسکرا رہی تھی۔

کومے کی ناگہانی موت، مسخ شدہ چہرہ، نگاہوں کے سامنے سے ہٹتا ہی نہیں تھا، اوپر سے پلوشہ کی بیماری، امام کا خود میں ہی گم صم رہنا۔

وہ تو یکا یک تنہا ہی ہو گئی تھی، مگر یوں لگتا تھا کہ اب اس تنہائی میں کچھ لوگ زبردستی مخل ہو رہے تھے اور ان کی آمد مستقبل میں بھی خوش آئندہ لگتی تھی۔

کچھ دیر بعد جب عینی شانزے کو چائے دینے کے لئے آئی تو لمحہ بھر کے لئے رک کر نومی کے متعلق ضرور پوچھا تھا، اسے کب سے کھد بد ہو رہی تھی، نومی کو لان میں بیٹھا اور پھر کھسک کر باہر نکلتا تو وہ دیکھ ہی چکی تھی، موقع غنیمت تھا، چائے کے بہانے آ گئی۔

''یہ نومی کچھ بکواس تو نہیں کر رہا تھا؟'' اسے وہم تھا، اس ماڈرن کزن کے سامنے نومی کچھ الاپ شلاپ نہ بک دے، ورنہ کیا عزت رہ جاتی بے چاری عینی کی۔

''ارے نہیں تو۔'' چائے کا مگ پکڑتے ہوئے شانزے نے اشارتاً کہا تھا۔

''تم نے کیوں تکلیف کی؟''

''تکلیف کیسی باجی، میرا اپنا گھر ہے۔'' اس نے امی والا مخصوص فقرہ دہرا دیا تھا اگر نومی ہوتا تو اسی پوائنٹ پہ اس کے ناک میں دم کر دیتا۔

''بالکل، اس میں کوئی شک نہیں۔'' شانزے نے خلوص سے کہا، ویسے بھی ان لوگوں کا بے لوث خلوص جس کا احسان اتارنے سے وہ سب اہل خانہ ہی قاصر تھے۔

نومی اور سامہ کی بھاگ دوڑ، آنٹی اور عینی کا گھر کو سنبھالنا، اس کی ممی تو دو گھروں کو سنبھالنے میں معذور تھیں، پھر شانزے کو ہسپتال بھی جانا ہوتا تھا، یوں گھر کی طرف سے اور امام کی طرف سے بہت بے فکری تھی۔

اور اس وقت وہ چائے کا مگ میز پہ رکھتے ہوئے امام کے روم کی طرف قدم بڑھا رہی تھی، جاتے سمے سوچا کہ اسے ایک نظر دیکھ جائے۔

پلوشہ کی بیماری اور کومے کے صدمے نے اسے بالکل توڑ کر رکھ دیا تھا، شانزے کو اندر آتا دیکھ کر امام پھیکے سے انداز میں مسکرایا، وہ بلاناغہ اسے دیکھنے کے لئے آ رہی تھی اور وہ از خود اتنا مجبور تھا کہ تعزیت کرنے والوں سے بھی ڈھنگ سے بات نہیں کر پاتا تھا۔

اسامہ اور نومی مردوں اور خواتین کو آنٹی اور عینی ہی ڈیل کر رہی تھیں، شانزے تو زیادہ تر ہسپتال ہی ہوتی تھی۔

کچھ دیر امام سے اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد وہ اٹھنے لگی تو امام نے بے ساختہ روک کر پوچھا تھا۔

''آنٹی اور عینی ٹھیک تو ہیں نا؟ ان سے پوچھ لینا کسی چیز کی ضرورت تو نہیں؟'' شانزے نے گہرا سانس بھرتے ہوئے اثبات میں سر ہلایا تھا، پھر کچھ دیر کی خاموشی کے بعد بولی۔

''ان سب نے ہمارا بہت ساتھ دیا ہے امام۔''

''بالکل۔'' وہ دھیمی آواز میں بولا۔

''مجھے تو اظہار تشکر کے لئے الفاظ نہیں مل رہے اور جانتی ہو، دیامر میں اسامہ سے میں مل چکا ہوں اور وہ اس کا بہنوئی ہیام ہے، یہ وہی جوان تھا، جو مجھے زخمی حالت میں دیامر سے اٹھا کر ہسپتال لایا تھا، یوں سمجھ لو، یہ پوری فیملی ہماری محسن ہے، میں ان کا احسان کبھی نہیں چکا پاؤں گا۔'' امام کے لہجے میں احسان مندی کا تاثر تھا۔

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو، کسی نہ کسی طریقے یہ لوگ ہماری مدد کرتے رہے ہے، خاص طور پر ہیام، جو تمہیں دیامر سے اٹھا کر نہ بروقت ہسپتال لاتا تو ہم تمہیں کھو چکے ہوتے۔'' شانزے کی آواز اس احساس سے ہی بھیگ گئی تھی، لاکھ وہ بے مروت ہو گیا تھا، ہزار وہ کٹھور ہو گیا تھا، مگر شانزے اپنے دل کا کیا کرتی، جو اسے دیکھ کر سارے عہد بھولنے لگتا تھا۔

''تم ان کا خیال رکھنا، میرا خیال ہے اسامہ کل چلا جائے گا، کیونکہ وہ صبح مجھے بتا رہا تھا، البتہ وہ نومی کو یہیں چھوڑ کر جائے گا، نومی سے کہنا، وہ یہیں سے کالج چلا جایا کرے، ہاسٹل سے اپنا سامان اٹھا لائے، یہ گھر کسی مرد کے بغیر نہیں چلے گا، ہمان کو چھٹی ملنا بہت مشکل ہے، پھر اس کے کیرئیر کا بھی آغاز ہے، اسے کہاں باندھ لوں اپنے ساتھ، میری معذوری نجانے کتنا عرصہ چلے۔'' وہ بے انتہا افسردہ اور مایوس لگ رہا تھا، شانزے کا دل تڑپ سا گیا۔

''خدانخواستہ، دیکھنا تم بہت جلد اپنے پیروں پہ چلو گے، آئندہ معذوری کی بات نہ کرنا۔'' شانزے کی محبت اور تڑپ پہ وہ بے ساختہ نظر چرا گیا تھا، جانے اسے کیا کچھ یاد آ گیا تھا، دیامر، حمت اور صندیر خان۔

''اگر میں ٹھیک ہو گیا، تو اس خبیث کو زندہ ہیں چھوڑوں گا، اپنے ہاتھ سے موت کے گھاٹ اتاروں گا۔'' اچانک امام کا چہرہ رنگ بدلنے لگا تھا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھوں میں سرخیاں اتر آئی تھیں، شانزے کا دل کانپ سا گیا۔

''تمہاری فطرت میں انتقام تو نہیں تھا امام!''

''نہیں تھا، مگر اب بہت کچھ بدل گیا ہے شانزے، امام بھی اور امام کا وقت بھی۔'' اس کے الفاظ پہ شانزے خاموشی سے اس کا چہرہ دیکھنے لگی تھی، جس چہرے پہ ایک تاریخی فیصلہ رقم تھا۔

''انتقام کا بھیانک فیصلہ۔''

☆☆☆

صندیر نے اس لمحے کے اثر کو کئی دن گزر جانے کے بعد بھی نہیں کھویا تھا۔

وہ ابھی تک درطہ حیرت میں تھا، وہ لڑکی کون تھی؟ کہاں سے تھی؟ کس خاندان سے تھی؟ کیا

اسی لڑکی کی خاطر شاہوار نے سباخانہ کو ٹھکرا دیا تھا؟
کئی طرح کے سوالیہ نشان چکرا رہے تھے اور اسی چکر میں وہ حمت سے کومے کا احوال پوچھنا بھی بھول گیا تھا، ویسے اسے اتنی تسلی ضرور تھی کہ کومے اب ہوش میں تھی اور کچھ حواسوں میں آ کر الٹے سیدھے سوال بھی کر رہی تھی۔
فی الحال اسے کومے کو اپنے ''درشن'' کروانے کا کوئی شوق نہیں تھا، شاہوار کے معاملے میں یکا یک اسے دلچسپی محسوس ہوئی تھی اور جس معاملے میں شاہوار کو دلچسپی محسوس ہو پھر اس معاملے کا کیا حشر ہوتا تھا؟ یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی تھی، اس نے سعادت خان کو بلا لیا تھا۔
''آج کل تمہارا خاناں کسی کی ''جاناں'' بنا ہوا ہے، سعادت خان! ذرا اس معاملے کی تہہ تو کھوجو، اندر آخر دبا کیا ہے؟'' خلاف توقع صندیر خان خاصے موڈ میں لگ رہا تھا اور اس کا موڈ میں آ جانا بھی خطرے سے خالی نہیں تھا، سعادت خان نے سعادت مندی کے ساتھ سر اثبات میں ہلا دیا تھا۔
''حکم خان! ام کچھ ہی دنوں میں پتا لگا لے گا۔''
''اور یہ بھی دھیان رکھنا، شاہوار کو اس جاسوسی کی بھنک بھی نہ پڑے اور ہاں خیال رہے اس معاملے کی شروعات معلوم کرنی ہے۔'' صندیر خان کا انداز حکمیہ تھا، سعادت خان کو بھیج کر خود وہ سرشار سا بنومحل میں آ گیا تھا۔
پری گل باورچی خانے سے گلاس اٹھا کر لا رہی تھی، خاناں کو اچانک دیکھ کر بوکھلا گئی اور سارے گلاس زمین پر گرے اور چکنا چور ہو گئے، پری گل کے ہاتھ سے باقی ماندہ طوطے، کبوتر بھی اڑ گئے، آج خان کے ہاتھوں شاید وہ مرنے ہی والی تھی۔
بوکھلاتے ہوئے زمین پہ بیٹھی اور کانچ اٹھانے کی سعی کرنے لگی، معاً صندیر خان کی بھاری آواز نے اسے چونکایا، بوکھلایا اور ہڑبڑا دیا تھا۔
''او مارا، ہاتھ کو زخمی کرنا ہے کیا؟'' آواز میں بھاری پن نمایاں تھا، مگر الفاظ اتنے ملائم کہ پری گل کو کھڑے کھڑے غش آنے لگا۔
''خان اور ایسی ملائمت؟ اللہ خیر۔'' پری گل کے رہے سہے اوسان بھی خطا ہو گئے تھے۔
''اور یہ تم واپس کیوں آ گئی؟'' اچانک اسے خیال آیا اور چونک گیا، اسے تو اس نے حمت کے ساتھ بھیجا تھا۔
''ام کو بی جاناں نے بلایا، شام کو چلا جائے گا۔'' اس نے ہکلاتے ہوئے جواب دیا تھا۔
''اچھا...... بی جاناں کہاں ہیں؟'' وہ خود ہی بولتا ہوا اوپر والی منزل کی طرف بڑھ گیا تھا، جہاں بی جاناں شاید سباخانہ کے کمرے میں بیٹھی تھیں اور شاید اس کی دلجوئی کر رہی تھیں، صندیر خان کے بلاوے پہ باہر آ گئیں، لاڈلے پوتے کو دیکھا اور کھل اٹھیں۔
''اس دفع تو جلدی چکر لگا لیا۔'' بے ساختہ ماتھا چوم کر شانہ تھپکا تھا، صندیر نے جھک کر پیار وصول کیا اور بولا۔
''بات ہی کچھ ایسی ہے۔''

''خیر تو ہے۔'' بی جاناں ہولائیں۔
''وہی قصہ جو پہلے بھی بتایا تھا، شاہوار کے خفیہ معاملات والا۔'' صندیر خان کے بتانے پر جہاں بی جاناں چونکی تھیں، وہیں اندر موجود سباخانہ کا دل بھی بری طرح سے دھڑکنے لگا، اس نے کان باہر کی آوازوں کی طرف لگا دیئے تھے۔
''شاہوار کا اسی وادی کی کسی لڑکی کے ساتھ چکر ہے، اسی کی خاطر وہ سب کچھ ٹھکرا کر چلا گیا، کتنا نادان نکلا۔''
بی جاناں کے دل کو دھچکا لگا، حالانکہ انہیں پتا تو تھا ہی، مگر تکلیف نئے سرے سے محسوس ہوئی تھی، خون کھول اٹھا، چہرہ لالوں لال ہو گیا۔
''وہ بھی گلفام چچا کے نقش قدم پہ ہے بی جاناں! اپنا دل اور مضبوط کر لیں، میں اس معاملے کی کھوج میں ہوں، اگر اس نے مقامی لڑکی سے نکاح کر رکھا ہوا تو میں جائیداد سے دستبرداری کے کاغذات تیار کروا کر اسے بھجوا دوں گا، تاریخ گواہ ہے، بنو محل کی روایتوں سے ٹکرانے والوں کو بنو محل کی پناہوں سے بے دخل کر دیا جاتا رہا ہے، تاریخ ایک مرتبہ پھر دہرائی جا رہی ہے، بس وقت اور کردار بدل چکے ہیں۔''
صندیر خان نے اپنا فیصلہ سنایا اور مضبوط قدموں سے چلتا ہوا آگے بڑھ گیا تھا، بی جاناں خالی دامن کھڑی تھیں اور ان کی نواسی خالی دل لئے، دونوں کے ہاتھ خالی تھے۔

☆☆☆

اور اس نے اونچی بالکونیوں والی اس حویلی میں کوئی ایک سو چالیس مرتبہ بلند آواز میں حسرت زدہ سا یہ تعمیر پڑھا تھا۔
''آج ہماری سالگرہ تھی، دیکھو کسی کو یاد نہ تھی اور یاد رہتی بھی کیسے، امریکہ میں سالگرہ منانے کی نہ فرصت تھی نہ وسائل اور یہاں وسائل تھے مگر کسی کو نیل بر کی ذات میں دلچسپی نہیں تھی۔''
کافی عرصے سے وہ اکیلی ہی سالگرہ کا کیک کاٹ کر اپنا شوق پورا کر لیتی تھی، سالگرہ کا دن اس کے لئے اتنا خوشگوار بھی نہیں تھا، بھلا اس نے دنیا میں آ کر کیا کیا؟ نہ اس کے ہونے سے کوئی فرق آیا تھا، نہ ہونے سے بھی کوئی فرق آنے والا نہیں تھا، دل پہ ایک بوجھ سا لدا تھا۔
اور یہ بوجھ اس وقت اور بھی بڑھ گیا جب عزت مآب جہاندار صاحب کی سواری باد بہاری بن ٹھن کر نکل گئی، جاتے سے بتانا بھی گوارا نہ کیا، نیل بر نے بھی جھوٹے منہ ناشتے کا نہیں پوچھا تھا، ایسے تو ایسے ہی سہی۔
حالانکہ جاتے ہوئے وہ لمحہ بھر کے لئے باورچی خانے کے پاس کھڑا ہوا تھا، ٹھنڈے چولہوں کو دیکھ کر ٹھنڈی آہ بھی بھری تھی، مگر وہ نیل بر ہی کیا جو اثر کر جاتی۔
''سوچ رہا ہو گا، ان ٹھنڈے چولہوں کی طرح میرے نصیب بھی سو چکے ہیں۔'' نیل بر کو ٹھنڈ پڑ گئی تھی، کھڑکی کے پاس کھڑے ہو کر ایک مرتبہ پھر وہی درد بھرا گیت گنگنایا۔
آہ، آج ہماری سالگرہ تھی
دیکھو، کسی کو یاد نہ تھی
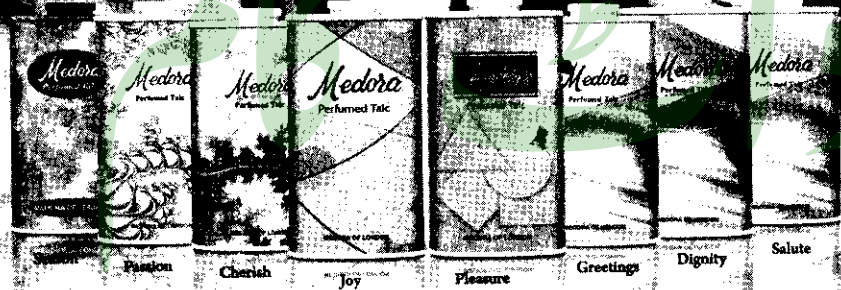
جہاندار آگے بڑھتے بڑھتے رکا اور ایک گہری نگاہ نیل بر کے وجود پر ڈالی، جو خاصی پژمردہ دکھائی دے رہی تھی۔

''میں نے کیبنٹ کے اندر بن، رس اور ڈبل روٹی رکھ دی ہے، چائے بنا کر ناشتہ کر لینا اور ہاں چوہوں کا بھی دھیان رکھنا، ہر چیز کتر نہ جائیں۔''

نیل بر کی اٹکی سانس بحال ہوئی، چلو، اس کے اپنے کھانے کا تو مسئلہ حل ہو چکا تھا اور رہا جہاندار تو اگر وہ لے ہی آیا تھا تو یقیناً کھا پی چکا ہوگا، اس نے سر جھٹک کر جہاندار کو باہر نکلتے دیکھا اور پھر پیٹ پوجا کا انتظام کرنے چل دی۔

کھانے پینے کے بعد اس کی اور تو کوئی مصروفیت نہیں تھی، گھر گندا ہے تو اس کی بلا سے، ہوتا رہے، برتن بھی ان دھلے پڑے رہے۔

خود وہ پوری حویلی میں بدروحوں کی طرح گھومتی رہی، پھر تھک ہار کر جمائیاں لینے لگی اور پلنگ پہ ایسی گری کہ پھر اٹھی ہی نا، شام ڈھلے جب ہلکی آہٹوں سے آنکھ کھلی تو وہ ہڑبڑا کر اٹھ بیٹھی، وہ پورا دن ہی سوتی رہی، یقین نہیں آ رہا تھا۔

حواس ٹھکانے لگا کر منہ ہاتھ دھویا، فریش ہونے کے بعد گھڑی پہ نگاہ ڈالی اور گھبرا سی گئی، باہر بھی خوفناک رات کا بسیرا تھا اور حویلی کے اندر بھی، بجلی ندارد، ٹیوب لائٹ نجانے کہاں تھی، وہ موم بتیاں ٹٹولتی رہ گئی۔

دل میں خوف کی لہر سی اٹھنے لگی تھی، یوں لگ رہا تھا پوری حویلی میں روحوں نے اچانک ہی بسیرا کر لیا ہے، جہاندار کبھی رات گئے تک باہر نہیں رہا تھا، اس لئے نیل بر کو آج سے پہلے رات اتنی خوفناک نہیں لگی تھی اور اب اس کا دل سوکھے پتے کی طرح کانپ رہا تھا۔

یوں لگ رہا تھا بڑے ہال میں کوئی چل رہا ہے اور کسی کے دھیما دھیما بولنے کی آواز بھی آ رہی تھی اور ساتھ جیسے برتنوں کی کھنک، نیل بر کی جان پہ بن آئی، ایسی صورتحال سے آج تک واسطہ نہیں پڑا تھا، خوف نے اسے رولانے پہ مجبور کر دیا۔

پھر جب باہر کا شور بڑھتا رہا تو اس کے سینے میں اٹکی سانسیں تک معدوم ہونے لگی تھیں، معاً اچانک ہی کمرے کا دروازہ کھلا اور کوئی نیم اندھیرے میں ہیولا اندر آیا۔

نیل بر کی بے ساختہ چیخ نکل گئی تھی، کیونکہ اس ہیولے نے نیل بر کی چیخ دبانے کے لئے اس کے منہ پر ہاتھ رکھ کر اسے دونوں بازوؤں میں دبوچ لیا تھا، خوف کے مارے نیل بر کی مزاحمت بھی دم توڑ رہی تھی، قریب تھا کہ وہ بے ہوش ہو کر گر پڑتی، اس کے کانوں نے ایک آواز سنی تھی۔

''آج تمہاری سالگرہ تھی نا، دیکھو ہم کو یاد تھی نا۔''

(باقی اگلے ماہ)

معصوم شکایتیں
تابندہ جاوید

میں ایک عظیم رائٹر ہوں (آپ سمجھ رہے ہوں گے کہ اپنے منہ میاں مٹھو بن رہی..... آہم آہم) اچھا تو میں بتا رہی تھی کہ میں ایک عظیم رائٹر ہوں جس کا کام ہے اپنے ہزاروں لاکھوں مداحوں تک سچائی پہچانا، (اب آپ ہزاروں لاکھوں پر حیران ہو رہے ہوں؟ ارے یار کچھ آگے پیچھے لگا لو اب میں اتنی ''ویلی'' نہیں کہ مداحوں کی تعداد گنتی رہوں، آخر کو اتنی عظیم رائٹر ہوں)

میرے اردگرد بہت سے لوگ ہیں جو کہ اپنی شکایتیں سنا رہے ہیں (اوہ ہو ذرا ایک ایک کر کے بولیں نا...... یہ لوگ بھی نہ...... پر کیا کریں سب ہماری رائٹر سے تنگ ہی بہت ہیں، ان رائٹر میں سے مجھے نکال دیں) آپ حیران ہو رہے ہوں گے کہ کون سے لوگ ہیں جو اپنی شکایتیں لکھوا رہے ہیں؟ ان میں ہماری رائٹر کے ہیرو، ہیروئن، ماں، باپ، نند اور ساس، سسر شامل ہیں۔

بات سمجھ میں آئی نہیں، آئی تو پھر آئیں آپ بھی میرے ساتھ ان کی عدالت میں چلیں اور سنیں۔

آتے ہیں اپنے ہیرو کی طرف، ہاں جی آپ کیا کہنا چاہتے ہیں، اب ان کی زبانی ہی سنتے ہیں۔

☆☆☆

میں ایک ہیرو ہوں کوئی فلمی ہیرو نہیں بلکہ ناولز کا ہیرو ہوں، مجھے اپنی رائٹرز سے بہت سی شکایت ہیں ایک تو وہ ہمیں اتنا ڈیشنگ بنا دیتی ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ ہم اس دنیا کی مخلوق ہی نہ ہوں اوپر سے ڈریسنگ ایسی کہ ہر وقت تیار لگتا اور کپڑوں پر کوئی شکن تک نہیں ہوتی، اب بندے کا کبھی دل کرتا کہ وہ بھی تھوڑا رف حلیے میں گھومے اور نام اس قدر مشکل ہوتے ہیں کہ اینڈ تک قارئین اس کو Pronounce کرنے میں ہی لگے رہتے ہیں ہم بھی عام انسانوں کی طرح جینا چاہتے ہیں، ہم بھی چاہتے ہیں کہ ہم اپنے کمرے کی ہر چیز بکھرا کر رکھیں، (پر نہیں جی ہیرو نہ ہو گیا کوئی سگھڑ سی ہیروئن ہو گئی) جو اپنے کمرے کو ہر وقت صاف ستھرا اور سلیقے سے رکھتا ہے، یا تو ہمیں گاؤں کا لڑکا بنا دیا جاتا ہے جس کو ہمیشہ کسی شہر کی لڑکی کے ساتھ پھنسا دیا جاتا ہے اور وہ اس کی بدتمیزیوں کے باوجود اس کو برداشت کرتا ہے کبھی ہمارا بھی دل کرتا ہے ان بدتمیزوں کا جواب دیں پر نہیں جی ہم تو فرمانبردار بیٹے ہیں جو اپنے بڑوں کا کہا پتھر پر لکیر سمجھتے (اب اتنی فرمانبرداری بھی اچھی نہیں ہوتی ہے)۔

کبھی ہمیں شہر کا روڈ، بدتمیز اور لڑکیوں سے کوسوں دور رہنے والا بنا دیا جاتا ہے (بھئی ہم بھی عام لڑکوں کی طرح تھوڑا فلرٹ کرنا چاہتے ہیں آہم آہم) پر نہیں ہمیں تو لڑکیوں کو دیکھنا بھی پسند نہیں ہوتا ہے کبھی دل کرتا کہ ہم بھی اللہ کی بنائی ہوئی خوبصورت تخلیق کو دیکھیں پر بھلا ہو ہماری رائٹرز کا جو ہمیں اتنی کٹھور اور بدذوق دکھاتی ہیں کہ ہم اپنی کی خواہشیں بھی پوری نہیں کر پاتے ہیں۔

ایک تو ہمیں کھانے پینے کا بہت شوقین دکھاتے وہ بھی ایسے ایسے کھانے جن کے ہم نے نام بھی نہ سنے ہوں، (پر ہماری مجبوری ہے کھانے پڑتے ہیں آخری ہماری ہیروئن نے بنائے ہوتے ہیں) ہمارا بھی دل کرتا ہے کہ ہم بھی کوئی سادہ سے کھانے کھائیں جیسے دال چاول ہوں یا ایسی ہی کوئی چیز ہو (آہ ہماری معصوم حسرتیں)۔

زیادہ تر تو ہمارے ماں باپ ہی مار دیئے ہوتے اور ہمیں کسی کے آسرے پر رہنا پڑتا اور ہم ساری زندگی ان کا احسان ہی چکاتے رہتے ہیں ہمارا بھی دل کرتا ہے کہ ہمارا چھوٹا سا گھر ہو جس میں ماں باپ بہن بھائی ہوں ہم ان کے ساتھ مستیاں کریں (پر یہ ہماری رائٹرز......)

اب ہمارے ایک ہیرو دوست (جن کا پتہ نہیں کیا مشکل سا نام تھا) ان کی بات سن لیں ایک دفعہ ان کا دل چاہا کہ وہ بھی کوئی فیشن ایبل لڑکی کو دیکھیں اس سے باتیں کریں (جو کہ ان کی کزن بھی تھی اور ان کو پسند بھی کرتی تھی) پر نہیں جی ہماری سیدھی سادی ہیروئن وہیں موجود تھیں تو وہ بیچارہ اس حسین لڑکی کو اگنور کر کے چلا گیا، (اللہ پوچھے ان رائٹرز سے) اب ہر وقت تو کچن میں موجود رہنے والی لڑکی کو یہ دل کیسے برداشت کرے (آہ پر معصوم سا دل...... اور اس پر حسرتیں)

ایک تو ہمیں عجیب و غریب قسم کی ڈگریاں دلوا دیتی ہیں جن کا چاہے سکوپ ہو یا نہ ہو یا ہمیں ان سبجیکٹ میں انٹرسٹ ہو یا نہ ہو اور سب سے پریشان کن بات یہ ہے کہ ہمیں ہمیشہ پوزیشن بھی لینی ہوتی ہے اور ہمیں دلائل تو ایسے دینے آتے ہوتے ہیں کہ اگلا ہمارے سامنے ٹک بھی نہیں سکتا (ہم خود بھی حیران ہو جاتے ہیں کہ ہم اتنی مشکل اور پیاری باتیں کیسے کر لیتے ہیں) کبھی کبھی دل کرتا ہے کہ ہم بھی عام لڑکوں کی طرح دوستوں کے ساتھ کینٹین میں وقت گزاریں، ان کے ساتھ بائیک پر بھی آوارہ گردی کریں پر نہیں ہماری رائٹر تو چاہتی ہیں کہ ہم نا چاہتے ہوئے بھی بس لائبریری میں رہیں اور پڑھتے رہیں (آخر ہم نے پوزیشن بھی تو لانی ہوتی ہے نا)۔

☆☆☆

جی تو قارئین آپ نے ہیرو کی شکایتیں سنی (ابھی تو اور بھی بہت سی تھیں پر ابھی اور بھی بہت سے لوگ ہیں نا جو کہ اپنی شکایتیں لے کر اس عظیم رائٹرز کے پاس آئے ہوئے ہیں)۔

چلئے اب اگلے انسان کے پاس چلتے ہیں یہ ہیں ہمارے ناولز کی ہیروئن (جو کہ دوپٹہ اوڑھے چپ سی کھڑی ہیں) آیئے ان کی بات سنتے ہیں۔

میں ایک معصوم اور ڈری سہمی سی ہیروئن ہوں میں اپنی کیا کیا شکایتیں سناؤں (بہت لمبی لسٹ ہے) سب سے پہلے تو ہمیں زیادہ تر غریب سے گھرانے میں پیدا کر دیا جاتا ہے جہاں ہمارا باپ تو ہوتا ہی نہیں ہے جو کہ ہماری پیدائش پہ ہی یا پہلے ہی فوت ہو چکا ہوتا ہے اور ہم اپنے بہن بھائی میں سے سب سے بڑے ہوتے ہیں اور ہم سارے گھر کے کام کرتے ہیں اس کے ساتھ ساتھ ہم کہیں جاب بھی کرتے یا کہیں ٹیوشن دیتے اور پھر ہم رات کو پڑھتے تا ہیں ہم پڑھ لکھ کر اپنے بہن بھائیوں کی مزید ضرورتیں پوری کر سکیں (اُف......) کبھی تو ہمیں بھی شک ہونے لگ جاتا ہے کہ ہم انسان ہی نہیں؟ پر یہ رائٹرز پتہ نہیں ہمیں کیا بنا دیتی ہیں اوپر سے ہم کھانا پکانے میں اتنا ماہر ہوتے ہیں کہ ایک ہی وقت میں کتنی ڈشز بنا لیتے ہیں اور ایسے ایسے کھانے بناتے ہیں (جن کے نام بھی اب یاد نہیں ہیں) کہ کیا ہی کوئی بڑے سے ہوٹل کا شیف بناتا ہوگا، کبھی ہمارا بھی دل کرتا ہے کہ ہم کسی امیر گھرانے میں پیدا ہوئے ہوتے ہم بھی کام نوکروں سے کرواتے اور خود بس اپنی خوبصورتی کا خیال رکھتے (پر یہ ہماری رائٹرز بھی نا......)

ہم اتنی گرمی میں بھی اتنا بڑا سا دوپٹہ اوڑھ کر پھرتے ہیں کہ ہمیں خود بھی گھبراہٹ ہونے

لگ جاتی ہے کیا جو کہ اگر رائٹرز تھوڑا چھوٹا دوپٹہ اوڑھوا دیں اور ہمیں بھی صحیح طرح سے سانس آنے لگے۔

اگر ہم امیر گھرانے میں پیدا ہو بھی جائیں تو بھی ہماری اندر کوئی بہت ہی پرانی سی روح ہوتی جو کہ ہمیں مکمل طور پر مشرقی بنانے کے درپے ہوتی (جو کہ زیادہ تر دادیوں کا کمال ہوتا) اور ہمیں اپنے سارے بہن بھائیوں سے الگ ہی کوئی مخلوق بنا دیا جاتا ہے جو کہ اتنے ملازم ہونے کے باوجود بھی خود کچن میں کام کرتی ہے، (بھلا ہمارا دل نہیں کہ ہم بھی اپنے بہن بھائیوں کے ساتھ انجوائے کریں خود ڈرائیو کرتے ہوئے جائیں اور خوب شاپنگ کریں، پر ہماری قسمت) اور زیادہ تر ہمارا مذاق ہی اڑوائی ہیں آپ، ہمارے بہن بھائی ہمارا خوب مذاق بناتے کہ ہم میں پتہ نہیں کسی کی بڈھی روح ہے کبھی ہمارا بھی دل کرتا ہے کہ ہم بھی سب کچھ بھول بھال کران کے ساتھ گھل مل جائیں (پر یہ رائٹرز ہر وقت سر پر سوار رہتیں نہ......)

اور ہمارے ہیرو ایسے ہوتے ہیں ہم فضول ہی میں ان سے ڈرتے رہتے ہیں، (ہمیں اتنے بزدل کیوں دکھایا جاتا ہے؟ اس بات کا جواب چاہئیں ہم ہیروئنز برادری کو) بات بات پر ہم کانپنے لگ جاتے ہیں، کبھی ہمارا بھی دل چاہتا ہے کہ ہم آگے سے جواب دیں اور بتا دیں کہ ہم اتنے ڈرپوک نہیں ہیں ہم بھی غلط بات کا جواب دے سکتے ہیں (پر ہمیں کانپنے سے فرصت ملے تو ہی ہم کوئی جواب دیں نا)

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ ہم چھوٹے چھوٹے معصوم سے جانوروں کو دیکھ کر اتنا اچھلتے کیوں ہیں، (پلیز رائٹرز ہمیں ہیروز کے سامنے ایسے ڈرپوک مت دیکھایا کریں کہ ہم اتنی فضول حرکتیں کریں) ہم اتنا شور مچاتے ہیں کہ ہیرو آئے ہمیں بچانا ہے (اتنے بڑے جانوروں سے) اور ہمارے سامنے ہیرو کی بہادری دیکھائی جاتی ہے اور ہم بہت امپریس ہو جاتے ہیں (اونہہ) ایک تو پتہ نہیں بادل کے گرجنے کی آواز سن کر ہمیں کیا ہو جاتا ہے ہم عجیب ہی حرکتیں کرنے لگ جاتے ہیں، مہربانی کر کے ہمیں ہیرو کے سامنے ایسی فضول حرکتیں مت کروایا کریں ہمارا بھی دل کرتا ہے کہ ہم ہیرو کے سامنے سوبر نظر آئیں (آہ ہماری خواہشیں)۔

اب ہماری ایک دوست ہیروئن کی بات سنیں اس کا ہیرو اتنا مغرور اور غصیلا ہے کہ ہر وقت اس کو ڈانٹنے کی طرف دھیان رہتا ہے اب میری دوست کا کتنی بار دل کیا کہ وہ اس کی طبیعت صاف کر کے رکھ دے پر پھر وہ ہی مسئلہ (رائٹرز) اب بندہ کرے تو کیا کرے، وہ بیچاری اپنا دل مسوس کے رہ گئی اور لگی منمنانے اور کانپنے، اب کیا کیا سناؤں اور کیا اپنے دکھی دل دکھاؤں، ہمارے ساتھ بہت زیادتی ہوتی ہے ہمیں تو جیسے بے زباں جانور سمجھ لیا جاتا ہے، ہم زبان رکھنے کے باوجود بس چپ چاپ ہیرو کا سڑا ہوا (کرخت) چہرہ دیکھتے رہتے ہیں اور کانپتے رہتے ہیں، (اف بیچاری ہیروئنز)۔

☆☆☆

اچھا اچھا آپ کی بھی سنتی ہوں، آپ کب سے بولے جا رہی ہیں، جی آپ بتائیں آپ کون ہیں اور آپ کو کیا شکایتیں ہیں، یہ اتنے پر جلال چہرے والی، آنکھوں میں دکھوں کا عکس لئے ہوئے اور چہرے پر زندگی کے تلخ تجربات کی کہانی لئے یہ اور کوئی نہیں ہے یہ ہے ہمارے ناولز کی دادی جان، (جو کہ تقریباً ہر ناول کا لازمی جزو ہوتی ہے)۔

''یک ہا، کیا سناؤں میں بڑھیا بیچاری، زندگی گزر گئی پر یہ کمبخت مارے دکھوں نے جان نہ چھوڑی، بھلا میری کوئی عمر ہے کہ میں اتنے دکھوں کا سامنا کروں پر نہ جی یہ موئی (رائٹرز) مجھ بڑھیا کو بھی سکون کا سانس لینے نہیں دیتی ہیں، بھلا بتاؤ میری عمر ہے کہ میں آرام وسکون سے اپنے بیٹوں اور بہوؤں کے پاس رہوں ان سے خدمت کرواؤں اپنے پوتوں، پوتیوں کی محبت بھری شرارتوں سے اپنی زندگی کے آخری پل گزاروں پر یہ بچیاں، (رائٹرز) تو پتہ نہیں مجھے کیا بنا دیتی ہیں، یہ جوانی میں ہی میرے بچوں کو مار دیتی ہیں اور معصوم پوتوں اور پوتیوں کی ذمہ داری مجھ معصوم کے کاندھے پر آ جاتی ہے، ان کے دادا کو تو پہلے ہی مرحوم بنا دیا ہوتا ہے پتہ نہیں مجھ سے کیا دشمنی ہوتی ہے، بوڑھی ہوتی ہوئی بھی اپنے پوتیں، پوتیوں کے لئے دوبارہ سے ہمت اکٹھی کرتی ہوں اب بھلا بتاؤ میری ہڈیوں میں اتنا دم خم ہے کہ دوبارہ سے بچوں کو پالتی رہوں (پر یہ رائٹرز بیچاری بچیاں بھی نہ نا جانے کیا سوچتی رہتی ہیں)۔''

اصل زندگی کی دادیاں تو یا تو بچوں کی شادیوں کے ساتھ ہی فارغ ہو جاتیں ہیں (میرا مطلب خالق حقیقی سے ملنا) یا پھر پوتوں، پوتیوں کی معصوم شرارتوں سے اپنی زندگی گزارتی ہیں پر پتہ نہیں ہمارے ساتھ ہی یہ ظلم کیوں، آخر کیوں؟ آخری عمر میں پتہ ہیں ہماری نظر اتنی تیز کیسے ہو جاتی ہے کہ ہم بیچارے بچوں کو پالنے کے لئے لوگوں کے کپڑے سلائی کرتی ہیں اور پھر اتنی بہادر بھی ہو جاتیں کہ ہرایرے غیرے سے اپنے بچوں کو دور رکھتیں اور بچوں کی اتنی اعلیٰ تربیت کرتیں کہ دنیا والے حیران ہی رہ جاتے (کیا ان کے والدین نے ان کی تربیت کرنی ہوگی) چلو یہ تو پھر بھی ٹھیک ہے کہ آخر بچوں سے محبت ہوتی ہے کہ ان کے لئے کچھ بھی کر سکتے پر مجھے اصل اعتراز یہ ہے کہ جب میں اتنی مشکلوں سے ان کو بڑا کرتی ہوں تو پھر ان کی خوشیاں دیکھنے سے پہلے ہی مجھے بیچ میں سے نکال دیتے ہیں (مطلب مار دیتے ہیں) بھلا بتاؤ میری کوئی

خواہشات ہیں کہ اتنے دکھوں کے بعد میں بھی کچھ خوشیاں دیکھ سکوں (تھوڑا زندگی کے رنگ ڈھنگ دیکھ سکوں آہم آہم) پر نا جی جیسے ہی ہمارا کام ختم ہوا ہمیں مار ڈالا، ہم احتجاج کرنا چاہیے کہ یا تو ہمیں ہمارے وقت کی ہی خوشیاں دیکھاؤ یا پھر اپنے پوتوں پوتیوں کی، ہم آخر کتنا دکھ سہیں، ہمارا بھی حق ہے کچھ اس زندگی پر، اس کی خوشیوں پر، پر یہ لوگ ہمیں بولنے نہیں دیتے، ہماری آوازوں کو دبا دیتے ہیں (ابھی بھی دبا دیتے ہیں، کب سے تو بول رہی ہیں اور وہ بھی اتنا اونچا اونچا) پر اب ہم چپ ہونے والے نہیں ہیں، اتنا سلیقہ مند دیکھاتے ہیں ہمیں کہ ہم تو خود حیران ہو جاتے ہیں کہ اتنا سلیقہ مند اگر ہم اپنے ٹائم پر ہوتے تو ہر جگہ ہماری کتنی واہ واہ ہوتی (پر ہائے رے ہماری قسمت) سگھڑ اور سلیقہ مند بھی ہوئے تو اپنی پوتی کے وقت پر) (پتہ نہیں ایک دم سے ہمیں اتنا کچھ کیسے آ گیا جو ہم نے اپنی پوتی کو سکھایا)۔

کبھی ہمارا بھی دل کیا کہ ہم بھی ذرا اردگرد کی خبریں لے کر آئیں (اردگرد مطلب ذرا محلے کی چٹ پٹی خبریں) اور ہم بھی ذرا لوگوں کے دکھ سکھ سنیں (اور انہیں اِدھر اُدھر پھیلائیں اور لڑائیاں کروائیں) ہمارے پاس بھی دل ہے ہم بھی چاہتے کبھی محلے میں ہماری (چغلیوں) کی وجہ سے تھوڑی بہت رونق (لڑائیاں) لگے اور ہم اس رونق سے لطف اندوز ہوں، ہم بھی چاہتے ہیں کہ کبھی گھر بار کی فکر چھوڑ کر ہم اپنے رشتے داروں کے گھر رہنے جائیں اور ان کی بہوؤں سے خدمتیں کروائیں (اور ان پر رعب جمائیں) پر ہمیں تو پتہ نہیں اتنی معصوم اور سمجھ دار بڑھیا بنا دیا جاتا ہے کہ ہماری یہ تمام حسرتیں، حسرتیں ہی رہ جاتی ہیں، ہم نہ چاہتے ہوئے بھی محلے والوں کے لئے ایک مددگار دادی بن کے رہ جاتے ہیں جو ان کی ہر مشکل میں مدد کرے اور اِن کو اپنے بچوں کی طرح سمجھیں ہک ہا، (اور ادھر کی بات ادھر بھی نہیں کر سکتے)۔

اب بھلا تم ہی بتاؤ بچی (یہ پیاری بچی مجھے کہا گیا ہے) کہ اب ہم لوگ کدھر جائیں اور کس کے آگے اپنا دل ہلکا کریں۔

میرا بھی دل کرتا ہے کہ میں اپنے آخری دن آرام وسکون سے گزاروں اور ہر طرح کی پریشانیوں سے دور رہوں پر کیا کروں ہماری کدھر چلتی ہے۔

☆☆☆

میں تو دادی کی کہانی سن کر خود تھوڑی دکھی ہو گئی ہوں کتنی درد بھری کہانی تھی کہ وہ بیچاری ادھر ادھر کی خبر بھی نہیں دے سکتی بس ہر وقت اپنی پوتے پوتیوں کی فکر میں لگی رہتی ہیں، میں بس رائٹرز بہنوں سے دادی کی طرف سے اپیل کرنا چاہتی ہوں کہ دادی کو بھی رونق (لڑائیاں) دیکھنے کا موقع دیں اور ان کے بچوں کو اپنے بچے ان کی ذمہ داری پر چھوڑنے کے لئے مت ماریں بھلا کسی ایک کو تو بچالیں جو دادی کو اتنی مشکلات سے بچا سکے، (میری تو آنکھیں بھر آئیں) اب باقی لوگوں کی کہانی میں آپ تک بعد میں پہنچاؤں گی ابھی مجھے بھی ایسے ہی ہیرو، ہیروئن اور دادی پر ایک کہانی لکھنی ہے (اف ایسے گھوریں تو نہ مجھ معصوم کو) مجھے تو ان کے غصے سے ڈر لگ رہا ہے اس سے پہلے کہ یہ لوگ اپنا سارا غصہ مجھ معصوم سی رائٹرز پر نکالیں (آپ کہیں گے کہ پہلے تو عظیم کہا تھا ارے بھئی میں عظیم تو ہوں پر معصوم بھی ہوں) میں آپ سے اجازت چاہتی ہوں اور آپ سے اپیل کرتی ہوں کہ ان بے بس ہیرو، ہیروئن اور دادی کے لئے دعا کریں کہ کہیں ان کو ان کی پسند کا کردار بھی مل جائے اور ہر لوگ اپنی دلی آرزئیں پوری کر سکیں۔

☆☆☆

ساڈے گھر آئی پرجائی
ساڈے گھر آئی پرجائی
لکھاں خوشیاں نال ویائی
دیو ودھائی
ساڈے گھر آئی.........

ایک لمبے انتظار کے بعد ''پرجائی'' کے گھر آنے کی خوشی ہی اتنی زور دار تھی کہ اس نے چھوٹے بڑے سب کو دیوانہ کر ڈالا تھا، مامیاں، چاچیاں، پھوپھیاں تو تھیں نہیں، لے دے کر ایک خالہ ہی تھیں اور وہ بھی منہ بولی یا پھر نئی نویلی پرجائی کی تین تین نندیں اور وہ بھی شادی شدہ، بال بچے دار اور ان کے ڈھیروں ڈھیر بچے، اب، جب مامی، چاچی، پھوپھی، سرے سے تھیں ہی نہیں تو پھر بھلا دیوانہ ہوا کون؟ اجی بے گانی شادی میں عبداللہ دیوانہ تو سنا ہی ہے ناں آپ نے، تو بس سمجھ لیں کہ یہاں سارے کے سارے دیوانے اور دیوانیاں ایک ساتھ ہی اکٹھے ہو گئے تھے اور ہوتے بھی کیوں نہ، آخر کو منور جہاں المعروف آنٹی بجلی کے اکلوتے فرزند ارجمند کی شادی خانہ آبادی ہو رہی تھی، کوئی مذاق تھا بھلا۔

ارے آپ آنٹی بجلی کو نہیں جانتے؟ حیرت ہے، چلیں کوئی بات نہیں، ہم ان کا تعارف کروا دیتے ہیں، آخر کو متاثرین بجلی تو ہم بھی ہیں ناں۔

منور جہاں المعروف آنٹی بجلی اپنے علاقے کی مشہور معروف شخصیت مانی جاتی ہیں، آنٹی بجلی کا اعزازی لقب انہوں نے ایسے ہی نہیں پا لیا تھا، اس کے لئے انہیں کڑی محنت کرنی پڑی تھی، اپنے ماضی کو سرے سے فراموش کرتے ہوئے، مستقبل سے نگاہیں چراتے ہوئے صرف حال کو ہی سب کچھ ماننا پڑا تھا اور اس کے لئے انہوں نے نیاز حسین واپڈا والے سے شادی کی تھی اور وہ بھی اپنے زور بازو پر، سب خاندان برادری والوں سے لڑ بھڑ کے نیاز حسین واپڈا کے محکمے میں ملازم تھے، اپنے فرائض منصبی کی انجام دہی کے سلسلے میں اکثر ان کی پوسٹنگ دور دراز کے علاقوں میں کر دی جاتی تھی، چھڑے چھانٹ تھے، لہٰذا انہیں کوئی خاص فرق نہیں پڑتا تھا، اپنا صندوق اٹھاتے اور خوشی خوشی نئی جگہ پہنچ جاتے اور پھر اسی طرح جگہ جگہ کی خاک چھانتے ہوئے وہ منور جہاں کے گاؤں میں جا اترے، اب یہ ان کی قسمت کا پھیر تھا یا ہیر پھیر (وہ خود بھی آج تک سمجھ نہیں پائے تھے) کہ وہ سیدھے منور جہاں کے گھر کی برابر والی کوٹھری میں جا اترے، بس پھر کیا تھا ان کی یوسف خاں جیسی پرسنالٹی دیکھ کر وہ گاؤں کی الھڑ مٹیار نغمہ کی جانشین، منور جہاں ان پر مر مٹی، یوسف خاں کی پرسنالٹی تو ایک بہانہ تھی، اصل خوشی تو ان کے واپڈا والے ہونے میں تھی، اس مقناطیسی کشش نے منور جہاں کو اتنی تیزی سے اپنی طرف کھینچا کہ وہ ذات برادری، حسب نسب، اونچ نیچ سب بھلائے بیانگ دہل منور حسین کی ہو گئیں، اتنی جرأت اور اتنی ہمت تو اس واپڈا والے میں بھی نہ تھی، جتنی اس بجلی بھری مٹیار نے دکھا دی تھی، رات کے اندھیرے میں منہ کالا کر کے بھاگنے کی بجائے وہ دن دیہاڑے بعد از نماز جمعہ منور حسین کو ہاتھ پکڑے کھینچتی ہوئی گاؤں کی واحد مسجد میں لے آئیں تھی۔

''مولوی صاحب، مولوی صاحب، ساڈا نکاح پڑھاؤ، اسی اج ای ایتھے ای ویاہ کرنا اے (مولوی صاحب ہمارا نکاح پڑھاؤ، ہم نے آج ہی اور یہاں بھی شادی کرنی ہے)۔''

لو جی مولوی صاحب کیا نکاح پڑھواتے وہ تو جملہ حاضرین سمیت حق دق بیٹھے سرخ گوٹا لپا لگے عروسی جوڑے اور کرن لپے سے سجے دوپٹا اوڑھے مکمل ہار سنگھار کیے، اکڑ کر کھڑی منور

پاک سوسائٹی پر موجود مشہور و معروف مصنفین

عُمیرہ احمد	صائمہ اکرام	عُشنا کوثر سردار	اشفاق احمد
نمرہ احمد	سعدیہ عابد	نبیلہ عزیز	نسیم حجازی
فرحت اشتیاق	عفت سحر طاہر	فائزہ افتخار	عنایت اللّٰہ التمش
قُدسیہ بانو	تنزیلہ ریاض	نبیلہ ابر راجہ	ہاشم ندیم
نگہت سیما	فائزہ افتخار	آمنہ ریاض	مُمتاز مُفتی
نگہت عبدُاللّٰہ	سباس گُل	عنیزہ سید	مُستنصر حُسین
رضیہ بٹ	رُخسانہ نگار عدنان	اقراء صغیر احمد	علیمُ الحق
رفعت سراج	اُمِ مریم	نایاب جیلانی	ایماء راحت

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود ماہانہ ڈائجسٹس

خواتین ڈائجسٹ، شُعاع ڈائجسٹ، آنچل ڈائجسٹ، کرن ڈائجسٹ، پاکیزہ ڈائجسٹ، حناء ڈائجسٹ، رِدا ڈائجسٹ، حجاب ڈائجسٹ، سسپنس ڈائجسٹ، جاسُوسی ڈائجسٹ، سرگُزشت ڈائجسٹ، نئے اُفق، سچی کہانیاں، ڈالڈا کا دسترخوان، مصالحہ میگزین

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام کی شارٹ کٹس

تمام مُصنفین کے ناولز، ماہانہ ڈائجسٹ کی لسٹ، کِڈز کارنر، عمران سیریز از مظہر کلیم ایم اے، عمران سیریز از ابنِ صفی، جاسُوسی دُنیا از ابنِ صفی، ٹورنٹ ڈاؤنلوڈ کا طریقہ، آن لائن ریڈنگ کا طریقہ،

ہمیں وزٹ کرنے کے لئے ہمارا ویب ایڈریس براوزر میں لکھیں یا گُوگل میں پاک سوسائٹی تلاش کریں۔

اپنے دوست احباب اور فیملی کو ہماری ویب سائیٹ کا بتا کر پاکستان کی آن لائن لائبریری کا ممبر بنائیں۔

اِس خوبصورت ویب سائٹ کو چلانے کے لئے ہر ماہ کثیر سرمایہ درکار ہوتا ہے، اگر آپ مالی مدد کرنا چاہتے ہیں تو ہم سے فیس بک پر رابطہ کریں۔۔۔

جہاں کو دیکھے جارہے تھے جن کے پہلو میں سفید کلف لگی شلوار قمیض میں ملبوس نیاز حسین واپڈا والے، نیازمندانہ بلکہ فدویانہ انداز سے کھڑے سر جھکائے زیر لب مسکرا رہے تھے، اس وقت مسجد میں گاؤں کے تقریباً تمام مرد حضرات بشمول منور کے بھائیوں موجود تھے، ان دونوں کو اس طرح ہاتھوں میں ہاتھ دیئے مسجد کی طرف جاتے دیکھ، گاؤں کی ساری عورتیں اور بچے بھی ایک ہجوم کی شکل ان کے پیچھے پیچھے چلتے مسجد تک چلے آئے تھے اور اب دانتوں تلے انگلیاں دبائے پھٹی پھٹی آنکھوں سے اندر جھانکتے ہوئے تماشہ دیکھنے میں مصروف تھے۔

''نی منوریئے، اے کی کہہ رہی ہے تو، شرم حیا ہے کہ نہیں تجھے، اے کی گند گھولنے لگی ہے تو، اے واپڈا والا، غیر برادری دا بندہ، تینوں ہور کوئی نئیں لبھیا، مرن جوگیئے، ساڈے سر وچ سوا پا کے توں ویاہ کرن تری ایں، اوئے ٹوٹے نہ کر دیئے تیرے اسی ایتھے ای (نی منوریئے یہ کیا کہہ رہی ہے تو، شرم حیا ہے کہ نہیں تجھے، یہ کیا گند گھولنے لگی ہے تو، یہ واپڈا والا غیر برادری کا بندہ، تجھے اور کوئی نہیں ملا، موت آئے تجھے، ہمارے سر میں خاک ڈال کے تم شادی کرنے چلی ہو؟ ارے ٹکڑے نہ کر دیں ہم تمہارے اسی جگہ؟'' اس کے بڑے بھائی کو سب سے پہلے ہوش آیا تھا اور اس سے کہیں زیادہ جوش حملہ آور ہوا تھا ان پر، مگر سامنے بھی منوری تھی۔

''اور ہن دے ویڑا، وڈا غیرت والا نہ بن، ساڑے پنڈ کی پتا ہے تیری غیرت دا، وڈا آیا ذات برادری والا، اوئے تینوں میڑے واسطے اے بڈھا تے گنجا، کالے بطاؤں (کالے بینگن ورگا نذر حسین دی شکل ورگا فقیر محمد ہی لبھیا سی؟ آئے وڈے، اوئے پڑاں ہٹو، تے مولی جی تسی چھیتی چھیتی نکاح پڑاؤ، باؤ واپڈا والے دی گڈی دا ٹیم ہو گیا اے، اسی ویاہ کر کے لہور جارہے آں بس (رہنے دو ویر، بڑا غیرت والا نہ بن، سارے گاؤں کو علم ہے تمہاری غیرت کا، بڑے آئے ذات برادری والے، ارے تمہیں میرے لئے یہ بوڑھا، گنجا، کالے بینگن جیسا نذر حسین کا ہم شکل فقیر محمد ہی ملا تھا؟ آئے بڑے، ارے پیچھے ہٹو، اور مولوی صاحب، آپ جلدی سے ہمارا نکاح پڑھائیں، باؤ کی گاڑی کا ٹائم ہو رہا ہے، ہم شادی کے بعد لاہور جا رہے ہیں بس۔'' اور ''منوری بی بی'' کے اس اعلان کے بعد کسی میں اتنی ہمت تھی کہ کوئی سوال اٹھا پاتا۔

''اوہو بھئی آپ کہاں ''راورڈ'' کے چکر میں الجھ رہے ہیں، یہ منور جہاں المعروف آنٹی بجلی کے خاندان کا شروع سے ہی انداز تکلم رہا تھا، سو اس بکھیڑے میں الجھے بغیر آپ انجوائے کریں بس، تو پھر یہ ہوا کہ ''منوری بی بی'' سارے ٹبر (خاندان) سے ٹکرا کر، سب کو تگنی کا ناچ نچا کر ''نیاز حسین واپڈا والے'' کے ساتھ سب کے سامنے بقائمی ہوش وحواس نکاح پڑھوا کر لاہور والی گاڑی میں سوار ہو گئیں، رہی برادری تو وہ پہلے کہاں کسی کو گنتی میں سمجھتی تھیں جو اب اس برادری کا خیال انہیں روک پاتا اور رہے ان کے بھائی اور بھابیاں تو ان چاروں نے منوری بی بی تو رخصت کرنے کے بعد کلمہ شکر ادا کیا تھا، بلکہ ان کی بھابیوں نے تو شکرانے کے نوافل ادا کیئے تھے کہ بلا سر سے ٹلی۔''

لیکن یہ راز تو ان پر بہت بعد میں جا کر کھلا کہ یہ بلا سستے میں ہی نہیں ٹل گئی تھی ان کے سر سے، ان کا ایک عرصے کا جمع جتھا جو وہ گھر کے کونوں کھدروں میں اس سے چھپا کر جوڑتی رہتی تھیں، وہ سیانی بی بی سب لے اڑی تھی، گندم

کے بھڑولے میں چھپائی گئی بڑی بھابھی کی وہ بارہ عدد طلائی چوڑیاں اور گلوبند سیٹ جس کی چوری کا الزام انہوں نے نادیدہ چور، مگر درپردہ منوری پر بھی لگایا تھا، وہ سب اب سچ مچ غائب تھا۔

بڑے سے کچے صحن کے شمالی کونے میں بڑی شان سے کھڑے گھنے اور چنار جامن کے پیڑ کے نیچے گہرے گڑھے میں چھپائے گئے چھوٹی بھابھی کے ڈھیروں کے حساب سے چھوٹے بڑے کرنسی نوٹ اور آنے دوانی کی شکل کی ریزگاری اور ان کے جہیز کا بھاری جڑاؤ سیٹ، جس کی چوری کا الزام وہ کامے پر لگا چکی تھیں، یہ سارے نوٹ اور ریزگاری بھی وہ بڑی صفائی سے اپنے شوہر اور جیٹھ کی جیبوں سے نکالتی رہتی تھیں اور نام بے چارے کاموں کا لگ جاتا تھا اور اب وہ بھی سر پکڑے دھندلائی آنکھوں سے خالی گڑھے کو دیکھ رہی تھیں جو انہیں صاف طور پر اپنا منہ چڑاتا اور جیسی کرنی ویسی بھرنی کہتا دکھائی دے رہا تھا، اپنے اپنے خفیہ اثاثوں سے ہاتھ دھونے کے بعد وہ دونوں بے اختیار اسٹور کی طرف بھاگیں تھیں جہاں منور جہاں کے جہیز کی مد میں اس کی مرحوم اماں نے کافی کچھ ایک بڑے جستی صندوق میں جمع کر رکھا تھا اور جس کی چابی امانت کے طور پر بڑے بھیا کے پاس رہتی تھیں، وہ صندوق جوں کا توں بند پڑا تھا، انہیں ایکدم گہرا اطمینان حاصل ہوا تھا کہ وہ اپنا نقصان منوری کے جہیز کے کپڑے اور زیورات آپس میں بانٹ کر پورا کرلیں گی، مگر ان کے ارمانوں میں آگ اس وقت لگی، جب ان کے ایما پر بڑے بھیا نے تالا کھولا تو، خالی ڈھنڈرا صندوق دیکھ کر سب ہی ششدر رہ گئے، خدا جانے اس نے کب کب اور کیسے کیسے یہ سارا سامان، نیاز حسین کے ٹرنک میں منتقل کیا تھا کہ کسی کو کانوں کان خبر ہی نہ ہوئی تھی، کیونکہ وہ تو سب کے سامنے خالی ہاتھ گھر سے نکلی، خالی ہاتھ ہی مسجد گئی اور پھر خالی ہاتھ ہی وہاں سے اسٹیشن روانہ ہوگئی تھی، جہاں نیاز حسین کا دوست ان کی ٹکٹیں اور نیاز حسین کا ٹرنک لیئے ان کا منتظر تھا۔

سو اب بھابھیاں ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی عملی تصویر بنی اندر ہی اندر لوٹ پوٹ ہو رہی تھی، منہ سے بھاپ نکالنے کی صورت نقصان کا اندیشہ سراسر ان کا اپنا ہی ہونا تھا کہ جس مال و متاع کو وہ عرصہ دراز سے چوری شدہ کہہ کر اس پر رو پیٹ بھی چکی تھیں، اب ان پر نئے سرے سے سیاپا ڈال کر اپنی ہنڈیاں کڑوانے کا ان میں نہ تو حوصلہ تھا اور نہ ہی ارادہ، لہٰذا وہ دل ہی دل میں پیچ و تاب کھا کر اور منوری بی بی کو بددعائیں اور گالیاں اور کوسنے دے کر ہی رہ گئیں۔

☆☆☆

منور جہاں نے نیاز حسین کے ساتھ زندگی کا نیا باب رقم کرنا شروع کیا تو پچھلا ورقہ بالکل پھاڑ کر پھینک دیا، کون سے بھائی، کہاں کی بھابھیاں، کیسا گاؤں، کیسی برادری، اس نے تو سب کچھ ہی فراموش کر ڈالا تھا اور اپنے دل کی پوری رضامندی اور خوشی کے ساتھ زیست کے نئے سفر کی طرف رواں دواں ہوگئی اب جہاں منور جہاں نے نیاز حسین واپڈا والے کے لئے اپنے سگے رشتے ناطے چھوڑے تھے تو پھر وہاں ان سے ان کے سگے رشتہ دار چھڑانے کیا مشکل تھے بھلا اور ویسے بھی نیاز حسین کا اس بھری دنیا میں تھا ہی کون؟ صرف ایک بھائی جو اس سے کم و بیش پندرہ سال بڑا تھا، بڑا بھائی اور بھابھی اپنے بال بچوں اور پھر ان کی آل اولادوں میں اس بری طرح سے پھنسے ہوئے تھے کہ انہیں کسی اور

کی طرف دیکھنے کی نہ تو فرصت تھی اور نہ ہی ضرورت، سو اس طرف سے تو راوی چین ہی چین لکھتا تھا۔

نیاز حسین اسے لے کر لاہور کی جس مضافاتی بستی میں آیا تھا، وہ تو بے آبادی تھی، کچے پکے سے گھر، کھیتوں اور پیلیوں کی بہتات اور وہی اس کے اپنے گاؤں کی طرح، بستی کے عین وسط میں بڑا سا میدان اور پھر اس میدان کے عین درمیان استادہ بڑا سا گھنا پیپل کا درخت، اس درخت کی گھنی چھاؤں میں علاقے کی بڑی بوڑھیاں سارا سارا دن چارپائیاں ڈالے بیٹھی رہتی، گپ شپ بھی وہیں ہوتی اور سبزیاں بھی ساتھ ساتھ بنتی، چغلیاں بھی وہیں کی جاتیں اور لگائی بجھائی کا فریضہ بھی وہیں انجام دیا جاتا، لڑائیاں بھی اسی گھنی چھاؤں میں ہوتیں اور پھر صلح صفائی بھی وہی کروائی جاتی، غرض کہ ان عورتوں کے سارے معمولات زندگی وہیں اس میدان میں سر انجام دیئے جاتے، شام ڈھلے وہ چارپائیاں مرد سنبھال لیتے اور پھر وہ میدان گاؤں کے چوپال کی شکل اختیار کر لیتا چند روز تو منور جہاں نے اس بستی اور اس کے ماحول کو سمجھنے میں گزارے اور پھر ایک دن وہ لٹھ لئے نیاز حسین کے پیچھے چڑھ دوڑیں۔

''وے خانہ خرابا، جے تجھے یہ معمولی اور سڑی ہوئی بستی ملی تھی گھر بنانے کو، تو فیٹر کسی ہوڑ کو ویاہ لاتے، میڑے خوابوں، ارمانوں کے گلے پر پھٹی چھری پھیر کر کیا ملا تجھے، ناں بتا مجھے، دس نہ ذرا یہ علاقہ ہے شریف انسانوں کے رہنے کے قابل؟ کل کو ہمارے بچے ہوں گے تو وہ بھی ان ککڑیوں (مرغیوں) کے بچوں کے ساتھ کدکڑے (کدکڑے) لگاتے پھریں گے؟ ہیں اوئے تجھ میں عقل ناں کی کوئی شے ہے کہ نہیں وڈا آیا باؤ بجلی اونہہ۔'' اور باؤ بجلی بے چارہ کہتا بھی تو کیا؟ کہہ بھی کیا سکتا تھا وہ بھلا، کہ جتنی اس کی تنخواہ تھی اس میں تو وہ اسی طرح کی رہائش انہیں میسر آ سکتی تھی، آخر کو ایک معمولی ملازم ہی تو تھا محکمہ واپڈا میں، کون سا جی ایم لگا ہوا تھا کہ اسے ڈی ایچ اے میں بنگلہ الاٹ ہو جاتا۔

''حق ہاہ، کیا بتاؤں منوری، شکر ہے مولیٰ کا کہ اس نے رہنے کو سر چھپانے کو یہ ٹھکانہ بھی دے رکھا ہے، ورنہ جتنی مہنگائی بڑھ گئی دال روٹی کمانا اور عزت سے سر چھپانا بے حد مشکل ہو رہا ہے، تمہیں کیا پتا، تم تو گھر بیٹھی رہتی ہو مزے سے، باہر نکلو تو خبر ہو نہ کہ آٹے دال کا بھاؤ کیا ہے، ارے منور بی بی، زندگی کھیل تماشہ نہیں ہے کہ ہاتھ پکڑ کر بھرے میلے میں لے جاؤ اور خم ٹھونک کر اپنی پسند کا اعلان کر دو اور پھر خالی خالی اعلان ہی نہیں کرو، اپنی پسند کو منہ سے چھین کر لے بھی جاؤ، واہ منوری میں تو تمہاری ہمت اور جرأت کو دیکھ کر بڑا متاثر ہوا تھا کہ تمہاری سنگت میں میری اور میرے آنے والے کی بھی سنی جائے گی، پر تم نے تو پہلے ہی قدم پر ہمت ہار دی، ابھی سے لڑنے مڑنے اور پچھتانے لگی ہو تم تو، اب باقی کا سفر کیسے طے کرو گی ہیں؟ سوچو ذرا۔'' منور جہاں ایک ٹک انہیں دیکھے چلی گئیں اور پھر دیکھنے کی باری منور حسین کی تھی۔

پھر باقی کا سفر منور جہاں نے جس طرح گزارا، نیاز حسین جو پہلے ہی اس کا سب سے بڑا نیاز مند تھا اب تو بالکل ہی جی حضور ہو کر رہ گیا۔

منور جہاں نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ اپنی ساری جمع پونجی، اپنا زادان ایک جگہ اکٹھا کیا اور پھر خود ہی بھاگ دوڑ کر کے اس علاقے سے قدرے بہتر علاقے [illegible] بہتر اور اچھی حالت میں گھر خریدا، پھر بھابھیوں کے اڑائے

گئے زیورات بیچ ڈالے اور ان سے حاصل ہونے والی رقم سے اپنے گھر کی اور پھر اپنی خوب لش پش بنائی اور پھر اس کے بعد آس پڑوس والوں سے خوب میل جول، پیار محبت بڑھالیا اور اسی میل جول اور پیار ومحبت نے ہی انہیں آنٹی منور سے آنٹی بجلی کے کھمبے پر جا چڑھایا تھا۔

منور حسین کو واپڈا کی طرف سے جو فری پانچ سو یونٹس ملتے تھے وہ آنٹی بجلی نے اونے پونے داموں آس پڑوس والوں کو بانٹ دیئے اسی وجہ سے ان کی خوب واہ واہ ہو رہی تھی، پھر وقت کیسے ٹاپوں ٹاپ گزرا، پیچھے مڑ کر دیکھنے کا ہوش کسے تھا، نیاز حسین واپڈا والا اب بھی ابھی بھی ٹرانسفرز کے نتیجے میں ادھر سے ادھر بھٹکتے پھرتے تھے، مگر بجلی بیگم نے جو اپنے قدم اس علاقے میں جمائے تو اس قدر مضبوطی سے جمائے کہ لاکھ آندھیاں آئیں، لاکھ طوفان اٹھے یہ قدم اکھڑ کر نہ دیئے، وہ اپنے چاروں بچوں کے ساتھ بڑے طمطراق سے وہیں رہیں اور بڑے ہی ٹھسے سے اپنی من مانی کرتی چلی گئیں۔

☆☆☆

منور جہاں اور نیاز حسین کے چار بچے تھے، سب سے بڑا مراد حسین اس سے چھوٹی زیبا، اس سے چھوٹی رانی اور سب سے چھوٹی نیلی تھی، مراد حسین بے حد بیبا بچہ تھا، بالکل نیاز حسین کا عکس، ویسا ہی خوبرو، وجاہت، اطاعت، عمر و انکسار، فرمانبردار اور روادار، ہو بہو نیاز حسین، بنا بنایا گھر گھڑا گھڑایا باپ کا پرتو، زیبا اور نیلی منور جہاں کا عکس تھیں، ویسی ہی تیز طرار، جلد باز، پھرتیلی، حاضر جواب، حاضر دماغ، جرأت مند، فیشن فلم، ٹی وی کی دلدادہ اور رہ گئی تھی رانی تو وہ واقعی رانی تھی، سب کے برعکس حساس، سمجھدار اور قدرے سنجیدہ، ماں بہنوں سے زیادہ باپ اور بھائی کے قریب تھی، مگر فائدہ وہ آئے روز ماں بہنوں کی تنقید کا نشانہ بنی رہتی اور رہتی کسر اس کی ماں کی دوپٹہ بدل منہ بولی بہن آنٹی اللہ رکھی پوری کر ڈالتی تھیں۔

''نی بجلی، پھر بات کی تو نے اپنے بندے سے کہ نہیں، میں بتا رہی ہوں تجھے، وہ بالا مجھ روز مجھ سے پوچھتا ہے تو نے کیا فیصلہ کیا ہے؟ وہ زیادہ دیر انتظار کرنے والا نہیں ہے، میں بتا رہی ہوں تجھے، آخر کو ویلا (فارغ) تھوڑی ہے وہ اور نہ ہی اسے کوئی گھاٹا (کمی) ہے رشتوں کا، ارے وہ تو اپنی زیبو اسے ایک ہی نظر میں پسند آ گئی اپنے منڈے کے لئے، تو اس نے رشتہ ڈال دیا ورنہ تو......'' آنٹی اللہ رکھی آج پھر انہیں گھیرے بیٹھی تھیں اور بجلی بیگم پرسوچ نگاہوں سے ٹی وی کے سامنے بیٹھی اپنے فیورٹ ڈرامے میں کھوئی زیبو کو دیکھ رہی تھی۔

''پھر کیا کہتی ہے بجلی، میں کیا جواب دوں بالے کو؟'' اللہ رکھی نے اسے ٹہوکا دیتے ہوئے کہا تو وہ چونک کر اسے دیکھنے لگی۔

''کر لی تھی میں نے گل (بات) ان کے ابے سے، تو فکر نہ کر رکھیئے، میری طرف سے بھی ہاں ہی سمجھ، بس کڑی کے مستقبل کا خیال رکھنا پڑتا ہے ناں، اسی لئے تجھے کہا تھا کہ اس بالے سے پکی کر لینا کہ میری کڑی کے نام کوئی زمین مکان وغیرہ لگانے کو وہ راضی ہے تو فیر (پھر) میں وی اپنی ہیرے ورگی کڑی کا رشتہ اس کے لے پالک گلزارے کے لئے دوں گی، ورنہ منہ دھو رکھے تے کوئی ہور گھر دیکھ لے، میری طرف سے بتا دینا اسے ہاں۔'' اور بجلی بیگم کی اس ڑ...... ڑتی گردن سے اچھی خاصی بدمزہ ہوتی رکھی نہ من بھر کا سر ہلا کر انہیں بھرپور تسلی دینے کی کوشش کی تھی۔

''تو فکر نہ کر منو رئیے، میں نے ساری گل پکی کر لی ہے، تو...... تو بس تیاریاں کر دھی رانی کو رخصت کرنے کی، دیکھ لینا تم، راج کرے گی، راج ہماری بیٹی، آخر کو علاقے کی سب سے امیر اور طاقت والا بندہ ہے بالا گجر اور گلزار کو تو اس نے اپنی سگی اولاد کی طرح پالا ہے، بھلا کیسے نہیں کرے گا اس کے نام زمین جائیداد بھی، گلزار بھی تو اس کا بازو بنا، اس کے سارے کام دھندے کو سنبھال رکھا ہے تم فکر نہ کرو۔''

''وہ تو ٹھیک ہے زُھی، مگر فیز وی، سگا سگا ہی ہوتا ہے اور لے پالک لے پالک بھی، تو مجھے ملوا کل اس بالے گجر سے، میں خود بات کڑوں گی صاف صاف اور کھڑی کھڑی (کھری کھری) فیز، اس کی جو مرضی۔'' اور بھلا بالے گجر جی کو کیا اعتراض ہونا تھا، بجلی بیگم کی کسی بھی بات پر، گلزارے کو اس نے واقعی اپنے بیٹے کی طرح ہی پالا تھا، وہ اس کے بچپن کے دوست کا اکلوتا بیٹا تھا، اپنے والدین کی ناگہانی موت کے بعد اس بھری دنیا میں اکیلا ہی رہ گیا تھا، گلزار کے والدین نے اپنے گھر والوں کے خلاف جا کر شادی کی تھی، ان کے اس جرم کی پاداش میں ان کے گھر، خاندان والے انہیں چھوڑ چکے تھے، انہیں کسی کی پرواہ نہیں تھی، محبت ان کے ساتھ تھی، پھر بالے کی ہمدردیاں اور مورل اسپورٹ بھی انہیں حاصل تھی، اسی لئے انہوں نے کسی کی بھی پرواہ نہ کی اور اپنی دنیا آپ بسالی، مگر یہ پیار بھری دنیا زیادہ دیر تک آباد نہ رہ سکی، گلزار صرف چھ سال کا تھا جب ایک روڈ ایکسیڈنٹ کے نتیجے میں اس نے ماں باپ کی محبت اور شفقت ہمیشہ کے لئے کھو دی، بالا گجر یاروں کا یار تھا، اس نے اپنے دوست کی ناگہانی موت اور گلزار کا بھری دنیا میں تنہا رہنا برداشت نہ ہوا تو وہ اسے اپنے گھر لے

آیا، گلزار شکل وصورت کا بھی ٹھیک ٹھاک تھا اور کچھ پڑھا لکھا بھی تھا، بالے نے وقت کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے اسے مقدور بھر پڑھایا بھی تھا اور پھر گلزار کون سا خالی ہاتھ بالے کی تحویل میں آیا تھا، اس کی ماں کے قیمتی زیورات، باپ کا مکان، چلتی دکان، موٹر سائیکل اور بینک بیلنس، بھلا اتنا کچھ ساتھ لانے والا بچہ بھی کبھی بوجھ ہوا ہے کسی پر اور وہ بھی بالے گجر جیسے آدمی پر، جو اپنا فائدہ سب سے آگے رکھے اور باقی سب کچھ پیچھے، جس نے دو دو شادیاں کیں اور دونوں میں بھی اپنا فائدہ پہلے دیکھا تھا۔

چھیمو گجری اس کی اکلوتی تایا زاد جو دس بھینس، دو سنڈے چھ گائیوں اور باپ دادا کی پکی حویلی میں اپنے علاوہ اپنے باپ کا حصہ بھی جہیز میں لے کر آئی تھی، اب اتنے تگڑے جہیز کے ساتھ اس کا پکا چمکدار سانولا رنگ اور گھی مکھن دودھ دہی پر پلا ہوا بھینس جیسا ہی وجود کیسے دکھائی دیتا تھا، پھر یوں ہوا کہ چھیمو بالے گجر کے گھر آکر اپنے ہار سنگھار میں جت گئی اور کیوں نہ کرتی وہ ہار سنگھار، بالے گجر جیسا بانکا سجیلا اسے مل گیا، اسے اور کیا چاہیے تھا بھلا، سو وہ اپنے ہار سنگھار میں خوش، تو یہ اپنے بیوپار میں خوش، اللہ اللہ خیر صلی بات ختم۔

اور جہاں سے چھیمو کی بات ختم، وہیں سے تاجی کی بات شروع، تاجی غریب محنت کش والدین کی چھٹی اولاد تھی جس کے آگے پانچ اور پیچھے چار بھائی بہنوں کی لائن اس کے باپ کی کمر توڑنے کو کافی تھی، جانے کیسے تاجی بالے کی نظر پر چڑھ گئی، اس نے زیادہ سوچے بغیر سیدھے طیفے راج مستری سے بات کر ڈالی اور طیفے کے لئے تو بالے کا رشتہ نعمت غیر مترقبہ ثابت ہوا تھا، اس نے اپنے آنگن میں پڑھنے والے ہر پتھر کی طرح

اسے بھی اٹھا کر فوراً جھولی میں ڈال لیا اور تاجی کو بالے کے سنگ رخصت کرنے میں ذرا دیر نہ لگائی اور اس شادی سے تو دونوں فریقین کو نا قابل بیان فوائد حاصل ہوئے تھے، بالا گجر جو پہلے ہی علاقے کے معززین میں شمار ہوتا تھا، اب معتبر بھی جانا جانے لگا، نیکیوں پر نیکیاں ارے واہ یہ تو ہر کسی کے بس کی بات کہاں، بس وہی جنہیں اللہ توفیق دے، پہلے گلزار پھر چھیمو اور اب تاجی۔

واہ بھئی واہ، جگرا ہو تو بالے صاحب جیسا اب اگر دولت کھلی دے تو دل بھی بڑا دے، بالے گجر کی طرح، واہ واہ کیا بات ہے، لو جی ہر طرف سے واہ واہ کے ڈونگرے الگ، تعریف اور بڑائی الگ، لو جی اب بندے کو معتبر اور معزز ہونے کے لئے اور بھی کسی شے کی ضرورت ہو سکتی ہے بھلا، چھیمو تو اسے صرف ڈھور ڈنگر ہی دے سکی تھی، تاجی نے تو اسے بیٹے دیئے تھے، جیتے جاگتے دوڑتے بھاگتے چھ بیٹے یعنی کہ چھ بازو اور بدلے میں اس نے بھی تو تاجی کے پورے ٹبر کو سنوار دیا تھا، طیفے راج مستری کی تو خوب سنی گئی تھی، کیا ہوا اگر کم عمر اور خوبصورت تاجی کو پکی عمر کے سانڈ جیسے بالے گجر سے بیاہ کرنا پڑا تھا، اس کے باپ کی باقی کی نسل تو سنور گئی تھی ناں۔

☆☆☆

وراب اسی بالے کو گلزار کے لئے زیبا پسند آ گئی تھی۔

''گل سن میڑی ویڑا (ویرہ) میٹری کڑی بری ای لاڈلی تے ملوک اے، اتنی خوبصورت چن ورگی دھی میں ایسے ہی کیسے دے دوں تیڑے گود لئے پتڑ کے لئے، کل کو اگڑ تو اسے نکال باہڑ کڑے تو میٹری کڑی تو ڑل جائے گی ناں، میں گل کڑتی ہوں سچی اور کھڑی (کھری) دل فڑیب ڈال کر میٹرے سے گل نہیں ہوتی

ہاں۔'' اس وقت وہ اور اللہ رکھی بالے کی بیٹھک میں بیٹھی پیڑوں والی لذیذ لسی سے لطف اندوز ہو رہی تھی اور ساتھ ساتھ سامنے بیٹھے بالے سے اپنے تحفظات کا اظہار بھی جاری تھا۔

''نہ بہن جی نہ، گلزار ے کو لے پالک کہہ کر میرے دل پر آرے نہ چلائیں آپ، میں نے اسے اپنا بیٹا مانا ہی نہیں ہمیشہ دل سے اپنا بیٹا سمجھا بھی ہے، میرے جگری یار کی اکلوتی نشانی یہ ہے اور مجھے اس کی صورت میں ہمیشہ اپنے مرحوم یار کا چہرہ ہی دکھائی دیا ہے، آپ تو گواہ ہی ناں بہن اللہ رکھی جی، میں نے کبھی یہ نہیں کہا کہ میرے چھ بیٹے ہیں، میں تو شروع سے ہی خود کو سات بیٹوں کا باپ کہلوانا پسند کرتا ہوں، مجھے اسی میں خوشی محسوس ہوتی ہے اور فخر بھی، اب آپ اس طرح کی باتیں کر کے میرا دل تو نہ توڑیں جی۔'' جس طرح سے بالے نے تڑپ کر ان کی بات کاٹی تھی، وہ اپنی جگہ کلس کر رہ گئیں تھیں۔

''اوتسی ٹھیک کہہ رہے ہو گے بھڑا جی، مگو میں کیا کڑوں، میٹرے دل کو تسلی کس طرح ہو گی، آخو کو میں نے کڑی دینی ہے، میٹرا حق ہے کہ مجھے پتا ہونا چاہیئے کہ میٹری دھی ڑانی ڑہے گی کہاں؟ کھائے گی کدھڑ سے اور اس کے مستقبل کی گاڑنٹی کے لئے حق مہڑ (حق مہر) میں کیا لکھوائے گے آپ، اڑے پاء جی، یہ باتیں تو ایک ماں ہونے کے ناطے میں پہلے سے طے کڑ سکتی ہوں کہ نئیں۔'' اور بالا گجر ان کی شکل دیکھتا ہی رہ گیا، اسے تو لگا تھا لڑکی خوبصورت ہے بچپنا ان ماں بیٹیوں میں کوٹ کوٹ کر بھرا ہے، باپ بھائی کی کوئی حیثیت نہیں تھی ان کی نگاہ میں، گلزار کی بات یہاں آرام سے بن جائی، وہ اس کی شادی بھی کروا دے گا اور اس کے نتیجے میں گلزار پر اس کا ایک احسان اور چڑھ جائے گا، پھر گھر

ے کاموں کے لئے اور تاجی کی مدد کے لئے زیبا کی صورت ایک لڑکی مل جائے گی اور باہر کے کاموں کے لئے گلزار تو تھا ہی اور ایسے میں ہر طرف ایک بار پھر واہ واہ ہو جاتی، مگر یہ تو لگتا تھا کہ الٹی آنتیں ان کے گلے آن پڑی تھیں، مگر وہ علاقے کا معزز معتبر بندہ اس وقت ان دو چرب زبان عورتوں سے ہی سب مکانے پر مجبور تھا کہ انکار کی صورت اتنے عرصے کی کمائی گئی نیک نامی ان دو عورتوں کے طفیل کھوہ کھاتے جا پڑتی، اس کے شاطر دماغ نے فوراً جوڑ توڑ کیا، حساب کتاب لگایا اور پھر ان کی ہر بات مانتا چلا گیا، اگلے چاند کی چودہ کو زیبو اور گلزار کی شادی کا دن مقرر کر کے ہی وہ دونوں سیانی بی بیاں وہاں سے اٹھیں اور پھر گھر آتے ہی شادی کی تیاریاں شروع کر ڈالیں۔

اور انہیں تیاریاں بھی بھلا کیا کرنی تھیں کہ ہر چیز کے لئے تو بالے نے انہیں بڑی سختی سے منع کر دیا تھا، وہ انہیں ساتھ لے جا کر گلزار کے باپ کا خوبصورت پانچ مرلے پر تیار سجا سجایا گھر بھی دکھا لایا تھا جس میں زیبو کی ڈولی اترنی تھی، حق مہر میں وہ مکان اور گلزار کی ماں کا پچپن تولہ سونا بھی دینے کا وعدہ کیا تھا بالے نے، سو اب تیاریاں تو انہیں صرف اپنی ہی کرنی تھیں، سو بازاروں کی دوڑیں شروع، درزنوں کی منتیں ترلے تیز تر، پارلر کے چکر زوروں پر اور ان ہی مصروف اور اہم ترین کاموں کے درمیان بجلی بیگم کو یاد آیا کہ انہوں نے تو نیاز حسین کو بتایا ہی نہیں کہ اس کی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے اور یہ بات بھی انہیں مراد نے یاد دلائی تھی۔

''لے دس بھلا، کتنا بڑا لگتا ناں اگر شادی والے دن وی تیڑے پیو کو چھٹی نہ ملتی تو؟ اب دیکھو ناں، بیٹی کی باڑات پر اگر باپ بھائی نہ ہوں اسے رخصت کرنے کو تو، جچ سجتی ہی نہیں۔''

لو جی یہ بھی نیا اور انوکھا سا ہی بیان آیا تھا، بجلی بیگم کی طرف سے، سو فوراً نیاز حسین کو فون کھڑکا دیا گیا، وہ تو اس خبر کو سنتے ہی سکتے میں آ گئے تھے کہ ان کی رضا ان کی مرضی اور مشورے کے بغیر ہی ان کی لاڈلی بیٹی کا رشتہ بھی ہو گیا اور اب شادی بھی طے کر دی گئی، بلکہ انہیں اطلاع دینا بھی کسی کو یاد نہیں رہا اور اب جبکہ شادی میں صرف چند روز ہی رہ گئے تو انہیں بھی مہمانوں کی طرح مطلع کر دیا گیا، انہیں افسوس تو بہت ہوا مگر سوائے افسوس کرنے کے وہ اور کچھ کر بھی نہیں سکتے تھے کیونکہ اپنے ہاتھ پاؤں تو خود کاٹ کر برسوں پہلے ہی وہ اس بجلی بھری مٹیار کے قدموں میں رکھ چکے تھے، لہٰذا اب اعتراض کیسا اور ناراضی کیسی، سو اپنے ازلی جی حضوری والے تاثرات کے ساتھ پہنچ گئے نکاح سے ایک روز پہلے۔

بارات کا انتظار بڑی شدت سے کیا جا رہا تھا، یوں تو کبھی بھی کوئی بھی بارات شاید ہی اپنے وقت مقررہ پر پہنچی ہوگی، مگر اس بارات کو ضرورت سے زیادہ ہی تاخیر ہو چکی تھی، پورے ہال میں چہ مگوئیاں شروع ہو چکی تھیں جتنے منہ، اتنی ہی باتیں، مگر ہر بات کی تان اللہ خیر ای کرے پر آ کر ٹوٹ رہی تھی، نیاز حسین مراد حسین کے ساتھ ساتھ آنٹی بجلی کی پریشانی بھی عروج پر تھی، مگر وہ کسی پر ظاہر نہیں ہونے دے رہی تھیں اور پھر اللہ اللہ کر کے بارات آ ہی گئی، ڈھول تاشوں اور بم پٹاخوں کے شور میں آنے والے ہجوم میں ہر دوسرا نوجوان دولہا ہی لگ رہا تھا، کسی کی سمجھ میں کچھ بھی نہیں آ رہا تھا کہ ہو کیا رہا ہے اور پھر منور جہاں المعروف بجلی بیگم کی ساری بتیاں تو اس وقت گل ہو گئیں جب بالے کے ساتھ آئے دو چار معززین انہیں ایک طرف لے جا کر نئی کہانی

سنانے بیٹھ گئے، پہلے تو وہ سمجھ ہی نہ پائیں اور جب سمجھیں تو خالی خالی نگاہوں سے صرف انہیں دیکھ کر رہ گئیں، یہ تو سانپ کے منہ میں چھچھوندر والی بات ہوگئی تھی نہ اگلے بنتی تھی اور نہ ہی نگلے۔

مگر وہ بھی بجلی بیگم تھیں، نڈر اور بے خوف، ہار ماننا تو انہوں نے سیکھا ہی نہیں تھا، اگر بالے گجر نے اپنے ذہن میں جوڑ توڑ حساب کتاب لگا کر چال چلی تھی، تو مقابل بھی نیاز حسین واپڈا والا نہیں، منور جہاں المعروف بجلی بیگم تھیں، جن کے ایک ہی جھٹکے نے بالے سمیت سب کی آنکھیں تو آنکھیں زبانیں بھی نکال باہر کی تھیں اور پھر پہلے سے بھی دگنے زیور، نقد رقم اور مکان سمیت بھاری جائیداد جہیز میں لکھوا، بجلی بیگم نے بجلی کی سی تیزی سے پانسہ پلٹتے ہوئے اپنی نازوں پلی خوبصورت ملوک کڑی کا نکاح پڑھوا ہی دیا کہ اب بالا جی اور ان کے رفقاء کے دیئے گئے دوسرے آپشنز انہیں کسی بھی طرح قبول نہیں تھے۔

''اور بہن جی، کیا بتائیں آپ کو، ہم تو خود بڑے شرمندہ اور پریشان ہو رہے ہیں، آپ چاہیں تو سو چھتر مارلیں ہمارے سروں پر، ہم اف تک بھی نہیں کریں گے، پر کیا کریں جی، وہ کاکا گلزار جانے کس وقت کا بدلہ لے گیا بالے صاحب سے، کسی کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا جی، او جی کل رات سے ہی غائب ہے وہ اور جاتے جاتے اپنی ماں کے زیور، اپنے باپ کی دکان کے کاغذات کے ساتھ ساتھ بالا جی کی بڑی بھاری رقم بھی لے اڑا ہے، بس جی دنیا کہنے پر آئی ہوئی ہے، ساری عمر جی بالکے کو اپنا کاکا بنا کر جوان کیا، اپنا نام دیا، عزت دی اسی نے اج بھری برادری میں بالے جی کے سر میں کھے ڈال دی، کیا کہہ سکتے ہیں جی بھلا اب اور کیا کر سکتے ہیں؟ بس جی اسی لیے جنج لانے میں ذرا دیر ہوگئی اور آپ کو......''

''نہ...... تے جب لاڑا (دلہا) ہی نہیں ہے ساتھ، تو فیر تم لوگ بڑات (بارات) کس کھوتے کی لے آئے ہو اٹھا کر؟ تم لوگ میڑا مذاق اڑانے آئے ہو، میڑی ملوک سی دھی کا تماشا بنانے آئے ہو، نہ سمجھ کیا ڑکھا ہے تم لوگوں نے ''منوڑی بجلی'' کو میں اپنا اور اپنے ٹبر (خاندان) کا مخول بننے دوں گی کبھی؟ اوڑ وہ بھی تم گجڑوں کے ہاتھوں، کدی وی نہیں، بلاتی ہوں میں اپنی طڑی کے عزت داڑوں کو بھی، تم نے سمجھ کیا ڑکھا ہے، عزت صڑف تم لوگوں کی ہی ہے، تم لوگ ہی بس عزت والے ہو؟ ہوڑ (اور) کسی کی بھی عزت نہیں ہے ادھڑ، میں بتاتی ہوں تم لوگوں کو ابھی، ذڑا صبڑ تو لو تم لوگ۔'' بالے گجر کے ساتھ بڑے معزز بنے مولوی صاحب اور علاقے کے ناظم صاحب ابھی صفائیاں ہی دے رہے تھے بجلی بیگم ان کی بات کاٹتے ہوئے ان پر برس پڑیں، ان کے خم ٹھونک کر میدان میں کودنے والی نڈر عادت نے جہاں اس وقت ان کا بے حد ساتھ دیا تھا، وہیں مولوی صاحب اور ناظم صاحب کو بھی بالے گجر سمیت بغلیں جھانکنے پر مجبور کر دیا تھا۔

''او بہن جی، اسی لئے تو ہم درخواست کر رہے ہیں آپ سے، آپ ٹھنڈے دل سے ہماری بات سنیں بھی سہی ناں، ہم جی، اپنی برادری کے سارے جوان اور خوبصورت منڈے ساتھ لے آئے ہیں، آپ جس پر ہاتھ رکھ دیں گی، ہم اسے ہی آپ کی فرزندی میں دے دیں گے، اب فیصلہ تو آپ نے کرنا ہے جی اور اگر یہ بات آپ کو پسند نہیں تو کوئی بات نہیں، پھر بالے صاحب کا بڑا بیٹا مٹھو تو ہے ہی، اگر آپ پسند کریں تو۔''

''نہ...... میڑی گل سنو ناظم صاحب، یہ کون سا ویلا (وقت) ہے سوئمبڑ (سوئمبر) ڑچانے،

اندر میری کڑی وو ہٹی بنی بیٹھی ہے اوڑ باہڑ میں وڑ مالا (بر مالا) ہتھ میں لے کڑ ان کھوتوں میں سے سب سے ودھیا کھوتا لبھتی پھروں؟ ہیں ہے کوئی گل کڑنے والی، اوڑ یہ...... یہ سڑ سٹ کے بیٹھے ہیں، وڈے عزت داڑ جناب بالا گجڑ صاحب، اڑے ڑب نے اسے کوئی دھی اسی لئے نہیں دی، تا کہ یہ دوسڑوں کی بیٹیوں کا تماشا لگا تا پھڑے، حوام خوڑ کہیں کا۔'' اور پھر تھوڑی دیر کی مزید مغز ماری کے بعد اسی ''حوام خوڑ'' بالے گجر کو وہ خوشی خوشی داماد کے عہدے پر فائز کر چکی تھیں، نیاز حسین شاکڈ سے ایک طرف بیٹھے کے بیٹھے رہ گئے اور مراد کے احتجاج کو وہ پہلے کب خاطر میں کبھی لائیں تھیں جواب اس کی سنتی۔

''لے دس بھلا، مڑد تے گھورا (مرد اور گھوڑا) وی کدی بڈھے ہوئے ہیں جو میں ایک مالداڑ مڑد کو چھوڑ کسی کاکے کو اپنی خوبصورت ملوک سی کڑی کا ہاتھ تھما دوں، کدی وی نہیں۔'' اور مراد حسین ماں کی اس انوکھی منطق پر دل ہی دل میں کڑھتا ہی رہ گیا اور وہ ''مالداڑ بورکھا بالا گجڑ'' ملوک سی زیبا کو بیاہ کے لے گیا۔

☆☆☆

زیبا کو ٹھکانے لگنے کے بعد بظاہر تو باری مراد کی ہی تھی کہ سب بہنوں کی طرح ان تینوں بہنوں کا بھی دلی ارمان تھا کہ بھائی کی بارات سجائیں، خوب دھوم دھڑ کے سے پورے شگنوں کے ساتھ بھابھی گھر لائیں پھر چاہے اسے نندیں بن کر ہی کیوں نہ دکھائیں، مگر بھابھی ضرور لے کر آئیں اور شاید ایسا ہی کوئی ارمان بجلی بیگم کے دل میں بھی انگڑائیاں لے رہا تھا کہ مراد نے ان کے تمام ارمانوں پر سرد پانی ڈالتے ہوئے اپنے بچپن کے دوست ارشد مغل کے ساتھ آسٹریلیا جانے کا پروگرام فائنل کر لیا، جس طرح سے اس کی ماں نے عقلمندی اور جرأت کا مظاہرہ کرتے ہوئے زیبو کو پار لگایا تھا اس کا دل ماں کی طرف سے بے حد کھٹا ہو گیا تھا، اب اسے اچھی طرح اندازہ ہو گیا تھا کہ کیوں ابا جی سال کا زیادہ حصہ دور دراز علاقوں میں اپنی تبدیلیاں کرواتے رہتے تھے اور کیوں ہفتہ ہفتہ گھر نہیں آتے تھے، کیوں مسافروں کی طرح ویک اینڈ پر آ کر مشکل سے دو دن ہی گزار پاتے تھے، ظاہر ہے جب وہ دونوں باپ بیٹا وہاں ہو کر بھی کسی گنتی کسی قطار شمار میں نہیں آتے تھے تو پھر دور رہ کر بھی دیکھ لیا جائے ہو سکتا ہے کہ میرے دور جانے سے امی کو میرا خیال آ ہی جائے اور یہی سوچ اسے سب سے دور لے گئی، مگر یہ کیا، اس کے اس فیصلے نے تو آنٹی بجلی کے پو بارہ کر دیئے تھے اب تو ان کی شان دگنی بلکہ تگنی ہو گئی تھی، پہلے ہی ان کے پاس ''نیاز حسین واپڈا والے'' کی زوجہ محترمہ ہونے کا عہدہ تھا اس پر علاقے کے تگڑے ترین بالے گجر صاحب کی ساس ہونے کا اعزازی میڈل مل گیا اور اب رہی کسر آسٹریلیا گئے مراد حسین نے پوری کر دی تھی، یعنی کہ ''پہلے ای نیں سی مان، ہن تے جا چڑھی اسمان'' والا معاملہ ہوا تھا ان کے ساتھ اور وہ مراد حسین جو اپنے تئیں ماں بہنوں کو سزا دینے نکلا تھا، دیار غیر میں دن رات کام کرتا، خود کو بھی مجرم سمجھنے لگا تھا، کہاں تو اس نے دل ہی دل میں پکا تہیا کر رکھا تھا کہ سوائے ابا جی کے اور کسی سے فون پر بھی بات نہیں کرے گا اور کہاں دن رات اب ماں باپ کی بے ادبی کا خوف اسے اندر ہی اندر کھائے جا رہا تھا کہ ہمارے معاشرے کے مروجہ اصولوں کے مطابق بچے کو شروع سے یہ ہی تو بتایا جاتا ہے کہ ''ماں کے قدموں تلے جنت ہے'' مگر یہ بتانے کی زحمت کوئی نہیں کرتا کہ اس جنت کا دروازہ باپ کی

اطاعت سے کھلتا ہے یہ تو سب کہتے ہیں کہ ''ماں ٹھنڈیاں چھاواں'' مگر باپ سر کا تاج ہے یہ کوئی نہیں بتاتا، بلکہ الٹا باپ کو تو تپتا سورج بنا ڈالتے ہیں لوگ ''ماں کی دعا جنت کی ہوا'' سب کہتے ہیں اور ٹھیک ہی کہتے ہیں مگر یہ بھی تو بتائیں ناں کہ باپ کی دعا جا سیدھی عرش ہلا اور یہی سب باتیں آج کل مراد کی نیندیں اڑائے ہوئے تھیں اور پھر وہ خود پر زیادہ دیر جبر نہ کر سکا، نیاز حسین نے بھی تو بارہا اسے منور جہاں کی بے کلی بے چینی کا بتایا تھا۔

''مراد بیٹا تمہاری ماں زبان کی ذرا تیز ہے، دل کی بری نہیں اور پھر تم سے تو وہ پیار بھی بہت کرتی ہے، اسے فون کر لو بیٹا، وہ تمہاری یاد میں بیمار پڑ گئی ہے، اسے اور انتظار مت کرواؤ بیٹا۔'' بس یہ سب سننا تھا کہ مراد حسین کا سارا دم خم نکل گیا، اس نے فوراً ماں کو فون ملایا تھا اور پھر جیسے ہی اس کے رابطے ماں بہنوں سے بحال ہوئے دل کا اطمینان جیسے واپس لوٹ آیا، اب سے قلب کا سکون ضرور مل گیا تھا مگر کام، کام کا بوجھ اس پر دگنا ہو گیا تھا، بھئی آخر کو اکلوتا کماؤ پوت تھا اور بہنوں کی شادیوں کا سارا بوجھ اسی کے سر اور پھر جلد ہی یہ بوجھ بھی آنٹی بجلی نے اتار پھینکا تھا۔

''اوہو بھئی، آپ تو لفظ ہی پکڑنے لگے، ارے بھئی، جس طرح سے رانی نیلی کی شادی کے شادیانے بجلی بیگم نے بجوائے تھے اسے بوجھ اتار پھینکنا ہی کہتے ہیں۔''

زیبا کے بچے کی پیدائش پر ہسپتال میں انہیں ایک عرصے بعد بچھڑے ہوئے بھائی اور بھرجائی آن ٹکرائے، اب اتنے عرصے بعد گلے شکوے کیسے یاد رہتے ہیں اور پھر جب مقابل حیثیت میں ہم پلہ ہوں تو پھر کیسا روٹھنا اور کیسا ماننا، بجلی بیگم نے جھٹ بھرجائی کو گلے لگایا، بھائی سے لپٹ کر خوب روئیں، جی بھر کے آنسو بہائے اور ساتھ ہی انہیں بھی مقدور بھر رلایا اور اس رونے رلانے میں سارے گلے شکوے، شکایات بھی کہیں سدھار گئیں، مطلع صاف دل کشادہ، وہ لوگ بھی اپنی بہو کے ہاں بیٹے کی ولادت کے سلسلے میں وہاں آئے ہوئے تھے، اب ان لوگوں کا پھر سے ملنا ملانا شروع ہوا اور چھوٹی بھرجائی کو سوبر اور سنجیدہ سی رانی ایسی بھائی کہ اپنے فوجی بھتیجے کے لئے اس کا رشتہ لے کر ہی ٹلیں کہ اپنے دونوں بیٹے وہ کب کی بیاہ چکی تھیں، لو جی اندھا کیا مانگے دو آنکھیں، ادھر فوجی بابو کا رشتہ رانی کے ساتھ پکا ہوا، ادھر ڈراموں فلموں گانوں کی شوقین نیلی بیگم نے ہمسائے والے چینلز کے حساب سے تیاریاں شروع کر دیں، گھاگرہ، لہنگا، ساڑھی، چوڑی، بندی، پائل سے نیچے تو اس کی نظر ٹھہری ہی نہیں رہی تھی، اور بھلا آنٹی بجلی کو ایک اعتراض ہونا تھا، بابر کی کمائیاں آ رہی تھیں، اور وہ بھی کھلی ڈلی، سو خوب رج رج کے تیاریاں کی گئیں، مگر وہ ہی صرف اپنی کہ لڑکا پکا فوجی تھا، اس نے جہیز کے نام پر تنکا بھی لینے سے صاف اور سختی سے منع کر دیا تھا کہ آئے دن کی پوسٹنگ میں سامان کا سوا ستیاناس ہی ہو جانا، اس لئے کوئی فائدہ نہ تھا، اب اس کا کوئی فائدہ ہوا کہ نہیں، مگر ان ماں بیٹیوں کا خوب فائدہ ہوا، یعنی کہ ہینگ لگی نہ پھٹکری اور رنگ ایسا چوکھا آیا کہ سب ہی دنگ رہ گئے۔

وہیں شادی کی تقریب میں رسموں کے درمیان ہی ''بھا گیہ شری'' بنی نیلی نجیب کے دوست ندیم کے دل میں کُھبی ٹھاہ کر کے، بس پھر اس نے بغیر وقت ضائع کیے نجیب (رانی کا دلہا) کے کان میں بات ڈالی اور نجیب سے ہوتے

ہوئے بات بڑے بزرگوں تک جا پہنچی، ندیم نجیب کا لنگوٹیا یار تھا، والدین، بہن بھائی کوئی تھا نہیں، اس کے لئے سب کچھ نجیب اور اس کے گھر والے ہی تھے، سو نجیب کی ماں نے ندیم کے لئے بھی جھولی پھیلا دی اور پھر وہی بجلی بیگم کی بے خوف و خطر نڈر فوری فیصلہ کرنے والی عادت بس نجیب اور اس کے گھر والوں نے گواہی دی، اصرار کیا بالے جی نے ہاں میں ہاں ملائی اور انہوں نے وہیں اسی محفل میں پکڑ نیلی کا نکاح ندیم سے کروا دیا، چلو جی کم وی مکا، دونوں بیٹیوں کو ایک ساتھ رخصت کروا، بجلی بیگم کلم کلی (اکیلی) خالی گھر میں بولائی بولائی پھرنے کو رہ گئیں، اب ظاہر تھا رانی تو اپنے شوہر کے ساتھ مظفر آباد سدھاری کہ نجیب کی پوسٹنگ وہی تھی اور رہ گئی نیلی تو وہ ندیم کے ساتھ کراچی روانہ ہو گئی، ندیم کراچی کا رہائشی تھا، اس کا اپنا پروڈکشن ہاؤس تھا اور ایک ایڈورٹائزنگ کمپنی بھی تھی، وہ تو اپنے دوست کی شادی میں شرکت کے لئے آیا تھا، مگر اس کی لکی قسمت کہ اسے اپنی لائف پارٹنر بھی وہیں مل گئی اور رہ گئی زیبو، تو وہ پاس رہتے ہوئے بھی کم کم ہی آتی تھی، اس کی مت تو سال سال کے وقفے سے ہونے والے بچوں نے ہی ماردی تھی اور ابھی بھی بالا صاحب کا دل بچوں کی طرف سے نہیں بھرا تھا، وہ شاید اپنے اکلوتا ہونے کا بدلہ اپنی بیویوں سے لے رہا تھا کہ تا جی کے چھ بیٹوں کے بعد اب زیبو کے بھی چار بیٹے اور ایک بیٹی ہو چکے تھے۔

☆☆☆

''وے مڑا د پتر، تو اب واپس آجا، پتر اب میٹرے اندڑ وہ ساہ ست (ہمت) ان ہیں ڑہ گیا، بڑا انتظار کڑ لیا ہم نے تیڑا پتر، ہن ہوڑ انتظار نہیں ہوتا، تیڑا ابا وی جب سے ریٹیئر (ریٹائر) ہوا ہے ساڑا ساڑا دن ویہے (صحن) میں بیٹھا کھنگتا (کھانستا) ڑہتا ہے یا فیڑ اپنے پھل بوٹوں کو سجاتا سنواڑتا ڑہتا ہے، اوڑ میں، میں تے ساڑا ساڑا دن تیڑا اور تیڑی بہنوں کا انتظاڑ کڑتی ڑہتی ہوں کہ شاید تو آ جائے، شاید زیبو چکڑ لگا لے یا فیڑ ہو سکا اے کہ ڑانی یا نیلو میں سے کوئی آ جائے، پڑ تم چاڑوں میں سے کوئی وی نہیں آتا، فیڑ میں ٹیلی فون کے آل دوالے گھسن گھیڑیاں (چکر) لگانے لگتی ہوں کہ ہو سکدا دے کہ تم لوگوں کو ہماڑی یاد آ جائے اور تم میں سے کوئی فون ہی کھڑ کا (کھڑکا) دے، پڑ نہ جی، کسی کو فون بھی نہیں آتا اور پتر جی، مجھے تو اب لگتا ہے کہ جیسے تم لوگوں کے پاس ہم بڈھے ماں پیو کے لئے ٹیم ہی نہیں ہے۔'' وہ اکثر و بیشتر مراد کو وطن واپس آنے کے لئے فورس کرتی ہی رہتی تھیں، مگر جانے آج کیا بات تھی کہ ان کے لہجے کی وہ کھنک، وہ جھنکار مفقود تھی جو ان کی شخصیت کا خاصہ تھی، وہ ایکدم گھبرا ہی گیا۔

''امی جی! کیا ہو گیا ہے آپ کو؟ آپ کی طبیعت تو ٹھیک ہے ناں، آپ اس طرح کی باتیں کیوں کر رہی ہیں، اگر آپ زیادہ اداس ہیں تو زیبی کو بلا لیں ناں اپنے پاس، یا پھر رانی نیلی سے کہیں وہ کچھ دنوں کے لئے آپ کے پاس چلی آئیں اور میری پیاری امی جی، چھوڑیں ان سب کو آپ تو اپنا زیادہ وقت اب ابا جی کے ساتھ گزارا کریں ناں، ان کے لئے ان کی پسند کا سرسوں کا ساگ اور مکئی کی روٹیاں بنا کر کھلایا کریں، ان کی پسند کی اور اپنی پسندیدہ پرانی فلمیں دیکھا کریں ناں اور پھر آپ کی تو اتنی ڈھیر ساری سہیلیاں بھی تو ہیں ناں وہ رکھی آنٹی، عذرا آنٹی، اور جانے کون کون، آپ ان کے ساتھ گپ شپ لگایا کریں ناں، آپ کا ٹائم اچھا گزر

جایا کرے گا۔" مراد اپنے نرم مخصوص انداز میں انہیں تسلیاں دیتا بالآخر انہیں مایوسی کے فیز سے نکال ہی لایا۔

"آہو، سہیلیاں، ساڑی دوستیاں مطلب کی ہوتی ہیں پتر، آخر کو وہ بھی تو گھڑ باڑ (گھر بار) والی ہیں، ساڑا سارا دن میٹری طرح ویلی تو نہیں ڑہ سکتی ناں اور اپنے ابے کی تو کیا گل کڑتا ہے پتر، ساڑی زندگی جانے کہاں کہاں کی خاک چھاننے کے بعد، اب بیماڑیوں کی پنڈ بن کر آ وجا ہے متھے میٹرے اس عمڑے، ہزاڑ واڑی (ہزار بار) آکھیا تھا کہ چھڈ دے ایسی نوکڑی جس میں چین ہے نہ آڑام، خیڑ سے پتر کمانے لگ گیا ہے، دھیاں (بیٹیاں) اپنے اپنے گھڑ باڑ (گھر بار) والی ہو گئیں ہیں، فیڑ بھلا اس بابے کو اس عمڑی (عمر میں) نوکڑیاں کڑنے کی کیا لوڑ (ضرورت) تھی پڑ ناں جی، وہ نیاز حسین واپڈا والا ہی کیا، جو بھی کسی کی مت (عقل) لے لے، آخر بیماڑ پڑا ہے تو اگلوں نے ڑٹیئر (ریٹائر) کڑ کے باڑ مارا ہے اسے (نکال باہر کیا ہے) ہن چنگا ڑیا اے (اب اچھا رہا ہے) تے نالے اپنی بہنوں کی کیا گل کڑتا ہے تو پتڑ، وہ ڑانی، اس کے پیڑوں (پاؤں) میں تو ڑیرو (پہیے) لگے ہوئے ہیں، کدی کڑاچی نے کدی سندھ کدی پشوڑ (پشاور) تے کدی مظفڑ آباد تے کدی کھاڑیاں، بس پتڑ اس کڑماں (کرموں) والی کو تو شادی کے بعد چین آیا ہی نہیں، کدی دی کہیں وی دو سال سے زیادہ ٹک کڑ رہ نہیں پائی وہ غڑیب، اس نمانی کا تو ونجاڑوں والا حال ہو گیا ہے اور وہ تڑی لاڈو نیلی اس نے تو نواں ای کم کڑ دکھایا ہے۔"

مراد غریب تو پہلے ہی رانی کے میاں کی ٹرانسفر کو بنجاروں سے تشبیہ دیئے جانے پر سانس روکے کھڑا تھا، اب نیلی کے ذکر پر اس کی ہتھیلیاں واضح طور پر بھیگنے لگی تھیں، اب جانے اگلی خبر کیا نشر ہونے جا رہی تھی، اس نے بے ساختہ دل ہی دل میں الٰہی خیر کا ورد شروع کر دیا۔

"کیا ہوا امی نیلی ٹھیک تو ہے ناں میری بھی اس سے کافی عرصہ ہوا بات ہی نہیں ہوئی اور زیبی زیبی کیسی ہے؟"

"او تو زیبی کو چھوڑ، پہلے اپنی لاڈو کے کارنامے تو سن لے، تجھے تو پتا ہے کہ اس کے بندے (شوہر) کا اپنا ڈراموں اور اشتہاروں کا کام ہے، لے کڑ اس نے اس شوخی کو بھی کیمڑے کے آگے کھلاڑا (کھڑا) کر دیا ہے، اب تو یہ حال ہے کہ جیڑا (جونسا) چینل وی لگاؤ، نیلو بی بی اپنا نکا ساڑی بوتھی لے کر (چھوٹا سا منہ) سامنے ہی کھڑی ملتی ہے کدی سڑف (سرف) کا لفافہ پکڑ کڑ تو کدی صابن مل مل کے پانڈے (برتن) مانجھتی ہوئی کدی چائے یا دودھ کے ڈبے پکڑ کڑ لہڑاتی ہوئی، تو کبھی جوس کے جگ میں غوطے کھاتی پھڑتی ہے، شوخی جئی، او پتڑ عجیب عجیب طڑح کے کپڑے چڑھا کڑ اور اس سے بھی زیادہ عجیب عجیب شکلیں بناتی، وہ تو ہڑ وقت ای ٹی وی کی اسکڑین پڑ چڑھی ہی ڑہتی ہے اوڑ اب تو ندیم بتا ڑہا تھا کہ اس نے اپنے اگلے آنے والے ڈراموں میں ہیڑوین بھی اپنی نیلی کو ہی بنا لیا ہے، لے دس بھلا ہیں ناں دونوں جی سیانے، گھڑ کا خو چہ گھڑ میں ای پوڑا کڑ لیتے ہیں اوڑ اب بھلا اس کے پاس اتنا ٹیم کہاں کہ وہ ہم سے ملنے یا ہمارے پاس ڑہنے آئے، بس اٹھی دسی دنی (آٹھ دس دن) ایک فون کھڑکا لیتی ہے، اللہ اللہ تے خیڑ صلی اور ڑہ گئی زیبی، تو اس کے بال بچے ہی اس کی مت ماڑنے کا کافی ہیں، فیڑ وہ بالا گجڑ ایک ڑات ڑہنے نہیں دیتا ہماڑے پاس کہتا ہے، چاہے دن کے دو چکڑ لگا آو ماں کے گھڑ مگوڑات

تو اپنے گھر واپس آ جاؤ، بس فیر مجھے بھی غصہ آ جاتا ہے اوڑ میں وی کہہ دیتی ہوں کہ پاء جی تو اپنی آل اولاد کو دن میں بھی اپنے گوڈے کے ساتھ باندھ کے رکھ، ہم رہ لیں گے ایسے ہی۔"

"بس پتر، اب تو واپس آ جا، میں تیری شادی کروا دوں گی، میرے گھر میں بھی رونق ہو، پوتے پوتیاں آئیں اوڑ میں انہیں جی بھر کے کھڈاؤں، بس تو اسے میرا حکم سمجھ اور فوراً واپس آ جا، بس۔" بات کرتے کرتے ان کے واقعی آنسو ہی نکل آئے تھے اور ان کے لہجے کی بے تابی، ارمان، آرزوئیں، مراد حسین پھر زیادہ دیر وہاں رہ نہیں پایا تھا، اس نے اپنا جمع جتھا اکٹھا کیا نوکری کو خیر باد کہا اور کسی کو بھی بتائے بغیر واپس آ گیا۔

☆☆☆

مراد کو اس طرح اچانک اپنے سامنے دیکھ کر نیاز حسین اور منور حسین پر شادی مرگ طاری ہو گئی تھی، کتنی دیر تو انہیں یقین ہی نہیں آیا کہ ان کا اکلوتا لاڈلا بیٹا ان کے سامنے، اتنے سالوں کے بعد، اتنے لمبے عرصے کے بعد وہ اپنے لخت جگر کو اپنی آنکھوں کے سامنے دیکھ رہے تھے، اسے چھو چھو کر اگر خود کو یقین نہ دلاتے تو اور کیا کرتے اور پھر جلد ہی انہوں نے اپنی اکلوتی بہو پسند کر ہی لی، مگر اس بار انہوں نے اپنے گھر کے تمام افراد بشمول نیاز حسین اور مراد حسین کی پسند کو بھی خاصی اہمیت دی تھی، کئی لڑکیاں اور گھرانے ریجکیٹ کرنے ک بعد آخر کار قرعہ فال رملہ کے نام نکلا تھا۔

یہ اور بات کہ رملہ کو بجلی بیگم سے زیادہ نیاز اور مراد حسین نے پسند کیا تھا اور اس سے بھی کہیں زیادہ انہیں رملہ کی والدہ کے اخلاق اطوار ان کی تہذیب ادب آداب اور سلیقے نے متاثر کیا تھا اور

حیرت انگیز بات یہ ہوئی تھی کہ اس بار نہ تو بجلی کڑکی تھی اور نہ ہی بجلی بیگم اور ان کا اس طرح سے شوہر اور بیٹے کی پسند کو سند قبولیت عطا کرنا تو اللہ رکھی سے ہضم ہو رہا تھا اور نہ ہی نیلی سے، مگر بجلی بیگم فی الحال کسی کو کچھ بھی بتانے کے موڈ میں نہیں تھیں، جلد ہی شادی کی تاریخ رکھ دی گئی اور پھر جیسے ہی دن طے ہوئے، ان کا گھر بقعہ نور بن گیا، رنگ برنگے برقی قمقموں سے سجا، ہری بیلوں اور خوش رنگ پھولوں سے ڈھکا گھر سے دور سے ہی دیکھنے والوں کی توجہ اپنی طرف کھینچ رہا تھا، منور جہاں نے اس بار واقعی تیاریاں دل سے کی تھیں، بہو کے لئے شاندار بری تیار کروائی تھی اور زیورات بھی مراد اور رانی کی پسند سے بنوائے گئے تھے، بہت نفیس اور خوبصورت جیسے جیسے شادی کے دن قریب آتے جا رہے تھے، سب کا جوش و خروش بڑھتا ہی جا رہا تھا، سن ساٹھ سے لے کر اب تک بننے والے تمام شادی بیاہ کے گانے دن رات بجائے جا رہے تھے، بہنوں کو تو خوشیاں چڑھی ہی ہوئیں تھیں، بھانجے اور بھانجی بھی بھنگڑے اور لوڈیوں کی پریکٹس کرتے ہر وقت پائے جاتے تھے اور ظاہر ہے کہ ان کو ڈانس سکھانے کے لئے نیلی بیگم سے بڑا کوریوگرافر اور کون ہو سکتا تھا بھلا، سو نیلی بیگم کی یہاں بھی ویسی ہی مصروفیات تھیں۔

"رانی پتر، تم نے ساری چیزیں دھیان سے رکھ لی ہیں ناں، پتر سارے کی ساری ذمہ داری تیرے ای اوپر ہے، ایک تو ہی تو ہے حساس اور ذمہ دار میں تیرے سوا ہور کسی پر بھروسہ نہیں کر سکتی، کیا کروں، ان دونوں کو تو اپنے اپنے کاموں سے ہی فرصت نہیں مل رہی، زیبی کو تو وہ بالا اوڑا اس کے بچے ہی نہیں چھوڑتے اوڑ اس نیلو کو تو نچنے ٹپنے کے علاوہ ہور

کوئی کم ای نہیں ہے، میں جانتی ہوں پتر سارے کا سارا بوجھ تیرے اوپر ہی آن پڑا ہے مگر پتر تھوڑے کی بات ہے، فیر خیر سے وہٹی گھر آ جائے گی تو پھر وہ جانے اور اس کا کام۔'' انہوں نے رانی کو دن رات بری طرح مصروف دیکھ کر کہا تو وہ مسکرا دی۔

''اوہو امی جی کیسی باتیں کر رہی ہیں آپ میں اپنے بھائی کے لئے آپ کے لئے اگر تھوڑی بھاگ دوڑ کرلوں گی تو کون سا کسی پر احسان کروں گی، آخر کو اتنے ارمانوں کے ساتھ، اتنے سالوں کے انتظار کے بعد تو اللہ ہم پر یہ خوشیوں بھرا وقت لایا ہے، تو میں کیوں نہ بڑھ چڑھ کر اپنے بھائی کی خوشی میں شرکت کروں اور کیوں نہ اپنی پیاری بھابھی کے استقبال کے لئے بھاگ دوڑ کروں، آپ میرے بارے میں بالکل فکر مند نہ ہوں، میں اپنے دل کی خوشی سے سب کچھ کر رہی ہوں۔'' اس نے مسکرا کر ماں کے ہاتھ تھامتے ہوئے کہا تو وہ بھی اسے گلے سے لگا کر مسکرانے لگیں۔

☆☆☆

ساڈے گھر آئی پرجائی، ساڈھے گھر آئی پرجائی
لکھاں خوشیاں نال ویائی دیو ودھائی

اور بالآخر آج وہ لوگ رملہ کو دلہن بنا کر گھر لے ہی آئے تھے، اس وقت مختلف رسموں سے فارغ ہونے کے بعد نیلی کے اشارہ کرنے پر زیبی کے بڑے بیٹے نے ڈی جے کی جگہ سنبھالی اور پھر جو دیوانوں اور دیوانیوں نے اپنے اندر کوٹ کوٹ کر بھرے فن کا مظاہرہ کیا کہ آہاہا، اور پھر جو ٹھمکے آنٹی رکھی کے ساتھ مل کر آنٹی بجلی نے لگائے، واہ بھئی واہ وہ کہتے ہیں ناں کہ ''دل ہونا چاہیدا جوان تے عمراں وچ کی رکھیا'' تو جناب سب مان گئے، بالکل ٹھیک ہی کہتے ہیں سب خوش تھے بہت خوش، مگر شاید سب سے زیادہ خوش اور مطمئن مراد اور نیاز حسین ہی تھے، آخر کار ان کی منور جہاں المعروف بجلی بیگم ساری عمر چمک چمک، لپک لپک لوگوں کو کرنٹ مار مار، ایک منطقی نتیجے پر پہنچ ہی گئی تھیں اور بفضل خدا بالکل ٹھیک نتیجے پر پہنچی تھیں، اسے دل سے مان لیا تھا اور اب اس پر کھلے دل سے عمل بھی کر دکھایا تھا۔

''ارے آپ اب بھی نہیں سمجھے اوہو ایک تو آپ بھی ناں، ہر بات آپ کو کھول کھول کر بتانی پڑتی ہے، چلیں بتا دیتے ہیں۔''

☆☆☆

اس روز جب بجلی بیگم بلا مبالغہ کوئی پندرھویں لڑکی ریجیکٹ کر کے زیبی کے ساتھ گھر تشریف لائیں تو آتے ہی حسب سابق لڑکی میں نقص نکالنے لگیں، پہلے تو نیاز حسین اور مراد حسین چپ چاپ سنتے چلے گئے، مگر جیسے ہی زیبا نے بھی ماں کی زبان بولنا شروع کی مراد ایک دم سے بے چین ہو کر اپنی جگہ سے کھڑا ہو گیا۔

''زیبی، آپ کیسے کر سکتی ہیں اس طرح، آپ خود بھی تو بیٹی کی ماں ہیں کل کو آپ پر بھی تو یہ وقت آنا ہے، آپ جانتی ہیں ناں اور پھر بھی، آپ کس طرح منہ بھر بھر کے کسی دوسرے کی بیٹی میں نقص پر نقص نکالے جا رہی ہیں، آپ کو اللہ کا خوف نہیں ہے کیا۔'' مراد کی حیرت اور درد میں ڈوبی آواز سن کر زیبی کا دل ڈوب سا گیا، اس کی نگاہوں کے سامنے اس کی بیٹی آن کھڑی ہوئی، منور جہاں کی نگاہیں بھی بے ساختہ جھک گئیں تھیں۔

''منوری میں تجھے ساری زندگی سمجھانے کی کوشش ہی کرتا رہا، مگر تو نے میری ایک نہ سنی، ہمیشہ ہوا کے گھوڑے پر ہی سوار رہی، لوگوں نے تمہیں بجلی بیگم کا خطاب کیا دے ڈالا تم نے تو خود

کو واقعی بجلی ہی سمجھ لیا، آناً فاناً فیصلے کیے اور آناً فاناً ان پر عمل بھی کر ڈالا، دیکھ لو، اب خود ہی دیکھ لو اپنے فوری فیصلوں کا نتیجہ، یہ سامنے کھڑی ہے تمہارے، تمہارے اپنے جگر کا ٹکڑا، اپنی اصل عمر سے دس سال بڑی لگنے لگی ہے اس بالے گجر کے ساتھ بیاہ کر تو نے اپنی ملوک سی دھی کو کیا فائدہ پہنچایا، وہ مکان، وہ زیور، وہ روپیہ پیسہ کسی کام کا جو اس کے نام ہو کر بھی اس کے پاس نہیں، کبھی دو چوڑیاں سونے نہیں دیکھیں میں نے اس کے ہاتھوں میں، جانتی ہو کیوں اس لئے کہ وہ زیور اس کے پاس ہی نہیں جو اس کا حق تھا، حق مہر تھا اس کا، پوچھ لو اس سے، مکان کے کاغذات بالے کے پاس، زیورات بینک میں، روپیہ پیسہ تاجی کی تجوری میں، تو اس بڈھے سے کیا ملا اسے، صرف بچے، تو وہ تو اس کی شادی جہاں بھی ہوتی اس کے نصیب کا اس مل ہی جاتا۔''

''اور رانی کو دیکھ لو، کہنے کو فوجی کی بیوی ہے، شکر ہے مولیٰ کا کہ میری اس بچی کی زیبو جیسا کوئی دکھ نہیں، مگر تو خود بتا، اپنا گھر عورت کا سب سے بڑا خواب سب سے بڑا ارمان، تو نے اپنا یہ ارمان پورا کرنے کے لئے کیا کیا نہیں کیا اور میری وہ صابر بیٹی اتنے سالوں سے سرکاری مکانوں میں اپنے شوہر اور بچے کے ساتھ دھکے کھا رہی ہے، مہاجروں کی طرح ایک جگہ سے دوسری جگہ، کسی ایک جگہ ٹک کر رہنا نصیب نہیں ہوا اس کو کبھی، مگر پھر بھی ہر وقت شکر کا کلمہ رہتا ہے اس کے ہونٹوں پر، سالوں گزر جاتے ہیں اس کی شکل دیکھے ہوئے اور ہم صرف صبر ہی کر سکتے ہیں، سو کر رہے ہیں اور رہی نیلی تو اس کے ساتھ تو نے کیا کیا، اتنی چھوٹی بچی عمر میں اس کا ہاتھ ایک ایسے شخص کے ہاتھ میں دے دیا جو خود بھی رج کے لاابالی طبیعت کا مالک ہے، بے چین روح اور بے چین ہی فطرت، اتنے سال گزر جانے کے بعد بھی اس کی گود ابھی تک سونی ہے سی کلاس اداکارہ اور سی کلاس ڈائریکٹر پروڈیوسر، تم نے اپنی جلد بازی اور اوتا لے پن کے ہاتھوں اپنی ہی اولاد کے نصیبوں کے ساتھ ہاتھ کر ڈالا، منوری اپنے نصیبوں کو تو تو ساری عمر روتی رہی ہے جانتا ہوں میں اچھی طرح سے کہ میں تو جانے کب کا تیرے دل و نظر سے اتر چکا تھا، مگر یہ اولاد تو تیری اپنی ہی تھی ناں، نہ تو نے بیٹیوں کو کوئی طریقہ سکھایا اور نہ ہی سلیقہ بس بیاہ دیا، جیسے خدانخواستہ یہ کہیں بھاگی جا رہی تھیں، یا پھر یہ بھی تیرے اپنے اندر کا چور تھا جو تمہیں چین نہ لینے دیتا تھا، مگر منور جہاں بیگم، انہیں پہلے کچھ سکھا تو دیتی کوئی ہنر مندی، کوئی سلیقہ سسرال میں رہنے سسرال کو برتنے کے ادب و آداب مگر اب کیا فائدہ۔'' نیاز حسین آج کھل کر بول رہے تھے اور ان کا بولا جانے والا ایک ایک لفظ منور جہاں کے دل میں تیر کی طرح لگ رہا تھا، انہیں صحیح معنوں میں آج اپنی بیٹیوں کے ہنستے چہروں پر بجھی آنکھیں اور مسکراتے لبوں میں دبی سسکیاں سنائی دے رہی تھیں اور وہ آج اس حقیقت سے بھی پوری طرح آگاہ ہو چکی تھیں، کہ ہاں واقعی یہ ان کے اپنے اندر کا چور ہی تو تھا، جس نے ان سے جلد از جلد فیصلے کروائے اور پھر ان پر عمل بھی کہ کہیں کل کو اگر ان کی بیٹیاں بھی کسی نیاز حسین کی بانہہ پکڑ کر ان کے سامنے لے آئیں تو؟

اور اسی تو نے ہی تو سارا فساد مچایا تھا، آج تو زیبی بھی کھل کر رو رہی تھی اور اس کے آنسو منور جہاں کے دل پر تیزاب کے قطرے بن کر گر رہے تھے، ان کی روح جھلس رہی تھی، مگر اب وہ واقعی کچھ نہیں کر سکتی تھیں کہ سانپ تو گزر چکا تھا، اب بھلا لکیر پیٹنے سے کیا حاصل۔

"منوری میری ایک بات یاد رکھنا، ابھی بھی وقت پوری طرح سے ہمارے ہاتھوں سے گیا نہیں، ابھی بھی ویلا ہے کہ ہم اپنی آنے والی نسل کو سنوار لیں کیونکہ ہماری نسل تو مراد کے بچوں سے ہی چلے گی ناں، تو میری بات مان منور اب کہ لڑکی دیکھنے کی بجائے لڑکی کی ماں کو دیکھنا، اگر وہ ادب تمیز والی گھر گھرہستی عورت ہوگی تو ضرور اس کی بیٹی بھی اسی کے جیسی ہی ہوگی کہ بیٹیوں کی تربیت تو مائیں ہی کرتی ہیں اور بیٹیاں اپنی ماں کا ہی تو پرتو ہوتی ہیں، بس منور جہاں میں زندگی میں پہلی اور آخری بار تجھ سے کچھ مانگ رہا ہوں میری اس آخری خواہش کا احترام کرنا، تمہاری بڑی مہربانی ہوگی۔"

"اے کی کہہ ڑہے ہو تسی، آپ کا حکم سر متھے پڑ، اوڑ آپ بالکل ٹھیک کہہ ڑہے ہو جی، ساڑی غلطی میڑی ہی تھی، میں مانتی ہوں قصوڑ اپنا، زیبو، میڑی جان مجھے معاف کڑ دے، میں ڑانی اور نیلی سے بھی معافی مانگ لوں گی، تم سب مجھے معاف کڑ دو، میں ساڑی عمڑ خود کو عقل کل ای سمجھتی ڑہی، مگواب جاکڑ پتا چلا ہے کہ مجھ سے وڈا بے وقوف اور پاگل تو کوئی ہوڑ تھا ہی نہیں، آئے ہائے میں نے اپنے ڈڑ اوڑ خوف کے ہاتھوں مجبوڑ ہوکڑ اپنے جگر کے ٹکڑے لوگوں کی ٹھوکڑوں میں ڑکھ دیئے میڑے ڑبا، مجھے معاف کڑ دینا، تو ڑحم کرنے والا ڑحیم ہے مولا میڑی کوتاہیاں میڑی غلطیاں معاف فڑما دے مولی اور مجھے ویسی ہی بہو عطا فرما جیسی مڑاد کے ابا کی مڑضی ہے۔"

☆☆☆

حبس جب حد سے بڑھ جائے تو بادل کھل کر برس پڑتے ہیں، ہر طرف جل تھل ہو جاتا ہے اور ساری کثافتیں دھل جاتی ہیں، اس طرح جب دل کا بوجھ حد سے بڑھ جاتا ہے تو بن بادل برسات ہونے لگتی ہے اور یہ برسات جتنی شدت سے ہوتی ہے دل کا بوجھ اتنی ہی شدت سے کم ہو جاتا ہے، خاص طور سے جب یہ بادل، رب کے حضور برس جب آنکھوں کے فرش خدا کے خوف سے توبہ کرتے ہوئے گیلے ہوتے ہیں تو اندر باہر کی ساری کثافتیں دھل جاتی ہیں اور جب کثافتیں دھل جائیں تو سارے مناظر واضح ہو جاتے ہیں، جیسے برسات کے بعد موسم خوشگوار ہو جاتا ہے، ویسے ہی توبہ کے بعد معافی کے بعد زندگی کے راستے آسان اور سفر خوشگوار ہو جاتا ہے۔

اور یہ بات منور جہاں المعروف بجلی بیگم کو اچھی طرح سمجھ آ چکی تھی اسی لئے اب رملہ ان کے گھر ان کے دل میں خاص مقام لئے بیٹھی تھی، کیونکہ وہ نہ صرف خود پڑھی لکھی بہت با ادب اور حیا دار لڑکی تھی، بلکہ ان کی آنے والی نسل کو بھی واقعی سنوارنے والی تھی کہ اس کا اندازہ ان سب کو چند ماہ میں ہی ہوگیا تھا، بھئی آخر کو زیبو کے بچوں کو سدھارنے کا بیڑہ رملہ اور مراد اٹھا چکے تھے اور اس کے ثمرات بھی ظاہر ہونا شروع ہو چکے تھے تو ان کے آنے والے بچے بھلا کیسے نہ سنورتے۔

اب آ گئی ناں بات آپ کی سمجھ میں، چلیں پھر دیکھتے ہیں کہ آنٹی بجلی کے پوتے پوتیاں اور کتنا انتظار کرواتے ہیں انہیں، آپ بھی دیکھئے ہم بھی دیکھتے ہیں۔

☆☆☆

اک ان کہی غزل

حنا اصغر

''کتے کمینے اور خبیث انسان خبردار جو مجھے تم نے اب میسج کیا تو۔'' غصے سے ٹائپ کر کے سینڈ کیا ریپلائی حاضر تھا بے قراری سے ان باکس کھولا۔

''چلو آپ نے مجھے انسان تو سمجھا کم از کم ورنہ مجھے آپ سے یہ توقع نہیں تھی۔''

''آپ پلیز مجھ سے کوئی توقعات نہ ہی پالیں تو بہتر ہے ورنہ۔'' جواب دیا فوراً جواب حاضر تھا۔

''ورنہ.....؟'' پوچھ کر جیسے اس کے عزائم جاننے کی کوشش کی۔

''ورنہ میں تیرا خون پی جاؤں گی۔''

''کتوں کا خون بھی پیتی ہیں آپ۔'' حیرت سے بھرپور ریپلائی

''نہیں مگر آپ کا ضرور پیوں گی اب۔'' وہی انداز تھا سامنے والا بھی شاید ڈھیٹوں کا

ڈھیٹ تھا اثر لئے بغیر لکھا۔
''تو پھر کہاں مل رہی ہو؟''
''کس لئے؟'' حیرت سے پوچھا، ڈھٹائی سے بھرپور میسج آیا۔
''میرا خون پینے کے لئے ڈائن۔''
''میں ڈائن نہیں ہوں۔'' غصے سے مٹھیاں بھینچی تھیں جیسے۔
''تو پھر کتوں کا خون کیوں پیتی ہو مجھ سے جھوٹ مت بولو بدصورت لڑکی۔''
''میں بدصورت نہیں ہوں ویسے آپ کی تسلی کے لئے بتا دوں کہ میں خاصی سمارٹ اور کیوٹ سی لڑکی ہوں۔''
''اپنی تعریف خود کی۔'' وہ مزید شیر ہوا۔
''کیوں کیا تمہارے بال لمبے ہیں۔''
''جی بالکل۔'' تصدیق کی۔
''تو پھر تمہاری آنکھیں نیلی، براؤن یا پھر شہد رنگ ہونگی۔''
''نہیں بلکہ میری آنکھیں سیاہ ہیں گھور سیاہ۔'' اب کے مزید غصے سے کہا وہ اندازے لگاتے پھر بولا۔
''تو پھر آپ کا نام ارم، مریم یا پھر کرن ہوگا ہے نا۔'' تصدیق چاہی، وہ اپنا نام ٹائپ کرنے لگی۔
''من تشہ ہے میرا نام۔''
''تو من تشہ تم ضرور بی ایس سی کر رہی ہو گی۔''
''نو وے میں ابھی سیکنڈ ائیر میں ہوں۔''
''او میرے تو سارے اندازے غلط ثابت ہو رہے ہیں۔'' اعتراف کیا، وہ محظوظ سی مسکرا دی۔
''تم ملیر میں رہتی ہو یا پھر ڈیفنس۔''
''بالکل نہیں میں ڈسکہ میں رہتی ہوں۔''
''تمہارا کوئی اندازہ صحیح نہیں ہے اب یہاں میسج نہ کرنا ہر لڑکی بے وقوف یا پاگل نہیں ہوتی، جو تم جیسے رانگ نمبر سے ہار جائے کچھ من تشہ علی بھی ہوتی ہیں تم جیسوں کو سیدھا کرنے کے لئے۔''
کچھ دیر پہلے والا غصہ عود کر آیا غصے سے آخری میسج ٹائپ کرتی وہ اٹھ کر آئینے کے سامنے آ کھڑی ہوئی۔
''من تشہ تو اپنے ابو کا مان ہے، امی کی عزت اور بھائیوں کی غیرت وہ کبھی غلط نہیں کر سکتی کیونکہ وہ جانتی ہے اگر ابو کا مان امی کی عزت اور بھائیوں کی غیرت کو ذرہ سی ٹھیس پہنچی تو وہ خود ٹوٹ کر بکھر جائے گی کرچیوں میں بھی نہ جڑنے کے لئے۔'' زیر لب بڑبڑائی، ابھی موبائل پہ بیل ہوئی نمبر دیکھے بنا ہی اٹھا لیا اور ساکت رہ گئی، لفظوں نے ساتھ چھوڑ دیا زبان گنگ ہو گئی بالکل گونگی۔
''من تشہ ہر لڑکی بے وقوف اور پاگل ہوتی ہے جو ہم جیسے رانگ نمبرز سے ہار جاتی ہے، تم خاصی سمارٹ ہو نام من تشہ ہے سیکنڈ ائیر میں پڑھتی ہو لمبے بال اور سیاہ گھور آنکھیں ہیں، ڈسکہ میں تمہارا گھر ہے ''صرف ایک پل'' میں، میں نے تمہارے بارے میں سب کچھ جان لیا تو تم ہوئی نہ بے وقوف اور پاگل ہاہاہا۔''
ہاتھ میں پکڑے موبائل کو اس نے دیوار پہ دے مارا ہذیانی انداز میں روتی وہ دیوار سے ٹیک لگائے بیٹھتی چلی گئی۔
ابو کا مان امی کی عزت اور بھائیوں کی غیرت کو ٹھیس لگی تھی اور وہ ٹوٹ گئی کسی شیشے کی طرح کئی ٹکڑوں میں بٹتے اسے صرف ''ایک پل'' لگا تھا اور جڑنے کے لئے کئی عمریں درکار تھیں۔
بعض دفعہ ایک پل کی غلطی تمام عمر کا ناسور بن جاتی ہے، ہر وقت دکھتا...... درد...... دیتا ناسور......زندگی کا اور اپنوں کا۔

☆☆☆

جب برائی زیادہ ہو جائے

ام المومنین زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نیند سے جاگے اور فرمایا۔

''لا الہ الا اللہ، خرابی ہے عرب کی اس آفت سے جو نزدیک ہے، آج یاجوج اور ماجوج کی آڑ اتنی کھل گئی۔'' (یعنی انگوٹھے اور کلمہ کی انگلی سے حلقہ بنایا) میں نے عرض کیا۔

''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کیا ہم تباہ ہو جائیں گے، ایسی حالت میں جب ہم میں نیک لوگ موجود ہوں گے؟''

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''ہاں، جب برائی زیادہ ہو گی۔'' (یعنی فسق و فجور یا زنا یا اولاد زنا یا معاصی) (صحیح بخاری)

سعدیہ جبار، ملتان

رضائے الٰہی

امیر المومنین حضرت سیدنا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں۔

''مجھے اس بات کی پروا نہیں کہ میں کسی حال میں صبح کروں گا، آیا اس پر جس کو میری طبیعت ناپسند کرتی ہے یا اس حال پر کہ جس کو میری طبیعت پسند کرتی ہے، کیونکہ مجھے معلوم نہیں کہ میری بھلائی اور بہتری کس میں ہے۔''

یہ بات اللہ تعالیٰ کی تدبیر، رضامندی، اس کی پسندیدگی اور اختیار اور اس کی قضاء پر اطمینان وسکون ہونے کے سبب فرمائی۔

فرح عامر، جہلم

یادیں

بس یہی مشکل ہے کہ بھول جانا انسان کے بس میں نہیں، جو حادثہ ایک دفعہ گزر جائے، وہ یاد بن کے بار بار گزرتا ہے، بھولنے کی کوشش ہی اسے زندہ رکھتی ہے، انسان ظالم کو معاف کر سکتا ہے، لیکن اس کے ظلم کو بھول نہیں سکتا، بھول جانا انسان کے اختیار میں نہیں۔

موسم گزر جاتے ہیں لیکن یاد نہیں گزرتی، مرحوم زمانوں کی یاد مرحوم نہیں ہوتی، پرانے چہرے نئے چہروں میں نظر آنا شروع ہو جاتے ہیں، پرانے غم نئے غم میں شامل نظر آتے ہیں۔

پرانی یاد نئی زندگی کے ساتھ چلتی ہے، تہ در تہ یاد انسان کے اندر ہمیشہ محفوظ رہتی ہے، یاد سے نجات کی کوشش دلدل سے نجات کی کوشش کی طرح رائیگاں ہو جاتی ہے۔

آنسہ ممتاز، رحیم یار خان

سنہری باتیں

☆ محبت اتنی خاموشی سے کرو کہ تمہاری کامیابی شور مچا دے۔

☆ ایک میٹھا بول اور غلطی معاف کرنا اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دکھ ہو۔

☆ ایسی توجہ کے طالب مت بنیئے جس کے آپ حقدار نہیں۔

☆ کفائت سے خوشی ملتی ہے اور کوشش سے

کامیابی ملتی ہے۔
☆ خوش کلامی صراط مستقیم کی طرف لے جاتی ہے۔
☆ بے کار ہے وہ انسان جس میں انسانیت نہ ہو۔

مسز قیصر اقبال، لاہور

روشن حرف وہ سارے

☆ زندگی کے مختلف پہلوؤں کو پرکھنا اور لوگوں پر اعتبار کرنا محض اس لئے نہ چھوڑ دیں کہ ان میں سے کچھ نے آپ کو مایوس کیا ہے، کوئی نہ کوئی شخص اور کوئی نہ کوئی پہلو آپ کا ضرور ہے۔
☆ جب آپ پہلا قدم اٹھا لیتے ہیں، تہیہ کر لیتے ہیں تو پھر واپسی نہیں ہوتی، گھڑا چاہے کچا ہو پھر بھی پار پہنچا دیتا ہے۔
☆ ادب بہترین کمال اور خیرات افضل ترین عبادت ہے۔
☆ احساس کمتری اور احساس برتری میں مبتلا انسان کبھی بھی کامیاب نہیں ہوتا۔
☆ ذرا نا موافق حالات کی سوئی چبھی، شکل ہی نہیں حالت اور حالات تک بدل دیتی ہے۔

فریال امین، ٹوبہ ٹیک سنگھ

طرز تخاطب

ایک تاجر نے بہلول کو دیکھا، تو کہنے لگا۔
''یا شیخ میں کون سا مال خریدوں کہ مجھے فائدہ ہو؟''
بہلول نے جواب دیا۔
''روئی اور لوہا خرید لو۔''
تاجر نے ایسا ہی کیا، کچھ عرصے میں اس کی قیمت کئی گناہ بڑھ گئی اور تاجر کو بہت زیادہ فائدہ ہوا، کافی عرصہ گزر جانے کے بعد تاجر نے ایک بار پھر بہلول کو دیکھا تو کہنے لگا۔
''اے پاگل بہلول، اس سال میں کون سا مال خریدوں جو مجھے فائدہ ہو؟''
''اس سال پیاز اور تربوز خرید لو۔'' تاجر نے اس بار بھی بہلول کے کہنے پر عمل کیا اور پیاز و تربوز کا اسٹاک کر لیا، لیکن کچھ ہی دن میں پیاز اور تربوز دونوں سڑ گئے اور اس مرتبہ تاجر کو بہت زیادہ نقصان ہوا، تاجر نے بہلول کے پاس جا کر اس غلط مشورے کی وجہ دریافت کی، بہلول کہنے لگا۔
''اے تاجر تم نے پہلی بار مجھے یا شیخ کہہ کر پکارا تھا، اس لئے میں نے عقل و منطق کے ساتھ تمہیں مشورہ دیا، لیکن تم دوسری بار مجھے پاگل کہہ کر مخاطب کیا، اس لئے میں نے تمہیں اپنے پاگل پن میں مشورہ دیا، پس تم اپنے نقصان کے ذمہ داری مجھ پر نہیں ڈال سکتے، کیونکہ کوزے میں وہ ہی نکالا جاتا ہے جو اس میں ڈالا گیا ہو۔''

نعیم امین، کراچی

منافقت

اگرچہ اہل وفا ہیں خلوص کے بھوکے
مگر خلوص نہیں شرط دوستی کے لئے
یہ نکتہ ہم کو سکھایا ہے عہد حاضر نے
منافقت بھی ضروری ہے آدمی کے لئے

ہما رائے، کراچی

یاد

سکوت شام جب خاموش کر جائے زمانے کو
ستارے آئیں جس دم نور کی چادر بچھانے کو
نسیم صبح جب چلتی ہو دنیا کے سلانے کو
یہ الفاظ دگر جب نیند آ جائے زمانے کو
تو تم یہ جان لینا کہ کوئی تم کو یاد کرتا ہے

نازیہ کمال، حیدر آباد

غیر ملکی کہاوتیں

☆ عمدہ دوا اکثر کڑوی ہوتی ہے۔ (جاپانی کہاوت)

☆ جہاں صدق و خلوص نظر آئے وہاں دوستی کا ہاتھ بڑھاؤ، ورنہ تنہائی ہی تمہاری بہترین رفیق ہے۔ (ایرانی کہاوت)

☆ کپڑے کاٹنے سے پہلے سات بار ناپ لو کیونکہ اسے کاٹنے کا ایک ہی موقع ملتا ہے۔ (چینی کہاوت)

☆ بغیر دیکھے کوئی چیز منہ میں نہ ڈالو اور بغیر پڑھے کسی کاغذ پر دستخط نہ کرو۔ (اسپینی کہاوت)

☆ گھر میں حقیقی معنوں میں صرف ایک نوکر کام کرتا ہے، وہ ہے گھر کا مالک۔ (جرمنی کہاوت)

☆ جو بات عقل چھپاتی ہے، نشہ اسے ظاہر کر دیتا ہے۔ (لاطینی کہاوت)

☆ زبان عمر کو چھوٹا کرتی ہے، جبکہ زبان سر کی نگہبان بھی ہے۔ (ایرانی کہاوت)

☆ بزدل مریض کو کوئی ڈاکٹر اچھا نہیں کر سکتا۔ (افغانی کہاوت)

☆ دولت جب بولتی ہے تو سچائی بھی بعض دفعہ خاموش ہو جاتی ہے۔ (مصری کہاوت)

☆ نیند آدھی غذا کا کام کرتی ہے۔ (سوڈانی کہاوت)

☆ پیٹ کے ساتھ بحث کرنا فضول ہے کیونکہ اس کے کان نہیں ہوتے۔ (اردنی کہاوت)

نبیہ آصف، قصور

گوہر آبدار

☆ کہانی میں نام اور تاریخ کے سوا سب کچھ سچ ہوتا ہے اور تاریخ میں نام اور تاریخ کے سوا کچھ بھی سچ نہیں ہوتا۔

☆ سانس کا سفر ختم ہو جاتا ہے، لیکن آس کا سفر باقی رہتا ہے، یہ ہی تو وہ سفر ہے جو انسان کو متحرک رکھتا ہے اور متحرک ہونا زندگی کی علامت ہے، یہ علامت رگوں میں خون کی طرح دوڑتی رہے تو انسان مایوس نہیں ہوتا، چاہے سانس کا سفر ختم ہی کیوں نہ ہو جائے۔

☆ گزرا ہوا واقعہ گزرتا ہی تو نہیں ہے بلکہ وہ یاد بن کر بار بار گزرتا ہے۔

☆ محبت اور بارش ایک جیسی ہوتی ہے، دونوں ہی یادگار ہوتی ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ بارش ساتھ رہ کر جسم بھگواتی ہے اور محبت دور رہ کر آنکھیں بھگو دیتی ہے۔

☆ کبھی کبھی خلوص، خون سے بھی آگے نکل جاتا ہے۔

مریم رباب، خانیوال

اللہ اور بندے کا ساتھ

حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ۔

''میں اپنے بندے کے گمان کے ساتھ ہوتا ہوں، پس اگر وہ مجھے اپنے دل میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اسے اپنے دل میں یاد کرتا ہوں اور اگر وہ مجمع میں میرا ذکر کرتا ہے تو میں مجمع (یعنی فرشتوں میں) میں اس کا ذکر کرتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک بالشت بڑھتا ہے تو میں ایک ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف ایک ہاتھ بڑھتا ہے تو میں دو ہاتھ اس کی طرف متوجہ ہوتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آتا ہے تو میں اس کی طرف دوڑ کر آتا ہوں۔

☆☆☆

صائمہ محمود

سعدیہ جبار: کی ڈائری سے ایک نظم

زندگی سے ڈرتے ہو
زندگی تو تم بھی ہو
زندگی تو ہم بھی ہیں
آدمی سے ڈرتے ہو
آدمی تو تم بھی ہو
آدمی تو ہم بھی ہیں
آدمی زباں بھی ہے
آدمی بیاں بھی ہے
اس سے تم نہیں ڈرتے
حرف اور معنی کے رشتہ ہائے
آہنگ سے آدمی سے وابستہ
آدمی کے دامن سے آدمی ہے وابستہ
ان سے تم نہیں ڈرتے
ان کہی سے ڈرتے ہو
جو ابھی نہیں آئی
اس گھڑی سے ڈرتے ہو
اس گھڑی کی آمد کی آگہی سے ڈرتے ہو
تم مگر یہ کیا جانو
لب اگر نہیں ہلتے، ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
ہاتھ جاگ اٹھتے ہیں
روح کی زباں بن کر
راہ کا نشاں بن کر
روشنی سے ڈرتے ہو
روشنی تو تم بھی ہو
روشنی تو ہم بھی ہیں
شہر کی فصیلوں پر دیو کا جو سایہ تھا
پاک ہو گیا آخر خاک ہو گیا آخر
رات کا لبادہ بھی چاک ہو گیا آخر
اژدہام انساں سے فرد کی نوا آئی
ذات کی صدا آئی
راہ شوق سے جیسے راہ رو کا خوں لپکے
اک نیا جنوں لپکے
آدمی چھلک اٹھے
آدمی ہنسے دیکھو
شہر بھی بسے دیکھو
تم ابھی سے ڈرتے ہو
ہاں ابھی تو تم بھی ہو
ہاں ابھی تو ہم بھی ہیں
تم ابھی سے ڈرتے ہو۔

آنسہ ممتاز: کی ڈائری سے خوبصورت غزل

ہمارا یہ تم کو سلام آخری ہے
سنو! آج تم سے کلام آخری ہے
اگر ہو سکے تو بھلا دینا ہم کو
یہی ایک چھوٹا سا کام آخری ہے
ابھی آرزوؤں کے صحرا ہیں پیاسے
مگر آنسوؤں کا یہ جام آخری ہے
مریض محبت کی اے چارہ سازو
تمہارے نگر میں یہ شام آخری ہے
ذرا دیر ٹھہرو قضا کے فرشتو!
لبوں پہ ہمارے پیام آخری ہے
کوئی مل سکے گا نہ امجد کے جیسا
ترے حسن کا یہ غلام آخری ہے

فرح عامر: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

ہم خوابوں کے بیوپاری تھے پر
اس میں ہوا نقصان بڑا
کچھ بخت میں ڈھیروں کالک تھی
کچھ اب کے غضب کا کال پڑا
کچھ راکھ لئے جھولی میں
اور سر پہ ساہوکار کھڑا!
جب دھرتی صحرا صحرا تھی
ہم دریا دریا روئے تھے
جب ہاتھ کی ریکھائیں چپ تھیں
اور سر سنگیت میں کھوئے تھے
تب ہم نے جیون کھیتی میں
کچھ خواب انوکھے بوئے تھے
کچھ خواب سجل مسکانوں کے
کچھ بول بہت دیوانوں کے
کچھ الفاظ جنہیں معانی نہ ملے
کچھ گیت شکستہ جانوں کے
کچھ پر پاگل پروانوں کے

فائزہ قاسم: کی ڈائری سے ایک غزل

پھر وہی میں ہوں وہی درد کا صحرا یارو
تم بے بچھڑا ہوں تو دکھ پائے ہیں کیا کیا یارو
پیاس اتنی ہے کہ آنکھوں میں بیاباں چمکیں
دھوپ ایسی ہے کہ جیسے کوئی دریا یارو
یاد کرتی ہیں تمہیں آبلہ پائی کی رتیں
کس بیاباں میں ہو میرے تنہا یارو
تم تو نزدیک رگ جاں سے تھے تمہیں کیا کہنا
میں نے دشمن کو بھی دشمن نہیں سمجھا یارو
آسماں گرد میں گم ہے کہ گھٹا چھائی ہے
کچھ بتاؤ کہ میرا شہر ہے پیاسا یارو
کیا کہوں کہ وہ گل ہے کہ شبنم غزل ہے کہ غزال
تم نے دیکھا ہی نہیں اس کا سراپا یارو
اس کے ہونٹوں کے تبسم میں تھی خوشبو غم کی
ہم نے محسن کو بہت دیر میں سمجھا یارو

فریال امین: کی ڈائری سے خوبصورت نظم

''دعا''

تم مجھے بہت عزیز ہو
سوچتا ہوں خدا سے
تمہارے لئے کیا مانگوں
دولت وشہرت علم واقبال مندی
خوشی وکامرانی
شادنامی محبت یا شادی عشق
سکون جاں یا بے تابی روح
کون سی دعا مانگوں، اچھا سنو!
میں تمہارے لئے
سب سے اچھی دعا مانگتا ہوں
کہ عجب نہیں میرا خدا تمہیں بھی
قلب مطمئن عطا کردے

نعیم امین: کی ڈائری سے ایک نظم

اک دن
تم نے مجھ سے کہا تھا
دھوپ کڑی ہے
اپنا سایا ساتھ ہی رکھنا
وقت کے ترکش میں جو تیر تھے کھل کر برسے ہیں
زرد ہوا کے پتھر یلے جھونکوں سے
جسم کا پنچھی گھائل ہے
دھوپ کا جنگل، پیاس کا دریا
ایسے میں آنسو کی اک اک بوند کا
انساں ترسے ہیں
تم نے مجھ سے کہا تھا
سے کی پہچان بھی رکھنا
میرے دل میں جھانک کے دیکھو
دیکھو ساتوں رنگ کا پھول کھلا ہے
وہ لمحہ جو میرا تھا وہ میرا ہے
وہ وقت کے پیکاں بے شک تن پر آن لگے
دیکھو اس لمحے سے کتنا گہرا رشتہ ہے

خوشبو بند دریچے کھول رہی ہے
چاندنی راتوں سا موسم بھی
کلیاں بھی ہیں، شبنم بھی
یہ سب میرے آئینے ہیں
اور ہر آئینے میں تم ہو

ثناء حیدر: کی ڈائری سے ایک غزل

تمہاری یاد کے جب زخم بھرنے لگتے ہیں
کسی بہانے سے تمہیں یاد کرنے لگتے ہیں
حدیث یار کے عنوان نکھرنے لگتے ہیں
تو ہر حریم میں گیسو سنونے لگتے ہیں
ہر اجنبی ہمیں محرم دکھائی دیتا ہے
جواب بھی تیری گلی سے گزرنے لگتے ہیں
صبا سے کرتے ہیں غربت نصیب ذکر وطن
تو چشم صبح میں آنسو ابھرنے لگتے ہیں
وہ جب بھی کرتے ہیں اس نطق ولب کی بخیہ گیری
فضا میں اور بھی نغمے بکھرنے لگتے ہیں
در قفس پہ اندھیرے کی مہر لگتی ہے
تو فیض دل میں ستارے اترنے لگتے ہیں

درثمن: کی ڈائری سے ایک نظم

''اے عشق ہمیں برباد نہ کر''
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
ہم بھولے ہوؤں کو یاد نہ کر
پہلے ہی بہت ناشاد ہیں ہم
تو اور ہمیں ناشاد نہ کر
قسمت کا ستم ہی کم تو نہیں
یہ تازہ ستم ایجاد نہ کر
یوں ظلم نہ کر بے داد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
جس دن سے ملے ہیں دونوں کا
سب چین گیا آرام گیا
چہروں سے بہار صبح گئی آنکھوں سے فروغ شام گیا
ہاتھوں سے خوشی کا جام چھٹا
ہونٹوں سے ہنسی کا نام گیا
غمگین نہ بنا ناشاد نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر
وہ راز ہے یہ غم
آہ جسے پا جائے کوئی تو خیر نہیں
آنکھوں سے جب آنسو بہتے ہیں
آ جائے کوئی تو خیر نہیں
ظالم ہے یہ دنیا دل کو یہاں
بھا جائے کوئی تو خیر نہیں
ہے ظلم مگر فریاد نہ کر
اے عشق ہمیں نہ کر
اے عشق ہمیں برباد نہ کر

آسیہ وحید: کی ڈائری سے ایک غزل

تم پوچھو اور میں نہ بتاؤں ایسے تو حالات نہیں
ایک ذرا سا دل ٹوٹا ہے اور تو کوئی بات نہیں
کسی کو خبر تھی سانولے بادل بن برسے اڑ جائیں گے
ساون آیا لیکن اپنی قسمت میں برسات نہیں
ٹوٹ گیا جب دل تو پھر یہ سانس کا نغمہ کیا معنی
گونج رہی ہے کیوں شہنائی جب کوئی بارات نہیں
غم کے اندھیرے میں تجھ کو اپنا ساتھی کیوں سمجھوں
تو پھر تو ہے میرا تو سایہ بھی میرے ساتھ نہیں
مانا جیون میں عورت اک بار محبت کرتی ہے
لیکن مجھ کو یہ تو بتا دے کیا تو عورت ذات نہیں
ختم ہوا میرا افسانہ اب یہ آنسو پونچھ بھی لو
جس میں کوئی تارا چمکے آج کی رات وہ رات نہیں
میرے غمگین ہوتے پر احباب ہیں یوں حیران قتیل
جیسے میں پتھر ہوں میرے سینے میں جذبات نہیں

☆☆☆

سعدیہ جبار ---- ملتان

س: ع غ جی کیا کر رہے ہیں؟
ج: تم کیا کر رہی ہو۔
س: لو یہ کیا بات ہوئی الٹا ہم سے سوال؟
ج: چلو بتا ہی دیتے ہیں کیا یاد کرو گی۔
س: اب بتا بھی دیں؟
ج: مجھے بے صبرے لوگ پسند نہیں ہیں صبر سے کام لو۔
س: آپ عیدالاضحیٰ پر کیا پسند کرتے ہیں؟
ج: سب کچھ پسند ہے آپ مرضی جو بھیج دیں۔
س: ہم تو حلوہ پوریاں بنائیں گے کیسے بھیجوں مشکل ہو جائے گی۔
ج: ویسے ہی تمہاری نیت نہیں ہے بہانے نہ بناؤ۔
س: ارے نہیں ایسی کوئی بات نہیں؟
ج: میں خود آ جاؤں کھا بھی لوں گا اور مل بھی لوں گا۔

فرح عامر ---- جہلم

س: ہوں دیکھیں ع غ جی آپ تو حد سے بڑھ گئے، آپ کو انگلی پکڑائی آپ ہاتھ پکڑنے لگے۔
ج: توبہ توبہ ہوش کے ناخن لو میں بھلا تمہارا ہاتھ کیوں پکڑنے لگا میرے لئے کوئی کمی ہے۔
س: دل میں بسنے والوں سے ماہانہ کرایہ وصول کرنا ہو تو کیا کرنا چاہیے؟
ج: اسے دل کے ساتھ اپنی آنکھوں میں بھی بسا لیں۔

س: آپ کو پتہ ہے کہ آپ کے الٹے پلٹے جوابات پڑھ کر اب حنا کے قارئین کیا سوچنے پر مجبور ہو گئے ہیں؟
ج: کیا غضب کے جواب دیتا ہے یہ بندہ۔
س: چلیں آج جلدی سے اپنی فیورٹ ڈش اور مشروب کا نام بتا دیں؟
ج: پی جی ایام کی تلخی کو ہنس کے ناصر۔
س: آپس کی بات ہے، آپ وہی عین غین ہیں ناں جو تین سال پہلے......؟
ج: ہاں ہاں وہی ہوں جس نے تمہیں قرض خواہوں سے بچایا تھا۔
س: میرا دل آج کل بے حد اداس ہے، اگر میرے سوالوں کے سیدھے منہ جواب نہ دیئے تو میں......؟ آگے آپ خود سمجھدار ہیں؟
ج: پہلے یہ بتاؤ دل اداس کیوں ہے اور وہ بھی آج کل۔

رضوان علی ---- رحیم یار خان

س: وقت طوفان کب اٹھاتا ہے؟
ج: جب تم کسی گرلز کالج کے باہر کھڑے ہو اور ''گرل'' کا بھائی آ جائے۔
س: کیا وقت کے ساتھ چلنا ضروری ہے؟
ج: بہت ضروری ہے ورنہ۔
س: سکون کی تلاش؟
ج: اپنے اندر تلاش کرو۔
س: کیا دنیا میں صرف غم ہی غم ہیں؟
ج: کون کہتا ہے۔

س: زندگی میں سکون کب ملتا ہے؟
ج: جب بیوی میکے ہو۔
س: آپ اتنی زیادہ ذہین کیوں ہیں؟
ج: یہی بات کل امان اللہ سے بھی کہہ رہے تھے۔

فائزہ قاسم ---- سکھر

س: اب کیا ہوگا؟
ج: وہی جو ہم چاہتے ہیں۔
س: جدائی کی رات بہت طویل اور کربناک کیوں ہوتی ہے؟
ج: اکیلے میں ڈر جو لگتا ہے۔
س: وفا کی راہ میں آج میں اکیلی ہوں؟
ج: نئیں سی لانی بے قدراں نال یاری۔
س: کیا گئے ہوئے لمحات واپس آسکتے ہیں؟
ج: گیا وقت پھر کب ہاتھ آتا ہے۔
س: کبھی کبھی دل چاہتا ہے کہ ہمارے آس پاس کوئی نہ ہو؟
ج: تاکہ گزری ہوئی باتوں پر کبھی خوش کبھی رنجیدہ ہوسکیں۔
س: کچھ لوگ روٹھ کر بھی لگتے ہیں کتنے پیارے؟
ج: دل آنے کے ڈھنگ ہیں۔

فریال امین ---- ٹوبہ ٹیک سنگھ

س: آپ کو پھول اچھے لگتے ہیں یا کلیاں؟
ج: کلیاں کیوں کہ انہیں ابھی کھلنا ہوتا ہے۔
س: آپ کو بھینس کے آگے بین بجانا کیسا لگتا ہے؟
ج: مجھے تو چین کی صرف بنسری بجانی آتی ہے۔
س: سلجھی ہوئی حسینوں اور الجھی ہوئی حسینوں میں کیا فرق ہے؟
ج: جو ایک سمجھدار انسان اور ایک ناسمجھ انسان میں ہے۔
س: انسان جیتے جی کب مرتا ہے؟
ج: جب اس کی عقل کام نہ کرے۔
س: عورت زندگی میں سب سے زیادہ کس بات کی تمنا کرتی ہے؟
ج: نئے ماڈل کی کار، وسیع وعریض بنگلہ اور دولت مند شوہر۔
س: اگر میں تمہاری بند آنکھوں پر دونوں ہاتھ رکھ کر پوچھوں کہ بوجھو تو؟
ج: بوجھ لیں گے۔

نعیم امین ---- کراچی

س: ہم تمہیں ڈھونڈ رہے ہیں کئی دنوں سے؟
ج: اندھے کو اندھیرے میں بڑی دور کی سوجھی۔
س: ایک ڈال پر طوطا بیٹھا، ایک ڈال پر مینا غ جی کیا کہنا؟
ج: دونوں کو صحیح جگہوں پر رہنا چاہیے۔
س: اگر خواب صرف خواب ہی رہیں تو؟
ج: خواب تو خواب ہی ہوتے ہیں۔
س: کنوارے شادی کرنا چاہتے ہیں اور شادی شدہ اپنی جان کو روتے ہیں؟
ج: شادی بور کے لڈو ہیں جس نے کھائے وہ بھی پچھتائے جس نے نہیں کھائے وہ بھی پچھتائے۔
س: عورت اپنی عمر اور مرد اپنی آمدنی کیوں چھپاتے ہیں؟
ج: یہی چیز تو فساد کی جڑ ہے۔
س: لوگ کہتے ہیں عشق خلل ہے دماغ کا؟
ج: تبھی تو عاشقوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔

نازیہ کمال ---- حیدر آباد

س: یہ زندگی تیرے بغیر کیسے کٹ گئی؟
ج: جیسے اب تک کٹی ہے۔

☆☆☆

ثبوت

تیز رفتاری کے جرم میں نثار صاحب کا چالان ہوا اور انہیں مجسٹریٹ صاحب کے سامنے پیش کیا گیا، انہوں نے صحت جرم سے انکار کرتے ہوئے کہا۔

''جناب عالی! میں تو صرف بیس میل فی گھنٹہ کی رفتار سے جا رہا تھا۔''

''کیا ثبوت ہے اس بات کا؟'' مجسٹریٹ نے دریافت کیا؟

''جناب والا! ثبوت کے طور پر صرف اتنا جان لینا کافی ہے کہ میں اس وقت اپنے سسرال جا رہا تھا۔''

اُم خدیجہ، شاہدرہ لاہور

غلط فہمی

ایک حسین و جمیل عورت اپنے ڈاکٹر کے پاس گئی، اس کی ایک آنکھ سوجی ہوئی تھی اور سر بھی بڑا سا گومڑا تھا، ڈاکٹر نے مرہم پٹی کے دوران چوٹوں کا سبب معلوم کیا تو خاتون نے جواب دیا۔

''یہ میرے شوہر کی عنایت ہے۔''

ڈاکٹر نے کہا۔

''مگر میں نے تو سنا تھا کہ آپ کے شوہر تو شہر سے باہر گئے ہوئے ہیں؟''

خاتون نے آہ بھر کر جواب دیا۔

''جی، میں بھی اسی غلط فہمی کا شکار تھی۔''

ثمینہ رفیق، کورنگی کراچی

مسٹر کافی

اک یار سے میں نے کہا دو لفظ ہی لکھ دو
چلتی ہے سفارش یہاں اور تم ہو صحافی
کہنے لگے کافی کی پیالی کو اٹھا کر
بس نام بتا دینا مرا نام ہے کافی

ثناء حیدر، سرگودھا

جوتے

اس بات پہ ہم کو تو تعجب نہیں مطلق
کھائے ہیں جو بغداد میں مردود نے جوتے
تاریخ کے صفحات پہ دیتے ہی گواہی
کھائے ہیں ہر اک دور میں نمرود نے جوتے

رمشہ ظفر، بہاول پور

دیکھ بھال

بھنوا کے پہلے کھائیں کلیجی کی بوٹیاں
معشوق نے ڈکار لی پھر دیکھ بھال کے
اس میں قصور عاشق مرحوم کا بھی تھا
کاغذ پہ رکھ دیا تھا کلیجہ نکال کے

درخمن، میاں چنوں

اعتراف گناہ

تین خواتین گپ شپ کر رہی تھیں کہ سنجیدہ موضوعات بھی زیر بحث آ گئے، ایک خاتون بولیں۔

''آج کل زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، موت بالکل اچانک بھی آ سکتی ہے، ہمیں کم از کم ایک دوسرے کے سامنے اپنی سب سے بڑی برائی یا گناہ کا اعتراف کر لینا چاہیے، ابتدا میں ہی کرتی

ہوں، میرا سب سے بڑا گناہ یہ ہے کہ میں نے جو رفاہی تنظیم بنائی ہے، اس کے تمام فنڈز خود برد کر چکی ہوں۔''

دوسری خاتون نے جھجکتے ہوئے اعتراف کیا۔

''میرا گناہ یہ ہے کہ میں پچھلے چھ سال سے اپنے شوہر سے بے وفائی کر رہی ہوں۔'' تیسری خاتون بولیں۔

''مجھ میں سب سے بڑی برائی یہ ہے کہ مجھے جس کا بھی راز معلوم ہو جاتا ہے، وہ میں ادھر اُدھر ضرور بتاتی پھرتی ہوں، اچھا، اب میں چلتی ہوں۔''

عاصمہ سرور، وہاڑی

خصوصی پرواز

بیس گھنٹے کے سفر پر روانہ ہونے والی مسافر پرواز کی ائیر ہوسٹس نے بھرپور انداز میں سب مسافروں کو خوش آمدید کہا اور شیریں لہجے میں گویا ہوئی۔

''میں اپنے ارادے کی طرف سے تمام مسافروں کا شکریہ ادا کرتی ہوں کہ آپ نے پرسکون اور محفوظ سفر کے لئے ہماری کمپنی کا انتخاب کیا، آپ کو بتاتے چلیں کہ ایک چھوٹی اور غیر معمولی خبر یہ ہے کہ ٹی بیگز اور ملک پاؤڈر ختم ہونے کی وجہ سے چائے یا کافی دستیاب نہیں ہو گی۔'' یہ سنتے ہی مسافر سرد آہیں بھرنے لگے۔

ائیر ہوسٹس دوبارہ قاتل مسکراہٹ کے ساتھ بولی۔

''ایک اور خبر یہ ہے کہ لنچ اور ڈنر کا انتظام نہ کرنے کے سلسلے میں ہماری خدمت قبول فرمائیں، اگر ہم مطلوبہ سامان خریدنے جاتے تو ممکن تھا کہ ہماری پرواز لیٹ ہو جاتی ،للہذا ہم نے آپ کے قیمتی وقت کو اہمیت دی، انسان گھر میں بھی جا کر کھا پی سکتا ہے۔'' یہ سنتے ہی وہ مسافر جن کا بھوک سے برا حال تھا، انتہائی غصے میں بولے۔

''ارے اس جہاز میں کیا پینے کا پانی بھی نہیں ہے؟''

ائیر ہوسٹس ایک کا فراداکے ساتھ مسکرا کر بولی۔

''اس بارے میں آپ کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے، ہمارے پاس ایک ڈیڑھ لیٹر منرل واٹر موجود ہے۔''

یہ سنتے ہی مسافروں نے غصے کے عالم میں کہا۔

''اسے گلاس میں ڈالو اور شرم سے ڈوب مرو۔'' یہ سن کر ائیر ہوسٹس کا چہرہ چمک اٹھا، اس نے گردن جھکائی اور پیار بھرے لہجے میں کہا۔

''آپ لوگ کتنے اچھے ہیں، آپ کے تعاون کا بہت بہت شکریہ، اگر آپ پینے کے لئے پانی مانگ لیتے تو ہمیں کتنی پرابلم ہوتی۔''

آسیہ وحید، لاہور

انتباہ

ایک شخص کی سائیکل چوری ہوگئی، وہ چوک میں آکر اعلان کرنے لگا۔

''اگر میری سائیکل نہ ملی، تو میں وہ ہی کروں گا جو میرے باپ نے کیا تھا۔'' چور بوکھلا گیا اور سائیکل چھوڑ کر فرار ہو گیا، سائیکل ملنے کے بعد لوگوں نے اس شخص سے پوچھا۔

''تمہارے باپ نے کیا کیا تھا؟'' وہ شخص بولا۔

''میرے باپ نے نئی سائیکل خرید لی تھی۔''

رابعہ ارشد، فیصل آباد

پھکی اور بٹ صاحب

بٹ صاحب شادی پہ گئے، کھانا زیادہ کھا لیا، حالت بری ہو گئی، باہر سڑک پر لیٹ گئے، یار دوستوں نے کہا۔

''آئیں صاحب آپ کو گھر چھوڑ آئیں۔''

بٹ صاحب کراہتے ہوئے۔

''مجھ سے چلا نہیں جاتا۔'' یار اصرار کرنے لگا۔

''نہیں بٹ صاحب چلیے آپ کو پھکی کھلاتے ہیں، آپ کی طبیعت سنبھل جائے گی۔''

بٹ صاحب کراہتے ہوئے۔

''اگر پھکی کی گنجائش ہوتی تو دو بوٹیاں اور نہ کھالیتا۔''

جویریہ ناصر، گلبرگ لاہور

تجربہ کار

تعلیم بالغاں کے دوران استاد نے سوال کیا۔

''پرسکون اور آرام دہ زندگی گزارنے کے لئے شوہر کے پاس کس چیز کا ہونا ضروری ہے۔''

''بہرا پن۔'' ایک پچاس سالہ شخص نے تلخ لہجے میں جواب دیا۔

مسرت مصباح، لاڑکانہ

غم

سردار شراب پیتے ہوئے بیوی سے۔

''تم کون ہو؟''

بیوی بولی۔

''پاگل ہو گئے ہو کیا، اپنی بیوی کو نہیں پہچانتے۔''

سردار بولا۔

''نشہ ہر غم بھلا دیتا ہے باجی۔''

ام ایمن، گوجرانوالہ

ہر جگہ

مکینک کے انٹرویو ہو رہے تھے، ایک سردار جی جب آئے تو ان سے پوچھا گیا۔

''پہلے یہ بتائیں کہ بجلی کی موٹر کیسے چلتی ہے۔'' سردار جی نے مسکرا کر کہا۔

''بہت آسان سوال ہے بجلی کی موٹر تو ہر جگہ ایسے ہی چلتی ہے گڑ......گڑ۔''

عابدہ سعید، گجرات

خوبی

ایک بڑے مجمع میں ایک کار کی نیلامی ہو رہی تھی بیس لاکھ، پچیس لاکھ، تیس لاکھ، مجمع میں ایک شخص کھڑا بڑی حیرت سے کار کی حالت زار پر غور کر رہا تھا، مگر اسے کار میں کوئی بھی شے بہتر نظر نہ آئی، اس سے رہا نہ گیا تو قریب کھڑے بولی لگانے والے شخص کا ہاتھ دباتے ہوئے پوچھا۔

''ارے بھائی اس کھٹارا کار میں ایسی کون سی خوبی ہے جس کی بنا پر تم اس کے اتنے دام لگا رہے ہو؟''

ایک شخص نے پلٹ کر غور سے اس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''جناب اس کار کے اب تک آٹھ حادثے ہو چکے ہیں اور حیرت کی بات ہے کہ ہر حادثہ میں صرف ایک صرف خاتون خانہ کا ہی انتقال ہوا ہے۔

☆☆☆

نازیہ کمال ---- حیدرآباد
یہ ضد ہے ہماری کہ ایسے چھین لیں سب سے
ہم اور زمانے سے تقاضا نہیں کرتے
گوشہ تنہائی میں رو لیتے ہیں اکثر
ہم شہر کی گلیوں میں تماشا نہیں کرتے

....

ہم نے اپنی اداسی کا اس طرح بھرم رکھا
رابطے کم کر دیے مغرور کہلانے لگے

....

محور سوچ دونوں کا ایک ہی ہے
مجھے اس سے اور اسے خود سے فرصت نہیں ملتی
ہمارائے ---- کراچی
ڈھلنے لگی تھی رات کو تم یاد آ گئے
پھر اس کے بعد رات بہت دیر تک رہی

....

بہت امید رکھنا اور پھر بے آس ہونا بھی
بشر کو مار دیتا ہے بہت احساس ہونا بھی

....

عشق ہے اپنے اصولوں پہ ازل سے قائم
امتحاں جس کا بھی لیتا ہے رعایت نہیں کرتا
مریم رباب ---- خانیوال
محبت کے سفر میں دل جلا کر چین ملتا ہے
تمہارے درد کی محفل سجا کر چین ملتا ہے
کبھی احساس ہوتا ہے بہاروں کے اجڑنے کا
کبھی سوکھے ہوئے پتے اٹھا کر چین ملتا ہے

....

تیر کھائے ہیں ہم نے اپنوں سے
یہ کرم خیر خواہ کرتے رہے
اپنا سمجھا تھا ہم نے جن کو قدیر
وہ ستم بے پناہ کرتے رہے

....

تجھ سا کوئی آیا ہے نہ آئے گا جہاں میں
دیتا ہے گواہی یہی عالم کا جریرہ
نبیہ آصف ---- قصور
یوں ذہن میں جمال رسالت سما گیا
میرا جہان فکر و نظر سا گیا
اس کے قدم سے پھوٹ پڑا چشمہ بہار
وہ دشت زندگی کو گلستان بنا گیا

....

میں کرب کے تپتے صحرا میں کھڑا ہوں
آقا تیری رحمت کو دیکھ رہا ہوں
گو مجھ کو عقیدت کا سلیقہ تو نہیں ہے
اتنا ہی کافی ہے تیرے در پہ کھڑا ہوں

....

یہ آسمان محبت پہ کیسی رونق ہے
چمکتا عشق محمدؐ میں ہر ستارا ہے
اُم خدیجہ ---- شاہدرہ لاہور
کون اجڑا ہوگا بھری دنیا میں ہماری طرح محسن
وہ بھی نہ ملا ہم کو اور ہم خود کو بھی گنوا بیٹھے

....

تیرے قریب رہ کر تجھے تلاش کروں
محبتوں میں میری بد حواسیاں نہ گئیں

....

ہیں دفن مجھ میں میری کتنی رونقیں مت پوچھو

اجڑ اجڑ کر جو بستا رہا وہ شہر ہوں میں
ثمینہ رفیق ---- کورنگی کراچی
مغرور ہی سہی مجھے وہ اچھا بہت لگا
وہ اجنبی تو تھا مگر اپنا بہت لگا
روٹھا ہوا تھا ہنس تو پڑا مجھے دیکھ کر
مجھ کو اس قدر بھی دلاسا بہت لگا

....

باقی ہیں تیری یاد کے کچھ نقش ابھی تک
دل بے سرو سامان سہی ویران تو نہیں

....

نہ وہ آنکھ ہی تیری آنکھ تھی نہ وہ خواب ہی تیرا خواب تھا
دل منتظر تو پھر کس لئے تیرا جاگنا اسے بھول جا
وبساط جاں ہی الٹ گیا وہ جو راستے سے پلٹ گیا
اسے پکارنے سے حصول کیا اسے مت بلا اسے بھول جاتا
ثناء حیدر ---- سرگودھا
نہیں نگاہ میں منزل تو جستجو ہی سہی
نہیں وصال میسر تو آروز ہی سہی
نہ تن ہیں خون فراہم نہ اشک آنکھوں میں
نماز شوق تو واجب ہے بے وضو ہی سہی

....

سوچا کیسے کہ ٹوٹ نہ جائے کسی کا دل
گزری ہے اپنی عمر اسی دیکھ بھال میں
خالد وہ بات تو اسے یاد بھی نہیں
ہم جی کو خوں کر گئے جس کے ملال میں

....

عمر بھر کی ہیں مسافتیں یہ دوریاں یہ فاصلے
تم چاہو تو کچھ عجب نہیں یہ پل ہیں سر ہو جائیں
میں کاٹ سکوں گا تنہا نہ تم کاٹ سکو گے
یہ زیست کے کٹھن راستے ہمسفر ہو جائیں
رمشہ ظفر ---- بہاولپور
جاگا نہیں گیا کبھی سویا نہیں گیا
ہم سے حساب ہجر میں نہیں رکھا گیا

اک عمر جن پہ جاں کو نچھاور کیے رہے
ان سے ہمارا حال بھی پوچھا نہیں گیا

....

تمہاری یادیں کسی مفلس کی پونجی جیسی
جسے ہم ساتھ رکھتے ہیں جسے ہم روز گنتے ہیں

....

تمنا دید کی موسیٰ کرے اور طور جل جائے
عجب دستور الفت ہے کرے کوئی بھرے کوئی
درخشن ---- میاں چنوں
سوچتا ہوں کبھی تیرے دل میں اتر کر دیکھ لوں
کون بسا ہے تیرے دل میں جو مجھے بسنے نہیں دیتا

....

دین دھرم سب پاپ ہوئے غربت تقویٰ چھین گئی
رات گئے کل شہر سے باہر رہبر رستہ بیچ رہا تھا
تعلیم کا زیور پہن کر بھی بہنیں میری کنواری ہیں
یہ کہہ کر کل اک مفلس بچہ اپنا بستہ بیچ رہا تھا

....

سدا رہے جکڑے قسمت کی جو زنجیروں میں
ہمارا نام بھی شامل ہے ان اسیروں میں
وہ جس کے ساتھ کی خواہش اڑان بھرتی ہے
اسی کا نام نہیں ہاتھ کی لکیروں میں
آسیہ وحید ---- لاہور
وہ محبتوں کے سودے بھی عجیب کرتا ہے فراز
بس مسکراتا ہے اور دل خرید لیتا ہے

....

تمہارا ساتھ تسلسل سے چاہیے مجھ کو
تھکن زمانوں کی لمحوں میں کب اترتی ہے

....

ہمیں آ کر منا لینا
کسی بھی شام سے پہلے
اداسی ٹھہر جاتی ہے
تمہارے نام سے پہلے

جویریہ ناصر ---- گلبرگ لاہور
کاش ایسا ہو اب کے بے وفائی میں کروں
تو پھرے قریہ بہ کوبہ کو میرے لئے
میں لامحدود ہو جاؤں سمندر کی طرح
تو بھی دریا بہ دریا جو بہ جو میرے لئے

....

روٹھ جاتے ہو تو کچھ اور حسین لگتے ہو
ہم نے یہ سوچ کر ہی تم کو خفا رکھا ہے

....

تاروں کو گو شمار میں آنا محال ہے
لیکن کسی کو نیند نہ آئے تو کیا کرے
رابعہ ارشد ---- فیصل آباد
تمام عمر کی بیداریاں بھی سہہ لیں گے
ملی ہے چھاؤں تو بس ایک نیند سو لیں آج

....

کچھ ایسی بھی گزری تھیں تیرے ہجر کی راتیں
دل درد سے خالی ہو مگر نیند نہ آئے

....

ہم رہا ہونے کو تھے جب خواہشوں کی قید سے
اس کو نیند اچھی تو مجھ کو رت جگا اچھا لگا
مسرت مصباح ---- لاڑکانہ
نیند تو درد کے بستر پہ بھی آ سکتی ہے
ان کی آغوش میں سر ہو یہ ضروری تو نہیں

....

بھول کر ذات تم کو یاد کیا
بات بے بات تم کو یاد کیا
نیند ناراض ہو گئی ہم سے
ہم نے جس رات تم کو یاد کیا

....

گردش دوراں زمانے کی نظر آنکھوں کو نیند
کتنے دشمن اک رسم دوستی سے ہو گئے
اُم ایمن ---- گوجرانوالہ
گزرتے ہیں یہ لمحے خاموشی سے
مگر ایسے کہ نیندیں ہی اڑا دیں

....

برسات کے موسم سے تجھے پیار بہت تھا
اب دیکھ لے آ کر میری بھیگی ہوئی آنکھیں

....

بدن میں آگ لگی ہے اور آنکھ روتی ہے
کہیں پہ دھوپ کہیں بارشوں کا موسم ہے
عابدہ سعید ---- گجرات
رفاقتوں کے نئے خواب خوشنما ہیں مگر
گزر چکا ہے ترے اعتبار کا موسم

....

رتوں کا قاعدہ ہے یہ وقت یہ آتی جاتی ہیں
ہمارے شہر میں کیوں رک گیا فریاد کا موسم
نہ کوئی غم خزاں کا ہے نہ خواہش ہے بہاروں کی
ہمارے ساتھ ہے امجد کسی کی یاد کا موسم

....

ابھی تو خشک ہے موسم بارش ہو تو سوچیں گے
کہ ہم نے اپنے ارمانوں کو کسی مٹی میں بونا ہے
سعدیہ جبار ---- ملتان
آنکھ تازہ منظروں کی آس میں کھو جائے گی
دل پرانے موسموں کو ڈھونڈتا رہ جائے گا

....

نیا موسم میری بینائی کو تسلیم نہیں
مری آنکھوں کو وہی خواب پرانا لا دے
فصیحہ آمنہ خان ---- ملتان
دل کو رہے گی آخر بے کلی کب تک؟
آنکھ تکتی رہے گی تیری گلی کب تک؟

....

جھلس رہی ہوں میں تنہائی میں
غم کی گہری آگ جلے گی کب تک؟

☆☆☆

ہرے بھرے کباب

اشیاء

پودینہ	چار گٹھی
بیسن	ایک کپ
ہری مرچ	دس عدد
ہرا دھنیا	ایک گٹھی
نمک	حسب ذائقہ
ثابت دھنیا بھنا ہوا	ایک چائے کا چمچہ
پیاز	ایک عدد
ٹماٹر بڑے سائز کے	دو عدد
تیل	ڈیپ فرائی کے لئے

ترکیب

پودینے اور ہرا دھنیا کو صاف کر کے پتے الگ کرلیں اور انہیں دھو کر باریک کاٹ لیں، پیاز، ٹماٹر اور ہری مرچ کو باریک کاٹ کر اس آمیزے میں نمک، ثابت دھنیا اور بیسن ملا کر اچھی طرح گوندھ لیں، جب یہ سخت آٹے کے پیڑے کے مانند ہو جائے تو اس کے ایک بڑے رول کی شکل دے دیں، اب ایک دیگچی میں پانی گرم کریں اور اس کے اوپر چھلنی رکھ کر اس پر رول رکھ دیں، کچھ دیر اسے بھاپ میں سخت ہونے دیں، اس کے بعد اس کے سلائس کاٹ لیں، کڑاہی میں درمیانی آنچ پر تیل گرم کریں اور میں سلائس ڈال کر گولڈن براؤن کرلیں، مزے دار ہرے بھرے کباب تیار ہیں املی کی چٹنی کے ساتھ سرو کریں۔

یوگرٹ مٹن

اشیاء

بکرے کا گوشت دھولیں	ایک کلو
دہی	ایک پاؤ
پیاز باریک کاٹ لیں	دو عدد
ادرک، لہسن پیسٹ	دو کھانے کے چمچے
ہری مرچ درمیانی سائز کی	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
تیل	آدھا کپ

ترکیب

دیگچی میں تیل گرم کریں، اس میں پیاز ڈال کر گولڈن براؤن ہونے تک تلیں، گوشت، نمک اور ادرک لہسن پیسٹ ڈال دیں، دو منٹ تک بھون کر تقریباً چار گلاس پانی گوشت میں ڈال کر گلنے کے لئے چھوڑ دیں، (اگر پانی خشک ہو جائے اور گوشت نہ گلے تو تھوڑا پانی اور ڈال دیں) آدھی ہری مرچ گرائنڈر میں پیس لیں، جب گوشت گل جائے تو دہی پھینٹ کر اس میں ملا دیں اور ساتھ ہی پسی ہوئی ہری مرچ بھی ملا دیں، جب دہی کا پانی بھی خشک ہو جائے تو باقی کی ثابت ہری مرچوں کے درمیان میں کٹ لگا کر گوشت میں ڈال دیں، ہلکی آنچ پر مزید دس منٹ پکائیں، جب تیل اوپر آ جائے تو اوپر سے پسا ہوا گرم مصالحہ ڈال دیں، مزے دار یوگرٹ مٹن تیار ہے، روغنی نان اور سلاد کے ساتھ گرم گرم سرو کریں۔

جہانگیری سیخ کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
ادرک لہسن پیسٹ	ایک کھانے کا چمچہ
کچری پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سونٹھ پسی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
پیاز باریک کٹی ہوئی	دو کھانے کے چمچے
ثابت دھنیا کوٹ لیں	ایک کھانے کا چمچہ
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
کاجو باریک چوپ کر لیں	تین کھانے کے چمچے
خشخاش پیس لیں	ایک چائے کا چمچہ
دیسی گھی	حسب ضرورت
ناریل پاؤڈر	دو کھانے کے چمچے
بیسن	دو کھانے کے چمچے
دہکتا ہوا کوئلہ	ایک عدد

ترکیب

ایک پیالے میں قیمہ، ادرک، لہسن پیسٹ، کچری پاؤڈر، سونٹھ، گرم مصالحہ پاؤڈر، پیاز، ثابت دھنیا، نمک، لال مرچ کا پاؤڈر، خشخاش، ناریل پاؤڈر اور بیسن ڈال کر اچھی طرح مکس کریں، جس طرح آٹا گوندھتے ہیں اس طرح گوندھ لیں، اس کو بیس منٹ کے لئے رکھ دیں، پھر درمیان ڈبل روٹی یا پیاز کا چھلکا رکھ کر کوئلہ رکھیں، دو تین قطرے دیسی گھی ٹپکا کر ڈھک دیں۔

اب اس قیمے کو سیخوں پر سیخ کباب کی طرح چڑھا کر دہکتے کوئلے پر سینک لیں، دیسی گھی کا بگھار لگا کر سرونگ ڈش میں نکال لیں، پراٹھوں یا نان کے ساتھ سرو کریں۔

منگولین گوشت

اشیاء

گوشت	آدھا کلو
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
سرکہ	دو کھانے کے چمچے
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
گرم مصالحہ پاؤڈر	چوتھائی چائے کا چمچہ
سوس بنانے کے لئے:۔	
مرغی کی یخنی	چوتھائی کپ
سویا ساس	ایک کھانے کا چمچہ
تیل	حسب ضرورت
سرکہ	ایک کھانے کا چمچہ
چلی سوس	آدھا چائے کا چمچہ
چینی	آدھا چائے کا چمچہ
کارن فلور	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
(تمام اشیا مکس کر لیں)	
ہری مرچ	آٹھ عدد
لہسن کے جوئے	چار عدد
ثابت لال مرچ	آٹھ سے دس عدد
ثابت سیاہ مرچ	چوتھائی چائے کا چمچہ
ادرک	ایک انچ کا ٹکڑا

ترکیب

مرغی کی یخنی میں سویا ساس، سرکہ، چینی سوس، چینی اور کارن فلور ڈال کر مکس کر کے سوس تیار کر لیں۔

کڑاہی میں دو چمچے تیل گرم کریں، اس میں لال مرچ ڈال کر کڑکڑائیں اور گوشت، گرم مصالحہ پاؤڈر، سویا ساس اور سرکہ ڈال کر تقریباً پانچ منٹ کے لئے فرائی کریں، دوسری کڑاہی میں تھوڑا سا تیل ڈالیں، اس میں ہری پیاز، سیاہ مرچ اور چینی ڈال کر پکائیں، جب سارا مصالحہ بھون جائے تو گوشت ڈالیں اور ساتھ ہی سوس بھی ڈال دیں اور پکا کر گاڑھا کر لیں سادہ ابلے

ہوئے چاولوں کے ساتھ سرو کریں۔

کابلی چنے کے کباب

اشیاء

کابلی چنے ابلے ہوئے	آدھا کلو
آٹا	آدھا کپ
نمک	حسب ذائقہ
کٹی لال مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
سیاہ مرچ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ	ایک کھانے کا چمچہ
ہری مرچ باریک کٹی ہوئی	ایک چائے کا چمچہ
سفید تل	تین کھانے کے چمچے
تیل	فرائی کے لئے

ترکیب

چنے اچھی طرح ابال کر میش کر لیں، اس میں آٹا، نمک، لال مرچ، سیاہ مرچ پاؤڈر، ہری مرچ، زیرہ اور تل ڈال کر مکس کر لیں، ہاتھ سے گول کباب بنائیں، تیل گرم کر کے کبابوں کو ہلکا فرائی کر کے دونوں طرف سے گولڈن کر لیں کیچپ اور کھٹی میٹھی املی سوس کے ساتھ سرو کریں۔

ہنٹر بیف

اشیاء

بیف	ڈیڑھ کلو
دار چینی	چار اسٹکس
ثابت سیاہ مرچیں	تین چائے کے چمچے
لونگیں	ایک چائے کا چمچہ
سفید زیرہ کٹا ہوا	ایک کھانے کا چمچہ
لیموں رس نکال لیں	چار عدد
نمک	حسب ذائقہ
قلمی شورہ (کالا نمک)	دو کھانے کا چمچے
دیسی گڑ	تین کھانے کے چمچے

ترکیب

بیف کو کانٹے سے اچھی طرح گود لیں، دار چینی، ثابت سیاہ مرچیں، لونگ، سفید زیرہ، نمک، قلمی شورہ اور دیسی گڑ ملا کر مصالحہ کو اچھی طرح پیس لیں، اس کے بعد لیموں کا رس اور پسا ہوا مصالحہ گوشت پر لگا کر چار سے پانچ دن کے لئے فریج میں رکھیں اور روزانہ گوشت کو گود لیں، چار پانچ منٹ کے بعد تین کپ پانی ڈال کر ہلکی آنچ پر پکائیں، تیار ہو جائے تو اتار لیں اور ٹھنڈا کر کے سلائس کاٹ لیں، ٹماٹو کیچپ کے ساتھ سرو کریں۔

شکار پوری کباب

اشیاء

قیمہ	ایک کلو
لونگ پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
دار چینی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
چھوٹی الائچی پاؤڈر	ایک چائے کا چمچہ
جاوتری	ایک چٹکی
سرخ مرچ	ایک کھانے کا چمچہ
ادرک، لہسن	چار کھانے کے چمچے
انڈا	ایک عدد
ہری مرچ	آٹھ عدد
ہرا دھنیا	آدھی گٹھی
ادرک	ایک بڑا ٹکڑا
لہسن	دس جوئے
پیاز	دو عدد
کشمش	دس عدد

ترکیب

ایک برتن میں قیمے کے ساتھ لونگ، دار چینی، چھوٹی الائچی، جاوتری، سرخ مرچ، لہسن، ادرک کا پیسٹ اور نمک ملا کر گلا لیں اور ٹھنڈا کر لیں، ٹھنڈا ہونے کے بعد پیس کے ان کی چھوٹی چھوٹی گیندیں بنا لیں، کشمش سمیت باقی ہرا مصالحہ پیس کر ان گیندوں میں بھر لیں اور انڈے

میں ڈبو کر تل لیں، پودینے کی چٹنی اور نان کے ساتھ سرو کریں۔

سفید گوشت

اشیاء

مٹن درمیانے پیس	ایک کلو
پیاز	دو عدد
لہسن، ادرک	1/2 چمچہ
لونگ	آٹھ عدد
دار چینی	ایک بڑا ٹکڑا
کالی مرچ	پندرہ دانے
نمک	حسب ضرورت
ہری مرچ	چار عدد
تیل	ایک کپ

ترکیب

دیگچی میں تیل گرم کریں اور اس میں گوشت ڈال کر اس کی بو ختم کرلیں، تقریباً پانچ منٹ کے وقفے سے اس میں چار گلاس پانی ڈال دیں، پیاز کے چار چار ٹکڑے کرلیں، ہری مرچ، نمک، لہسن، ادرک، لونگ، دار چینی اور کالی مرچ گوشت میں ڈال دیں، تیز آنچ پر دس منٹ پکائیں، پھر آنچ ہلکی کرلیں اور دیگچی پر وزن رکھیں، تقریباً دو گھنٹے پکنے دیں۔

مزے دار سفید گوشت تیار ہے، سادہ پلاؤ اور شامی کباب کے ساتھ نوش فرمائیں۔

آلو کوفتہ بوٹی بریانی

اشیاء

قیمہ	250 گرام
نمک	حسب ذائقہ
لال مرچ پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
لہسن، ادرک پیسٹ	ایک چائے کا چمچہ
ہرا دھنیا کٹا ہوا	ایک چوتھائی کپ
ہری مرچیں کٹی ہوئی	تین عدد
زیرہ پاؤڈر	ڈیڑھ چائے کا چمچہ
پیاز کٹی ہوئی	ڈیڑھ کپ
سیلا چاول	آدھا کلو
گوشت کی بوٹی	250 گرام
آلو	دو سے تین عدد
تیل	ایک کپ
ہلدی پاؤڈر	آدھا چائے کا چمچہ
دہی	ایک چوتھائی کپ
ثابت گرم مصالحہ	ایک چائے کا چمچہ
پسا گرم مصالحہ	آدھا چائے کا چمچہ
زرد رنگ	دو چٹکی

ترکیب

قیمہ کو چوپر میں پیس کر نمک، مرچ، ہرا دھنیا، زیرہ پاؤڈر، پیاز باریک کر کے لہسن ادرک کا پیسٹ اور ہری مرچیں ڈال کر مکس کر لیں اور کوفتے بنالیں۔

ایک کڑاہی میں تیل گرم کر کے اس میں پیاز سنہری کرلیں، نمک لال مرچ پاؤڈر، ہلدی پاؤڈر، ثابت گرم مصالحہ، لہسن، ادرک پیسٹ اور دہی ڈال کر بھونیں، کوفتے ڈالیں، پانچ منٹ بعد ابلی ہوئی بوٹیاں اور آلو بھی ڈالیں اور ایک کپ پانی ڈال کر پکائیں، آلو گل جائیں تو ہری مرچیں، ہرا دھنیا، گرم مصالحہ ڈالیں۔

دیگچی میں چاولوں کی آدھی مقدار ڈالیں، کوفتے، بوٹی، آلو مصالحہ ڈال کر باقی چاول ڈالیں اور زعفرانی رنگ ڈال کر دم پر لگائیں، آلو کوفتہ بوٹی بریانی تیار ہے سرو کریں۔

☆☆☆

فوزیہ شفیق

السلام علیکم!

مئی کے شمارے کے ساتھ آپ کی خدمت میں حاضر ہیں، آپ سب کی صحت و سلامتی کی دعاؤں کے ساتھ۔

گرمی ہمیشہ کی طرح اب کے بھی بھرپور طریقے سے اپنا احساس دلا رہی ہے، ہر گزرتے دن کے ساتھ اس کی شدت میں اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، انسان ہی نہیں، چرند، پرند، درخت پودے بھی ابر رحمت کے منتظر ہیں۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ باہر کے موسم تو آتے جاتے رہتے ہیں، خوشگواری اور سرشاری تو ہمارے اندر سے پھوٹتی ہے اور صرف ایک ہی جذبہ دل کو سچی راحت عطا کرتا ہے، وہ جذبہ جس پر اس کائنات کی بنیاد رکھی گئی، ہمدردی، محبت دوسروں کے کام آنے اور ایک دوسرے کے غم بانٹنے کا جذبہ۔

وقت اچھا ہو یا برا بہر حال گزر ہی جاتا ہے، یہ سختی، یہ خوشگواری ہی زندگی ہے، پل پل بدلتی اس زندگی میں انسان کو ہر طرح کے سرد و گرم حالات سے نبرد آزما ہونا پڑتا ہے، زندگی در حقیقت ایک امتحان ہے اور ناموافق حالات کا مقابلہ ہمت سے کر کے ہی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے۔

اچھے حالات خوشگوار موسم ہمارے منتظر ہیں شرط صرف اتنی ہے کہ ہمت نہ ہاریں، کوشش جاری رکھیں یاد رکھیئے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت بیکراں ہے، لیکن اس کے مستحق وہی لوگ ٹھہرتے ہیں جو اس کی رحمت سے کسی حال میں بھی مایوس نہیں ہوتے۔

اپنی دعاؤں میں یاد رکھیئے گا، اپنا بہت سا خیال رکھیئے گا اور ان کا بھی جو آپ سے محبت کرتے ہیں، آپ کا خیال رکھتے ہیں، اللہ تعالیٰ آپ سب کو ہمیشہ خوش و خرم آباد رکھے اور آپ کی زندگی کو سہل بنا دے آمین۔

آیئے آپ کے خطوط کی محفل میں چلتے ہیں درود پاک، استغفار اور کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے۔

یہ پہلا خط ہمیں انوشہ ریحان کا بھیرہ سے موصول ہوا ہے وہ اپنی رائے کا اظہار کچھ یوں کر رہی ہیں۔

اپریل کا شمارہ خوبصورت سرورق کے ساتھ سجا ملا، چند لمحے سرورق پر سجی حسینہ کو پہنچاننے کی کوشش کرتے رہے پھر ناکام ہو کر آگے بڑھے اور سردار طاہر محمود صاحب کی کچھ باتیں سنی، بلاشبہ ان کی باتیں متاثر کن تھیں، نہ جانے سوشل میڈیا پر ایسے شیطان نما انسان اچانک کہاں سے نمودار ہوئے، ایسے لوگوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا وعدہ ہے کہ یہ ہمیشہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے ایمان کو مضبوط بنانے اور ناموس رسالت پر مر مٹنے کی توفیق عطا فرمائے آمین۔

اس کے بعد حمد و نعت اور پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں پڑھی یہ سلسلہ ایمان افروز اور دینی معلومات کا خزانہ ہے، آگے بڑھے تو انشاء جی کو

پان کا ذکر کرتے پایا، اس کی بات پر سر دھنتے ام مریم کے سحر نگر مطلب ''دل گزیدہ'' میں پہنچے، واہ ام مریم کیا بات ہے آپ کی، آپ تحریر لکھنے میں ہر ہر بات کا خیال رکھتی ہیں دل گزیدہ کی اس مرتبہ کی قسط بے حد متاثر کن تھی، بہت سے کردار واقعات کھل کر سامنے آنے لگے ہیں پلیز آپ قدر کو علی شیر جیسے خودغرض شخص کی ذات کا حصہ نہ بنائیے گا، اگلی قسط کا شدت سے انتظار رہتا ہے، اس مرتبہ تو نایاب جیلانی بھی چھا گئیں، بہت خوب اس ماہ کی قسط بڑی دلچسپ تھی، بہت کردار اور واقعات مل کر تحریر کو واضح کر رہے ہیں نایاب جی اس ماہ کی قسط پڑھ کر لگا کہ ناول اب اینڈ کی طرف جا رہا ہے کیا میں درست انداز لگا پائی؟ بتائیے گا، کافی عرصے بعد سونیا چوہدری نظر آئی وہ بھی طویل مکمل ناول کے ساتھ، واہ کیا خوبصورت تحریر ہے سونیا آپ کی، آپ کا مکمل ناول ''متاع جاں ہے تو'' بلاشبہ اس ماہ کی بہترین تحریر تھی کہانی اگرچہ اداس کر دینے والی ہے مگر پھر بھی متاثر کن ہے، شاعری کا بھی آپ نے اچھا استعمال کیا، پلیز رائے اگلی قسط پڑھ کر دی جائے گی، اگلی قسط کا انتظار ہے، صبا جاوید کا مکمل ناول ''اک بار کہو'' کا موضوع اگرچہ پرانا تھا مگر لفظوں کے چناؤ نے اسے ایک نئی خوبصورتی عطا کی اور یہ دلچسپ لگا، صبا آپ کی تحریروں کا مجھے انتظار رہتا ہے، ارے واہ قرۃ العین رائے بہت طویل عرصے کے بعد اپنی تحریر کے ساتھ حاضر ہوئی حنا کے چمن میں اور کیا خوب تحریر لائیں، آخر تک تحریر پر قرۃ العین کی گرفت تھی، قرۃ العین کی ایک نمایاں خوبی یہ ہے کہ وہ ہمیشہ اچھوتے موضوع کے ساتھ نظر آتی ہیں۔

اب بات ہو جائے اس تحریر کی جس کی وجہ سے میں آج اس محفل میں آئی ہوں مبشرہ انصاری کا ناولٹ ''ان لمحوں کے دامن میں'' کی دو اقساط شائع ہوئی ہیں، یوں لگتا ہے مبشرہ نے یہ تحریر ہمسایہ ممالک کے ایک شو ''بگ باس'' سے متاثر ہو کر لکھی ہے، تقریباً اس سے ملتی جلتی سٹوری ہے، تحریر میں افسانوی رنگ کچھ زیادہ ہی ہے الحان ابراہیم کو پلے بوائے کے طور پر دکھایا گیا ہے کہ آگے چل کر یقیناً مانہ کی محبت میں گرفتار ہو کر راہ راست پر آ جائے گا، مبشرہ آپ کا نہیں خیال کہ اس تحریر میں لفظ چوب محل اور متانت کا استعمال کچھ زیادہ ہی کیا ہے، بائی دا وے یہ چوب محل کیا ہے پلیز وضاحت ضرور کیجئے گا، افسانوں میں سیما بنت عاصم کے ''پانچ سو'' نے متاثر کیا، سیما بیٹیوں کو ایسے ہی تو اللہ کی رحمت نہیں کہا گیا، رمشا احمد کی ''یہ ریاضتیں'' اور ثمینہ شیخ کے افسانے ''درد کی چھاؤں'' نے متاثر کیا، شبانہ شوکت اس مرتبہ کوئی خاص تاثر نہ چھوڑ سکیں، حنا اصغر اور فرح طاہر کے افسانے بھی اچھی کوشش تھے مصنفین کی، حاصل مطالعہ، رنگ حنا میں سبھی ساتھیوں نے اچھا لکھا، بیاض اور ڈائری کا سلسلہ تو ہوتا ہی اچھا ہے جبکہ دستر خوان اور کس قیامت کے یہ نامے، ہمیشہ کی طرح چٹ پٹے لگے۔

انوشہ ریحان خوش آمدید اس محفل میں، دیکھئے آپ کے آنے سے یہ محفل کتنی جگمگا اٹھی ہے، آپ نہ جانے کیوں گھبرا رہی تھیں، اپریل کے شمارے کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی رائے ان سطور کے ذریعے مصنفین کو پہنچا دی ہے، مبشرہ انصاری کے ناول کی بقیہ اقساط پڑھ کر ہی پتا چلے گا ان کی تحریر کے متعلق آپ کا اندازہ کتنا درست ہے چوب محل کا مطلب ایک ایسی عمارت ہے جو کہ مکمل لکڑی سے تیاری کی ہو، اپنی رائے سے آگاہ کرتی رہیے گا ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

یہ خط ہمیں کراچی سے مسز نگہت غفار کا

موصول ہوا ہے، مسز نگہت غفار کا یہ محبت نامہ اتنے مزے کا تھا کہ ہم نے چاہا اسے قارئین تک نہ پہنچانا زیادتی ہے کچھ لائنز کو کاٹنا ادارے کی پالیسی ہے اس کے لئے مسز نگہت غفار ہم آپ سے معذرت خواں ہیں۔

مسز نگہت غفار کچھ یوں اپنی محبتوں کا اظہار کر رہی ہیں۔

ایک دن اچانک ہم نے بچوں سے کہنا شروع کیا کہ بیٹا ہمیں ''حنا'' لا دو اور بچے بھول جاتے، ہم آج اپنی پنشن لانے بینک گئے تو سوچا، رکشہ تو انگیج ہے چلو ہاکر بھیا کی خیر خبر لیتے چلیں حالانکہ دھوپ گرم ہوا دونوں نے حلیہ ٹائٹ کر رکھا تھا ناشتے کے بعد دوائی بھی نہیں لی تھی بس ایک دھن سوار تھی کہ حنا خریدنا ہے، اسٹال پہنچے دعا سلام کے بعد ہم نے حنا کا پوچھا، بڑی مشکل سے اپریل کا حنا مل گیا ہم نے اس پر اللہ کا شکر ادا کیا گھر آ کر......نماز قرآن سے فارغ ہو کر حنا کا مطالعہ کیا سب کچھ بہت اچھا لگا تمام سلسلے بھی خوب تھے، مگر بس ایک بات پر کچھ دیر کے لئے ٹھٹکے وہ محفل وہ سلسلہ ہے خطوط کا ہر رسالے کا نچوڑ اور جان ہوتا ہے، مجھے بہت پسند ہے کہ خطوط اور تبصرے زیادہ سے زیادہ ہوں فوزیہ جی آپ نے مائنڈ تو نہیں کیا، پہلی بار حنا کے رنگ دیکھنے آئیں ہیں تو مشورے دینے لگیں اگر ایسا ہے تو سوری معذرت۔

اب تھوڑا سا تبصرہ حاضر ہے کیونکہ خط طویل ہو گیا ہے، جناب سردار طاہر محمود کی باتیں پڑھیں اور دل کی تمام تر گہرائیوں سے دعا کی کہ اے کائنات کے رب ہمارے پیارے اور بے حد قربانیوں سے حاصل ہونے والے وطن کو ہر بری نظر، برے حالات، آفات، ناگہانی، سیاست ہر قسم کی سیاست سے محفوظ رکھ آمین۔

دوسرے نمبر پر، حمد باری تعالیٰ اور نعت رسول مقبول کی کرنوں سے مستفید ہوتے ہوئے آگے قدم بڑھایا تو پیارے نبیؐ کی پیاری باتیں دینی معلومات میں خاصا اضافہ ہوا۔

انشاء نامہ میں ''ذکر پان کا'' مضمون پڑھا اچھا لگا۔

سلسلے وار کہانیاں اور ناولٹ نہیں پڑھے، ہاں چند کہانیاں پڑھیں اچھی لگیں، سیما بنت عاصم کا نام پڑھا شناسائی کی جھلک محسوس ہوئی پھر یاد آیا کہ ان سے ملاقات شاید ''عقیلہ حق'' کی تقریب میں ہوئی تھی بیٹا سیما بھئی تمہارا ''پانچ سو کا نوٹ'' ہمیں اچھا لگا، ''دعائیں مانگی نہیں جاتی، نئے موسموں کی خبر، درد کی چھاؤں'' ابھی اتنا ہی پڑھا، نماز فجر سے فارغ ہوئے اللہ کے کلام سے دل و دماغ کو معطر کیا اور پھر سے حنا اٹھایا، رات کے ساڑھے تین ہو رہے ہیں بیٹے، سب بار بار ٹوک رہے ہیں اب باقی باتیں صبح فجر کے بعد۔

ہاں تو جناب حاصل مطالعہ کا مطالعہ کیا ماشاء اللہ ساری تحریریں اچھی تھیں، القرآن، حدیث شریف، تلاوت قرآن، اقوال نبیؐ، مشعل راہ، عقل کی باتیں، اللہ کا رحم، اقوال زریں، جامع نصیحت یہ ساری کی ساری تحاریر قابل تعریف ہیں۔

بیاض میں فرح سعید، فوزیہ غزل، سارا نعیم، صائمہ سعید، نازیہ سمن، ان کے اشعار اور قطعات پسند آئے۔

رنگ حنا میں تقریباً تمام تحریریں مزاحیہ ہیں، اچھی لگیں، میری ڈائری میں بھئی اس میں بھی تقریباً سب ہی کے کلام اچھے تھے، ایک مصنفہ پیاری سی سباس گل کو دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔

کس قیامت کے یہ نامے، بھئی پھر وہی

پاک سوسائٹی ڈاٹ کام پر موجود آل ٹائم بیسٹ سیلرز:-

پیار بھری شکایت، نامے بہت ہی کم ہیں تھوڑی سی تعداد بڑھ جائے تو اور زیادہ قیامت ڈھائے نگے پیارے۔

جاتے جاتے نیک تمناؤں اور بھرپور دعاؤں کے ساتھ اللہ آپ کی فیملی اور حنا فیملی کو اپنی حفظ و امان میں رکھے ہمارے ملک پاکستان کی حفاظت کرے دشمنوں اور شر پسند لوگوں سے محفوظ رکھے آمین۔

مسز نگہت غفار خوش آمدید آپ کو دلوں جاں سے اس محفل میں اور اس کے بعد آپ کے لئے یہ کہیں گے بہت دیر کر دی مہرباں آتے آتے۔

بہرحال دیر سے ہی سہی آپ آئی تو، حنا کے گلدستے میں ایک اور خوشنما پھول کا اضافہ، دیکھیے اسے کتنی خوبصورتی عطا کر گیا، اپریل کا شمارہ آپ کے ذوق پر پورا اترا، ہمیں یہ جان کر دلی خوشی ہوئی اور یہ خوشی مزید بڑھ سکتی ہے جو آپ اپنی تحریر ہمیں ارسال کریں، ہمیں خوشی ہو گی آپ کو حنا کا حصہ بنا کر، اپنا خیال رکھا کریں اور سب سے پہلے میڈیسن لیا کریں باقی کام تو ہوتے رہتے ہیں، بہت سا شکریہ آپ کی محبتوں کا جن کا اظہار آپ نے کیا ہم آئندہ بھی آپ کی رائے کے منتظر رہیں گے اور ہاں جب آپ کی شادی ہوئی ہم نے اس کے پانچ سال بعد اس دنیا کو رونق بخشی (آہم) اب آپ جو بھی رشتہ بنانا چاہئیں ہم حاضر ہیں ہم منتظر رہیں گے شکریہ۔

نازیہ علی: گجرات سے لکھتی ہیں۔

زیادہ کہانیوں کی شوقین تو نہیں ہوں مگر اکثر حنا ساریہ سے لے کر پڑھتی ہوں، حنا بہت اچھا ماہنامہ ہے، اس کی تحریر اک دم مثبت اثر ذہن پر چھوڑتی ہے، ساریہ کو دیکھ کر مجھے بھی پڑھنے اور لکھنے کا شوق پیدا ہوا میں ایک عرصے سے حنا کی خاموش قاری تھی، اچانک سے سرپرائز کے طور پر ساریہ کی کہانی سامنے آئی۔

''امید ابھی کچھ باقی ہے'' واہ زبردست یار پھر اگلے ہی ماہ ''اس پار تو ہار چلے'' پہلے جو ارادہ تھا لکھنے کا ٹوٹ گیا مگر پڑھ کر پکا ارادہ باندھ لیا قلم اٹھانا ہے اور آخر کار ہم نے قلم اٹھا لیا بھرپور تبصرہ کرتے مگر پھر سوچا نہ جانے آپ شائع کریں گے یا نہیں اگر آپ نے حوصلہ افزائی کی میرا خط شامل کیا اگلے ماہ بھرپور تبصرے کے ساتھ حاضر ہوں گی میں زیادہ شوقین نہیں تھی مگر جب سے ساریہ آپ کی تحریریں پڑھیں ہیں مجھے بھی شوق ہونے لگا ہے، کچھ اس لئے بھی کہ آپ میرے نزدیک ہو اور کچھ آپ کی تحریروں کا اثر ہونے لگا ہے، اصل وجہ ''اس پار تو ہار چلے'' افسانہ تھا، اک دم بیسٹ میری دعا ہے اللہ آپ کو ڈھیروں خوشیاں اور کامیابیاں دے اور آپ اپنی سوچ اور قلم کے ذریعے لوگوں پر مثبت اثرات چھوڑیں، فوزیہ آپی آپ سے درخواست ہے اس کو شامل کر کے میرا پیغام ساریہ چوہدری تک پہنچا دیں اگر آپ نے اسے شائع کیا تو آئندہ بھی حاضر ہوں گی پلیز۔

نازیہ علی خوش آمدید، ساریہ کی تحریروں کو پسند کرنے کا شکریہ آپ کی تعریف ان سطور کے ذریعے ساریہ تک پہنچائی جا رہی ہے، ہمیں زیادہ خوشی ہوتی اگر آپ حنا کی تمام تحریروں پر تبصرہ کرتی اور ہاں ایک بات کی ہم وضاحت کرتے چلیں، ''اس پار ہار چلے'' ساریہ چوہدری کا نہیں، ایمان علی کی تحریر تھی، اگلے ماہ آپ کے بھرپور تبصرے کے منتظر رہیں گے شکریہ۔

☆☆☆